سوانح ائمہ کے مبارک سلسلہ کی آٹھویں کتاب

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

سنہ ۱۳۳۴ ہجری

تحفہ رضویہ

یعنی

سوانح عمری جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام

مولفہ و مرتبہ

مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کوآتھ ضلع آرہ

در مطبع مقبول پریس دہلی باہتمام منشی [illegible] طبع گردید

جملہ حقوق محفوظ ہیں

لواعج الاحزان المعروف بہ مظہر المصائب

یہ نایاب کتاب عالم جلیل مصنف حجت البالغہ وسواء السبیل امام الجمعہ والجماعت فخر الحاج مولانا مولوی السید محمد مہدی صاحب قبلہ کی تصنیف سے ہے۔ اور حسب ایمائے عالیجناب مولانا مولوی السید مقبول احمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی طبع ہو کر پہلے بھی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ملک کے ہر گوشہ میں شائع ہو چکی ہے۔ اور اسکی روزافزوں قبولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اب یہ تیسری بار نہایت اعلےٰ درجہ کے دبیز چلنے کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔

یہ وہ نادر زمانہ تصنیف ہے جس میں ذکر مصائب جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا و دیگر شہدائے کربلا نیز چہاردہ معصومین علیہم السلام کی ولادت و وفات کی مجالس سلسلہ وار موجود ہیں۔ اور جس میں عام واقفیت بڑھانے کی خاطر ہر معصوم کے احوال ضروری ایک جدول میں دکھلائے گئے ہیں۔ نیز ایک شجرہ مبارکہ جس میں معصومین کے آبائو اجداد و اولاد کا تفصیلی ذکر ہے تیار کیا گیا ہے۔ الغرض بحیثیت مجموعی یہ کتاب نہایت خوش اسلوبی سے مرتب ہوئی ہے۔ اور اپنے گرانبہا مضامین کی وجہ سے بفضلہ تعالےٰ بار سوم چھاپی گئی ہے۔ اس تیسرے ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکا ایک ایک لفظ صدر المحققین ناصر الملۃ والدین سرکار شریعتمدار مولوی السید ناصر حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر ادام اللہ برکاتہ کی نظر فیض اثر سے بھی گزر چکا ہے۔ اور موصوف نے اس کتاب کو نہایت شوق سے ملاحظہ فرما کر توثیق بھی مرحمت کی ہے۔ ذکر مصائب خاصکر سچی روایات پڑھنے کے لئے مصنف ممدوح نے مومنین کے لئے ایسا گرانبہا تحفہ پیش کر دیا ہے کہ عزاداران مظلوم کربلا اسکے ذریعہ سے خود بھی مثاب ہو سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی داخل ثواب کر سکتے ہیں۔ کاغذ اعلےٰ درجہ کا سفید چکنا۔ دبیز مضبوط و پائدار۔ ضخامت ۵۷۰ صفحہ ہدیہ ان سب خوبیوں کے باوجود فی جلد علاوہ محصول ڈاک سے۲

منیجر جوہر اینڈ کمپنی مقبول پریس چتلی قبر دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ

خداوند تبارک و تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس مقدس سلسلہ "سیرۃ اہلبیت کرام علیہم السلام" کا "گیارھواں نمبر" موسوم بہ "تحفۂ رضویہ" بھی بخیر و خوبی تمام ہوگیا۔

اس مبارک سیرۃ میں جس کثرت اور افراط سے حالات اور واقعات کے اندراج کی ضرورت تھی اُسی قدر مختلف دلائل اور مباحث کے مضامین بھی منضبط کرنے ہوئے۔ کیونکہ مامون عباسی نے اپنی ولیعہدی کے مسئلہ کو ایک نئی صورت اور جدید طریقہ میں بدلنا چاہا۔ اور اپنے اسلاف ماضیین اور سلاطین سابقین کا اختیار کردہ اصول کے بالکل خلاف اپنی ولیعہدی کا منصب اس سلسلہ کو سپرد کرنا چاہا جو عام نگاہوں میں ابتدا سے لیکر سلطنت کا مخالف یقین کیا جاتا تھا۔

جہانتک مسئلہ ولیعہدی پر غور کیا گیا ہے اور ان امور کی تلاش کی گئی ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مامون کے یہ معاملات حضرت موسیٰ رضا علیہ السلام کے ساتھ اسکے اخلاص و اتحاد کو نہیں بتلاتے بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ امور بھی اُسکی مدبرانہ چالوں کے عالم فریب نمونے تھے۔ ہم نے اس کتاب میں اُسکی موجودہ چالوں کو پوری تفصیل اور کافی تشریح کے ساتھ لکھدیا ہے جس سے اخلاص و اتحاد کے تمام ظنّی اور قیاسی دلائل کٹ جاتے ہیں۔

اسی طرح سے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے قتل سے مامون کی برائت کا مضمون بھی پوری وسعت کے ساتھ تاریخ و سیر کے معتبر اور مستند ماخذوں سے تیار کرکے لکھدیا گیا ہے۔ جسکو دیکھکر علم تاریخ سے صحیح مذاق رکھنے والا کبھی مامون عباسی کے سوا کسی دوسرے کو حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کا قاتل نہیں کہہ سکتا۔

اسی طرح سے سادات کی پرآشوبی کے حالات بھی تاریخ اسانید کے ساتھ مفصل اور مکمل کر کے لکھے گئے ہیں اور یہ بتلایا گیا ہے کہ تنہا سادات گے قبائل نے اپنی آزادی کا دعوٰی نہیں کیا تھا بلکہ ملک کی خرابی اور تباہی کے بہت بڑے باعث بنی عباس اور شاہی فوج کے افسر اور امرائے سلطنت بھی تھے۔
مامون اور فضل ابن سہل کے شیعہ ہونے کا مسئلہ بھی عموماً انہیں ظنیات اور قیاسات میں داخل ہے۔ اسکی تنقید و تردید بھی معتبر اور مستند اسانید کے ساتھ کر دی گئی ہے اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ ان حضرات اور اُنکے امثال کو اصول شیعہ سے کوئی تعلق اور واسطہ صحیح طور پر نہیں تھا۔
اپنے قدیم التزام اور انتظام تالیف کے اعتبار سے ان تمام دلائل اور مباحث کے ساتھ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی حیات ستودہ آیات کے تمام وکمال واقعات پیدائش کے روز سے لیکر آپکی وفات حسرت آیات کے دن تک پوری تصریح اور کامل توضیح کے ساتھ تحریر کئے گئے ہیں۔ اور آخر کتاب میں آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات کے متعلق وہ واقعات اور ایسے حالات تاریخ کے معتبر ماخذ سے نقل کیے گئے ہیں جو آپکی ذات مجمع الصفات کو عام طبقۂ انسانی میں بے مثال اور عدیم النظیر ثابت کر دیتے ہیں۔ اسی بحث کے ساتھ آپ کے ارشاد و ہدایات۔ آپکے خطبات۔ آپکے کلام معجز نظام جن کے حرف حرف سے آپکی استعداد و جامعیت کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔ قلمبند کئے گئے ہیں۔ خصوصاً مامون کے اُن معرکۃ الآرا جلسوں کی کیفیت پوری وضاحت سے تحریر کی گئی ہے جن میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے یہود و نصارٰے۔ مجوس۔ صابیہ اور دہریہ فرقوں کی مشہور و معروف علما کے ساتھ مناظرے اور مباحثے کرکے اُن کو بند کر دیا ہے۔
بہرحال انہیں مضامین کو لئے ہوئے ہماری یہ مختصر تالیف **تحفۂ رضویہ** سرپرستان قوم اور بزرگان ملت کی خدمات میں پیش کیجاتی ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ وہ اسکو تعمق اور توجہ کی نظر سے ملاحظہ فرماکر مؤلف کی فروگذاشتوں کو معفو فرمائینگے اور نیازمند کو اپنی عنایت بزرگانہ اور شفقت مربیانہ کا ممنون و مرہون بنائینگے ؎ بہ کریماں کارہا دشوار نیست۔ واللہ الموفق بالمؤمنین واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد والہ الطیبین الطاہرین اٰمین یارب العالمین

المؤلف
سید اولاد حیدر بلگرامی
عفاہ اللہ الحامی
کوآٹھ ضلع آرہ شاہ آباد

HYDERABAD STATE LIBRARY

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد المرسلین واٰلہ الطّاہرین
اسم مبارک آپ کا علیؑ، کنیت ابوالحسنؑ اور مشہور ترین لقب الرّضا ہے۔ آپ کی کنیت اور لقب کے متعلق روضۃ الصفا میں فصل الخطاب کے اسناد سے دو قول لکھے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

وقیل لابی جعفر محمّد ابن علی علیہما السلام ان اباك سماہ المامون الرضا ورضیہ لولایۃ عہدہ فقال بل اللہ عزوجلّ سماہ الرضا فی سمائہ ورضا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فی ارضہ وخصّہ من بین اٰبائہ الطّاہرین الماضیین بذٰلك لانہ رضی بہ المخالفون کما رضی بہ المنافقون
ابوجعفر محمد ابن علی علیہما السلام سے آپ کے والد بزرگوار کی نسبت کہا کہ آپ کا نام رضا مامون نے اس لئے رکھا تھا کہ وہ آپ کے ولیعہد بنانے پر راضی ہوگیا تھا۔ یہ سنکر امام علیہ السلام نے جواب دیا نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ خدائے سبحانہ تعالےٰ نے آپ کا نام رضا رکھا ہے کیونکہ خدائے عزوجل آسمان پر اور جناب محمد مصطفےٰؐ زمین پر آپ سے راضی ہوئے اور خدائے تبارک وتعالےٰ نے اس لقب مبارک کی وجہ سے آپ کو آپ کے اسلاف بزرگوار میں ایک خصوصیت کا شرف عنایت فرمایا ہے کیونکہ آپ کی ذات ستودہ آیات ایسی ہی تھی کہ آپ سے جس طرح دوست راضی رہتے تھے اسی طرح دشمن۔ دوسرا قول یہ ہے۔

کان ابوہ موسیٰ الکاظم علیہ السلام یقول ادعوالی ولدی الرّضا اذا خاطبہ قال یا اباالحسن وکان من الذین یدعون النّاس الی کتاب اللہ عزوجل وسنّۃ نبیّہ والی الرّضا من اٰل محمّد علیہم السلام

آپ کے والد بزرگوار جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے فرزند کو رضا کہا کرو۔ اور جب اُسے خطاب کرکے پکارو تو ابوالحسن کہا کرو۔ کیونکہ وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو خلائق کو کتاب خدا۔ سنّت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رضائے آل محمد علیہم السلام کی طرف ہدایت کریگا۔

ولادت باسعادت آپ کی مدینۂ منورہ میں ۲۵ ذیقعدہ پنجشنبہ کے دن ۱۴۸ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات سے کچھ روز بیشتر۔ اور بعض علما کے نزدیک آپکی ولادت ۱۱ ذیقعدہ۔ جمعہ کے دن ۱۵۳ھ ہجری میں۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد بتلاتے ہیں۔ مگر قول اوّل پر فریقین کا اتفاق ہے۔ اور تفسیر کافی میں اُسی کو درست بتلایا ہے۔

ولادت باسعادت کے متعلق حالات

جناب ام البنین نجمہ آپ کی مادر گرامی بیان فرماتی ہیں کہ مجھ کو ثقل حمل کا تاوقت وضع مطلق احساس نہیں ہوتا تھا۔ سوتی تھی تو آواز تسبیح اور تہلیل سنا کرتی تھی۔ اس واقعہ کی ہیبت سے یکایک میری آنکھ کھل جاتی تھی۔ میں ہر چند ادھر اُدھر دیکھتی مگر کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ خاموش ہوجاتی تھی۔ آپ جس وقت متولد ہوئے تو اول دستہائے مبارک زمین پر رکھے اور فرق مطہر آسمان کی طرف بلند کیا۔ لبہائے ہمایوں اس وقت حرکت کرتے تھے گویا کہ کچھ کلام کررہے ہیں۔ اُس وقت آپ کے پدر بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام داخل ہوئے۔ اور فرمایا کہ گوارا ہو اور مبارک ہو تم کو اے نجمہ جو کرامت وفضیلت کہ حق تعالےٰ نے تمکو بخشی ہے۔ میں نے ایک پارچہ سفید میں لپیٹ کر اُس مولود مسعود کو حضرت کی گود میں دیا۔ آپ نے اُن کے دہنے کان میں اذان۔ بائیں میں اقامت کہی۔ آب فرات سے تحنیک فرمایا۔ پھر مجھ کو واپس دیکر فرمایا۔ انہیں لیلو کہ بقیۂ خدا ہے زمین پر اور حجت خدا ہے میرے بعد۔

خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں بھی قریب قریب یہی مضمون درج کئے ہیں۔ اُنکی اصلی عبارت یہ ہے۔

قالت ام البنین لما حملت بابنی علی الرّضا علیہ السّلام لم اشعر بثقل الحمل کنت اسمع فی منامی تسبیحا وتحمیدا وتھلیلا من بطنی فلما وضعتہ وقع الی الارض واضعا یدیہ علی الارض رافعا راسہ الی السّماء متحرکا شفتیہ کانہ ناجی ربہ فدخل ابوہ موسیٰ ابن جعفر علیہما السّلام فقال لی ھنیئا لک کرامۃ ربّک عزوجلّ فنا ولتہ ایاہ فاذن فی اذنہ الیمنیٰ واقام فی الیسریٰ۔

جناب ام البنین سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ جب تک حضرت امام موسیٰ رضا علیہما السلام میرے حمل میں

رہے مجھے حمل کی گرانباری یا دشواری مطلق محسوس نہیں ہوئی۔ اکثر خواب میں میں تسبیح و تحمید و تہلیل کی آوازیں سنا کرتی تھی۔ جب جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے زمین پر تشریف لاتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے۔ اور اپنا فرق مبارک آسمان کی طرف بلند کر دیا۔ آپ کے لبہائے مبارک جنبش کرنے لگے۔ جیسے آپ خدائے سبحانہ تعالےٰ سے دعا فرماتے ہوں۔ اسی اثنا میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں خدائے تبارک و تعالےٰ کی یہ عنایت و کرامت مبارک ہو۔ پھر میں نے وہ مولود مسعود آپکی گود میں دیدیا۔ آپ نے آغوش میں لیکر مولود کے سیدھے کان میں اذان اور اُلٹے کان میں اقامت فرمائی۔

اتنا لکھکر ہمارے مقدس مؤلف آگے تحریر فرماتے ہیں۔

عن موسی الکاظم علیه السّلام انّه قال رأیت رسول الله صلّی الله علیه و اٰله وسلّم و امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیهما السّلام معه فقال النّبی صلّی الله علیه و اٰله وسلّم یا موسی ابنك ینظر بنور الله عزّ و جلّ و ینطق بالحکمة یصیب ولا یخطی یعلم و لا یجهل قد ملأ علما وحکما۔

یعنی جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو عالم رؤیا میں دیکھا۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے موسےٰ (علیہ السلام) یہ تمہارا فرزند خدا کے انوار معرفت کا بینا اور حکمت الٰہی کے مطابق گویا ہے۔ ہمیشہ ثواب پانیوالا ہوگا۔ نہ خطا کرنیوالا عالم ہوگا نہ جاہل۔ کیونکہ یہ علم و حکمت سے پُر اور مملو ہے۔

یہ تھے آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق احوال جو عموماً فریقین کی کتب تاریخ و سیر میں معتبر اسناد کے ساتھ مرقوم ہیں۔ اور یہ وہ مدارج مخصوصہ ہیں جو اس مبارک طبقہ اور اس مقدس سلسلہ کے لئے حضرت واہب العطایا کی طرف سے خاص طور پر ودیعت فرمائے گئے ہیں جن میں سوائے انکے کسی اور کے لئے مداخلت کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔ بقول محدث دہلوی ع دریں بزم رہ نیست بیگانہ را۔

آپ کی مادر گرامی کے حالات

آپ کی مادر گرامی قدر کے نام میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہیں۔ راوی سمان۔ نجمہ۔ سکینہ۔ اور

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولادت کے بعد آپ کو عموماً طاہرہ کہا کرتے تھے۔ اور جب سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لائیں آپکو تکتم کہنے لگے۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے۔

الا ان خیر الناس نفساً و والداً ٭ و رھطاً و اجداداً علی المعظم ٭ اتتنا بہ للعلم و الحلم ثامناً ٭ اماماً یودّی حجۃ اللّٰہ تکتمُ

آگاہ ہو کہ بہترین آدمیان بروئے نفس و آباؤ اجداد و کنبہ و قبیلہ علی ابن موسےٰ علیہما السلام صاحب رتبہ عظیٰ ہیں۔ وہ علم اور حلم میں آٹھویں حجّت خدا کی پہچانے والے شکم مبارک جناب تکتم سے پیدا ہوئے ہیں۔ صاحب روضۃ الصفا اس خاتون معظمہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی مادر گرامی قدر کے مختلف نام پائے جاتے ہیں۔ اکثر انکو اروی لکھتے ہیں اور بعض نجمہ اور بعض ام البنین۔ اور روایات معتبرہ سے آپکے حالات اسطرح ظاہر ہوتے ہیں کہ یہ عجم کے شریف ترین خاندان کی صاحبزادی تھیں۔ نہایت سلیم الطبع۔ صاحب عقل و شعور اور اہل عظمت و صاحب صلاحیت۔ انکو جناب حمیدہ مصفا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ مقدسہ نے خرید فرمایا تھا۔ ان کے محاسن ذاتی پر تمام عجم کی عورتیں فخر کرتی تھیں۔ انہیں ام البنین بھی کہتے تھے۔ آپ کے خرید کئے جانے کے متعلق علمائے معتبرین نے لکھا ہے۔ ہشام ابن احمد ناقل ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ کوئی بردہ فروش مغربیہ سے تو نہیں آیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں آیا ہے۔ آؤ ہم تم اُسکے پاس چلیں۔ غرض ہم لوگ اُسکے پاس پہنچے تو آپ نے اُس سے پوچھا تیرے پاس کتنی کنیزیں ہیں۔ ہشام کا بیان ہے کہ اُسنے نو کنیزیں حضرت کو دکھائیں۔ مگر اُن میں سے ایک بھی حضرت کو پسند نہ آئی۔ فرمایا کوئی اور دکھاؤ۔ مغربی نے کہا۔ انکے سوا اور کوئی کنیز ہمارے پاس نہیں ہے۔ سوائے ایک کنیز لاغر اور بیمار کے جو دکھلانے کے قابل بھی نہیں ہے۔ فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔ اُسے لے آؤ۔ اس نے نہ مانا۔ ہشام کا بیان ہے کہ خیر اُس دن تو آپ تشریف لے گئے۔ مگر دوسرے روز پھر مجھے اُسکے پاس بھیجا۔ میں گیا۔ اور قیمت طے کر کے آخرکار اُس بیمار و لاغر کنیز کو آپ کی خدمت میں لے آیا۔ جب میں وہ کنیز لیکر وہاں سے چلا تو اُس بردہ فروش نے مجھ سے پوچھا کہ وہ بزرگ جو کل تمہارے ساتھ آئے تھے کون ہیں۔ میں نے بیان کیا۔ تو اُس نے کہا کہ اس کنیز کا عجیب و غریب قصہ ہے۔ اس کو میں نے اقصائے مغرب میں خرید کیا ہے۔ راستائے راہ میں ایک عورت نے اُسے دیکھکر مجھ سے پوچھا کہ تو اسے کہاں لئے جاتا ہے۔ یہ تو تیرے لائق نہیں ہے۔ بلکہ اس قابل ہے کہ کسی بہترین حاکم کے پاس ہو اور اس سے ایک پسر متولد ہوگا جسکے آگے اہل مشرق و مغرب اپنی اطاعت کے

سرخم کرینگے۔

پھر ہشام بن احمد کا بیان ہے کہ میں اس کنیز کو جناب موسی کاظم علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور آپ نے اسی وقت اپنی والدہ معظمہ حضرت حمیدہ مصفا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دولتسرا کے اندر بھیج دیا۔

خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں اس خاتون معظمہ کے باقی حالات اور اوصاف ذیل کی عبارت میں قلمبند فرماتے ہیں۔

اشترته لها حمیدة جدته ام ابیه موسی الکاظم علیه السلام وکانت امه من اشراف العجم وکانت من افضل النساء فی عقلها و دینها و اعظامها لمولاتها حمیدة حتی انها ما جلست بین یدیها منذ ملکتها اجلالا لها وکان الرضا علیه السلام یرتضع کثیرا وکان تام البدن فقالت امه اعینونی بمرضعة فقیل لها انی نقص درلك قالت ما نقص ادری ولکن علی ورد من صلوتی وتحمیدی وتسبیحی۔ فصل الخطاب۔

جناب موسی رضا علیہ التحیۃ والثنا کی جدۂ ماجدہ حضرت حمیدہ خاتون حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی ماں نے نجمہ کو خرید فرمایا تھا۔ اور یہ عجم کے شریف ترین خواتین میں تھیں۔ اور عقل وشعور معرفت ایمان اور ذاتی اعزاز کے اعتبار سے تمام عورتوں سے بہتر تھیں۔ اور اپنی مخدوم جناب حمیدہ مصفا کی بہت تعظیم کیا کرتی تھیں۔ یہانتک کہ کبھی اُن کے برابر نہ بیٹھیں۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام دودھ زیادہ پیتے تھے کیونکہ آپ عظیم الجُثّہ تھے۔ اس لئے جناب ام البنین نے کہا کہ ایک دودھ پلانے والی عورت میرے ساتھ اور کر دی جائے۔ جناب حمیدہ نے پوچھا کہ تم میں کیا حرج واقع ہوا ہے؟ وہ بولیں کچھ نہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ میری نماز اور تحمید و تسبیح کے روزانہ معمولات میں فرق آتا ہے۔

جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کی خدمت میں ان کے مشرف ہونے کے واقعات صاحب روضۃ الصفا نے یہ لکھے ہیں۔

حضرت حمیدۂ مصفا سلام اللہ علیہا نے ایک بار جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا یا حمیدة۔ هبی نجمة لابنك موسی علیه السلام فانه سیلد منها خیر اهل الارض۔ اے حمیدہ۔ نجمہ کو اپنے بیٹے حضرت موسی کاظم علیہ السلام کو ہبہ کر دو۔ کیونکہ اسکے بطن سے ایک ایسا فرزند ہونیوالا ہے جو تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہے۔

جناب حمیدہ نے حضرت نجمہ کے ہبہ کرنے کے وقت جو تحریر لکھدی تھی اُسکی عبارت یہ ہے۔

ان تکنھم۔ یا بنیّ۔ جاریۃ قط افضل منہا ولست اشک ان اللہ تبارک وتعالٰی سیطھر نسلہا ان کان لہا نسل وقد وھبتہا لک فاستوص خیرا بہا۔

اے فرزند۔ واقعی تکتم ایک ایسی لڑکی ہے کہ اس سے بہتر کوئی لڑکی آج تک میری نظر سے نہیں گزری۔ اس میں شک نہیں کہ اگر منظور خدا ہے تو عنقریب اس سے نسل جاری ہوگی۔ اب میں اسے تمہارے لئے ہبہ کرتی ہوں اور اسکے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرتی ہوں۔ تم میری وصیتوں کا ہمیشہ لحاظ رکھنا۔

سن رشد تک کے حالات

بہرحال آپ کی والدہ گرامیقدر کے حالات کو خاتمہ تک پہنچا کر اب ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ولادت واقع ہوئی۔ اسکی تصریح یوں ہے۔ کہ اگر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت رجب ۱۴۸ھ میں صحیح ہے تو اس حساب سے آپ اپنے جدّ بزرگوار کے سامنے چار مہینے کے ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر جناب صادق آل محمد علیہ السلام کی وفات شوال میں ثابت ہے تو جناب امام موسی رضا علیہ التحیۃ والثنا اپنے جد امجد کے سامنے کُل ایک مہینہ کے ثابت ہوتے ہیں۔ غرض دونوں روایتوں سے فریقین کے اس مسئلہ کے اثبات میں کوئی کلام نہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ حیات میں پیدا ہوئے۔

بہرحال آپ کی تعلیم وتدریس کے تمام طریقے وہی تھے۔ اور بالکل وہی تھے جو آپ سے پہلے آپ کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے تھے۔ جسکو ہم پوری وضاحت کے ساتھ اپنے سلسلۂ تالیف کی ماقبل جلدوں میں اوپر لکھ آئے ہیں۔ اپنی تحصیل کی تکمیل آپ نے اپنے پدر عالیمقدار امام زمان حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی خدمت میں کی۔ اُنکے زمانۂ حیات تک آپ کا سن پینتیس ۳۵ برس کا معلوم ہوتا ہے۔ اور اُن کے بعد آپ بیس برس تک منصب امامت پر قائم رہے۔ اس حساب سے آپ کا تمام وکمال سن مبارک پچپن ۵۵ برس کا ثابت ہوتا ہے۔ اور ایک روایت سے انچاس ۴۹ سال کی عمر معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ قول جمہور اور مشہور دونوں کے خلاف ہے۔

آپ کی طفولیت کے زمانہ میں ہمکو کوئی واقعہ ایسا نہیں ملا جسے ہم اپنے سلسلۂ بیان میں مندرج کرتے۔ اس لئے مجبور ہو کر ہم آپ کے حالات کو آپ کی امامت کے زمانہ سے آغاز کرتے ہیں۔

آپ کی امامت کا زمانہ اور آپ کی دشواریاں

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوئے۔ چنانچہ خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں تحریر کرتے ہیں۔

قال الموسیٰ کاظم علیہ السلام ان علی ابنی اکبر ولدی اسمعہم لقولی و اطوعہم لامری من اطاعہ الرشد

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام میری اولاد اکبر ہیں میری سب اولاد سے زیادہ میری باتوں کو یہی سمجھنے والے اور میرے حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ جسنے انکی اطاعت اختیار کی وہ ضرور ہدایت یافتہ ثابت ہوا۔

آپ کی امامت کا مسئلہ ایسا مقبولہ اور مسلمہ امر ہے جسکی تصدیق اور توثیق بالکل بیکار اور بے سود ہے اس لیے ہم اُن سے قطع نظر کرکے اپنے اصلی مدعا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوتے ہی مختلف قسم کے مصائب و آلام میں گرفتار ہو گئے۔ ان میں سب سے پہلے جس آفت کا سامنا ہوا وہ ہارون رشید کی اُس فرستادہ فوج کی تاخت تھی جو عیسیٰ جلودی کی ماتحتی میں خاص سادات بنی فاطمہ علیہا السلام کی تاراجی اور غارتگری کے قصد سے مدینہ منورہ میں بھیجی گئی تھی۔ دوسرے بھائیوں کی خانہ جنگی اور اُنکے اختلاف طبعی کی ایسی قیامت خیز مصیبت تھی جو نیش پہلو و خار جگر بنکر کسی وقت آپکو چین لینے نہیں دیتی تھی۔ تیسری شکل فرقۂ واقفیہ کا ایکباری خروج تھا۔ جو ملک کے اس سرے سے لیکر اُس سرے تک آپ کے تمام متبعین اور مومنین خالصین کو اغوا کرکے آپ کا دشمن بنا رہے تھے۔ اور اپنے عقائد ضلالت تعلیم دیکر نظام امت اور احکام شریعت میں بہت بڑے فساد اور خلل ڈال رہے تھے۔

اب ہم جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے ان مصائب کو ترتیب وار اور تفصیلوار ذیل کی عبارت میں تاریخ و سیر کے معتبر اسانید سے لکھتے ہیں۔

فوج بغداد کی تاخت اور جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے مصائب

عوام سادات کی طرح حضرت محمد ابن جعفر صادق علیہ السلام نے بھی مدینہ میں ہارون رشید کی امارت سے انکار کیا تھا۔ ہارون نے یہ خبر پاکر عیسیٰ الجلودی کو ایک معتدبہ فوج دیکر مدینہ منورہ کی طرف بھیجا اور یہ حکم دیا کہ سادات کرام کے تمام گھر لوٹ لیے جائیں۔ اور اُنکو ایسا مجبور۔ نادار اور بیکار بنا دیا جاوے کہ پھر وہ سلطنت کی مخالفت اور سرتابی کا قصد نہ کر سکیں۔ اور محمد ابن جعفر صادق علیہ السلام کو

پکڑ کر قتل کر ڈالو۔
بہر حال یہ حکم شاہی پا کر عیسیٰ اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ میں پہنچا۔ محمد نے مقابلہ تو کیا مگر غالب نہ ہو سکے۔ اُنکی ہمراہی جمعیت متفرق ہو گئی۔ اور محمد کو گرفتار کر کے عیسیٰ نے ہارون کے پاس بھیجدیا۔ محمد کے بھیجدینے کے بعد عیسیٰ نے ہارون کے حکم کے مطابق آل علی و فاطمہ علیہا السلام کے گھروں کی تاراجی اور پامالی کا قصد کیا۔ اور ان غریبوں کو ایسا لوٹا کہ عمر سعد کی کربلا والی لوٹ بھی دنیا کے دل سے بالکل فراموش ہو گئی۔ اور ان مظلوموں کے مال و متاع تلف کئے جانے کا اندازہ اسی سے ہو جاتا ہے کہ اُنکی عورتوں کے سروں پر سوائے ایک چادر کے کوئی دوسرا کپڑا استر پوشی کے لئے باقی نہیں تھا۔ العیاذ باللہ۔ یہ عرب کی غیرت دار قومیں تھیں اور اُنکی یادگار نسلیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔
جلودی سادات کرام کو لوٹ کر جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خاص محلسرا پر پہنچا۔ آپنے پہلے ہی اُسکے یہ مظالم دیکھکر پردگیان عصمت سرا کو ایک مکان محفوظ میں بٹھلا کر خود بالنفس نفیس اُسکے دروازے پر استادہ ہو گئے۔ عیسیٰ نے دروازے پر پہنچکر آپ سے کہا کہ مجھے سلطان عصر کا حکم ہے کہ اس مکان کے اندر داخل ہو کر عورات کے لباس و زیورات کو اپنے ہاتھ سے اُتار لوں۔ آپ نے نہایت عجز اور خاموشی سے جواب دیا کہ تمہارے تکلیف کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے میں خود از روئے ایمان و دیانت ایک ایک عورت کا تمام زیور اپنے ہاتھ سے اُتار کر ابھی تمہارے پاس حاضر کئے دیتا ہوں۔ اور اسی طرح اُنکے تمام کپڑے بھی۔ سوائے ایک چادر پردہ کے تمہارے پاس اُتارے لاتا ہوں۔ پہلے تو ظالم آپ کے اس اقرار اور استدعا پر راضی نہیں ہوتا تھا مگر جب آپ نے بہت اصرار کیا اور بار بار قسمیں کھائیں تو وہ خیر کسی نہ کسی طرح راضی ہوا۔
جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام اندر تشریف لے گئے۔ صداقت کی یہ شان ہونا چاہیئے۔ اور صادق الوعد اسکو کہتے ہیں۔ دولتسرا میں پہنچتے ہی تمام اثاث البیت۔ نقد و جنس۔ لباس و زیور۔ یہاں تک کہ بچوں کے کان کے بندے۔ پاؤں کی خلخالیں تک باقی نہ رکھیں۔ ایک ایک کرکے اپنے ہاتھوں سے اُتاریں۔ اور اسی طرح اُن کے تمام ملبوس بھی اُتارے اور اُن کے پاس سوائے ایک چادر ساتر کے کچھ اور نہ چھوڑا۔ اور ان تمام مال و اسباب کو جمع کرکے عیسیٰ کے حوالے کر دیا۔ اور وہ یہ تمام چیزیں لیکر بغداد کی طرف واپس گیا۔
جناب موسیٰ رضا علیہ السلام کی یہ پہلی مصیبت تھی۔ جو آپ کو ہارون کے ایام حکومت میں پیش آئی۔

یہ آپکی آغاز امامت کا واقعہ ہے جو سنہ ۱۸۶ھ اور بقولے سنہ ۱۸۸ھ میں واقع ہوا۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو محمد کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور ان امور میں آپ بھی ویسے ہی علیحدہ اور کنارہ تھے جیسے آپ کے والد بزرگوار سلام اللہ علیہ۔ چنانچہ بحار الانوار میں حضرت مرحوم مُلّا محمد باقر مجلسی طاب ثراہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائے خروج میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اپنے عم نامدار محمد کو بہت فہمائش کی تھی اور کھُل کھُل کر کہہ دیا تھا کہ یہ امر جس کے تم درپے ہو تمام ہونے والا نہیں ہے۔ مگر افسوس اُنہوں نے آپ کے کلام ہدایت التیام کو نہ سنا اور جیسا آپ نے ارشاد فرمایا تھا ویسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

محمد ابن جعفر صادق علیہما السلام کے احوال میں علامہ ابوالفرج اصفہانی مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں کہ یہ بزرگ بہت بڑے صاحب ورع و تقویٰ اور شجاع اور سخی تھے۔ ایک روز روزہ رکھتے تھے اور ایک روز افطار فرماتے تھے۔ اور ہر روز ایک دُنبہ مہمانوں کے لئے ذبح کرتے تھے۔ کبھی کوئی کپڑا ایسا نہ پہنا جو باہر جاکر خیرات نہ کر دیا ہو۔

انکے خروج کرنے کے اسباب میں علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ محمد ایک پرہیزگار آدمی تھے۔ انکو امور سلطنت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ مگر کسی ناصبی نے ایک کتبہ لکھکر تمام مقامات میں شائع کیا۔ جس میں جناب فاطمہؑ اور اُنکی ذریات کی ہجو لکھکر مذمت کی تھی۔ کسی سید کے ہاتھ وہ کتبہ لگ گیا۔ اُنہوں نے اُسے دیکھکر زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر گھر میں جاکر سلاح جنگ سے آراستہ ہوئے اور فوراً باہر آکر لوگوں سے بیعت لینے لگے۔ اور اپنے امور میں مصروف ہوئے۔

ارباب تاریخ و سیر کا اتفاق ہے کہ حسین ابن علی الحسنی المشہور بہ شہید فخ کے سوا اہلبیتؑ کے مقدس سلسلہ میں کسی بزرگ کے ساتھ بہ لقب امیر المومنین بیعت نہیں کی گئی۔ سوائے محمد ابن جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ جس وقت یہ مکہ میں نکلتے تھے اور حرم محترم میں نماز کی نیت سے جاتے تھے تو کوئی دو سو صلحا و اتقیا لباسہائے صوف پہنے آپکے ہمراہ ہوتے تھے۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام اور بھائیوں کی مخالفت

یہ دوسری مصیبت تھی۔ اور پہلے سے بھی زیادہ سخت۔ وہ بیرونی حملے تھے اور یہ اندرونی۔ وہ باہر کے دشمن تھے اور یہ پہلو کے۔ تاریخ کی سیر کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ خلفائے عباسیہ کی خلاف عہدی نے سادات کو امر خلافت کے حصول کی کوششوں میں بہت بیتاب اور بےچین کر دیا تھا۔ سادات بنی حسن نے اسی اصول پر اپنی طرف سے کوششیں کیں۔ اور جناب زید شہید کی اولاد

نے انکا ساتھ دیا۔ اسی طرح حضرت محمد ابن حنفیہ اور عبد اللہ ابن جعفر کی ذریات نے بھی اپنی اپنی کوششیں کیں۔ انکے دیکھا دیکھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے محمد نے بھی ہارون کے وقت میں مکہ کے لوگوں کو اپنا مطیع بنا کر سلطنت کے خلاف کوشش کی۔ غرضکہ سادات کی رنجش کا یہ لگاتار سلسلہ منصور کے وقت سے لیکر برابر قائم رہا۔ جنکی مفصل کیفیت ہمارے موجودہ سلسلہ تالیف سے معلوم ہو سکتی ہے۔

سادات کرام کی موجودہ روش کے خلاف حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین ان امور سے بالکل علحدہ اور کنارے رہے تھے۔ اور حتے المقدور ان لوگوں کو ان امور سے باز رکھنے کے لئے ہدایت فرماتے تھے اور سمجھاتے تھے۔ جیسا کہ مشاہدات تاریخی سے برابر ثابت کیا گیا ہے۔ ان حضرات عالی درجات کی یہ اعلےٰ حسن تدبیر اور کمال مآل اندیشی تھی۔ جو ایسے اوقات میں انسان کی حفاظت جان و مال اور تحفظ اہل و عیال کے لئے نہایت ضروری اور مناسب تھی۔ انہیں امور کو مدنظر رکھکر جناب امام موسی کاظم علیہ السلام نے جو وصیت نامہ حضرت امام موسے رضا علیہ السلام کے نام تحریر فرمایا۔ اُس میں اپنی تمام اولاد کی نسبت آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے تفصیلی شرائط مندرج فرمائے۔ اور اپنی تمام ذریات کو جملہ امور میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے تابع اور محکوم رہنے کے لئے سخت تاکیدیں تحریر فرمائیں۔ سب سے پہلے ہم اُس وصیت نامہ کو لکھتے ہیں۔ اور پھر اُسکی تحریر سے جو جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کا اصلی مدعا تھا۔ اور جو منافع اور فوائد اُس سے نکلنے والے تھے اُسے بیان کرینگے۔ اور ان حالات کے بیان کرنیکے بعد اخیر میں اسکا جو نتیجہ ہوا اُسکو پوری تفصیل کے ساتھ درج کرینگے۔

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کا وصیت نامہ

عن ابو الحکم قال حدثنی عبد اللہ الجعفری و اسحٰق ابن محمد ابن عمارۃ ابن یزید ابن سلیط قال لما اوصی الی ابراھیم ابن عبد اللہ الجعفری و اسحاق ابن محمد جعفر و محمد ابن صالح و معویۃ الجعفری و یحیی ابن الحسین ابن زید ابن علی و سعد ابن سعد بن عمران الانصاری و محمد ابن حارث الانصاری و یزید ابن سلیط الانصاری و محمد ابن جعد ابن سعد الاسلمی و ھو کاتب الوصیۃ الاولی اشھد ھم انہ یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ و ان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا فان اللہ یبعث من فی القبور و ان البعث بعد الموت حق و ان الوعد حق و ان الحساب القضاء حق و ان الوقوف بین

يدى الله حق وانّ ما جآء به محمد صلى الله عليه وآله وسلم حق وان ما انزل بروح الامين
حق عليه احيى وعليه اموت وعليه ابعث ان شآء الله واشهدهم ان هذه وصيتى بخطى
وقد نسخت وصيّة جدّى امير المؤمنين على بن ابيطالب عليهما السّلام ووصيّة محمّد بن على
عليهما السلام قبل ذلك نسختها حرفا بحرف ووصيّة جعفر بن محمّد ابن على عليهم السلام على
مثل ذلك وانّى قد اوصيت الى على وبنى بعد معه انشاء الله تعالى وانس منهم رشدا واحب
ان اقرّهم فذلك له وانّ كرههم واحب ان يخرجهم فذلك له ولا امر لهم معه واوصيت
اليه بصدقاتى واموالى وصبيانى الذين خلفت وولدى الى ابراهيم والعباس وقاسم
اسمٰعيل واحمد وام احمد والى على امر نسائى دونهم وثلث صدقة وثلثى يضعه حيث
يرى ويجعل ذو المال فى ماله فانّ احب ان يبيع او يهب او ينحل او يتصدّق بها على من
سمّيت له وعلى سمّيت فذلك له وهو انا فى وصيّتى وفى مالى وفى اهلى وولدى وان راى
ان يقرّ اخوته الّذين سمّيتهم فى كتابى هذا اقرهم وانّ اكره فله ان يخرجهم غير مثرب
عليه ولا مردود فانّ انس منهم غير الّذى فارقتهم عليه فاحبّ ان يردّهم فى ولاية
فذالك له وان اراد رجل منهم ان يزوّج اخته فليس له ان تزوجها الا باذنه وامره فانّه
اعرف بمناكح قومه واى سلطان او احد من النّاس كفّه عن شى او حال بينه شى ممّا
ذكرت فى كتابى هذا او احد ممّن ذكرت فهو من الله ومن رسوله برى والله ورسوله منه برآء وعليه
لعنة الله وغضبه ولعنة اللّاعنين والملٰئكة المقرّبين والنّبيّين المرسلين وجماعة المومنين
وليس لاحد من السلاطين ان يكفه عن شئ وليس لى عنده تبعة ولا تباعة ولا لاحد من
ولدى له قبلى مال وهو مصدّق فيما ذكر فانّ اقلّ فهو الصّادق كذلك وانّما اردت بادخال
الّذين ادخلتهم معه من ولدى التنويه باسمائهم والتّشريف لهم وامهات اولادى من اقامت
منهن فى منزلها وحجابها فلها ما كان يجرى عليها فى حيوتى ان راى ذلك ومن اخرجت منهن
فى منزلها فليس لها ان ترجع الى محوّى الا ان يرى على غير ذلك وبناتى مثل ذلك ولا يزوّج بناتى مثل
ذلك ولا يزوّج بناتى احد من اخوتهن وامّهاتهن ولا سلطان ولا عم الّا برايه ومشورته فان فعلوا
غير ذلك فقد خالفوا الله ورسوله وجاهدوه فى ملكه وهو اعرف بمناكح قومه فان اراد ان يزوّج
زوج وان اراد ان يترك ترك وقد اوصيتهن بمثل ما ذكرت فى كتابى هذا وجعلت الله عزّوجل
عليهم شهيدا۔

عبداللہ جعفری اور عبداللہ ابن محمد ابن عمارہ نے یزید ابن سلیط کے اسناد سے بیان کیا کہ یزید نے کہا کہ جناب امام موسی کاظم علیہ السلام نے وصیت نامہ اپنے ہاتھ سے تحریر فرمایا اور ذیل کے دس آدمیوں کو گواہ کیا اور اُسپر اُن سے گواہی لکھوائی۔ وہ شاہد یہ ہیں ابراہیم ابن محمد جعفری۔ اسحق ابن محمد جعفری (اولاد جناب جعفر طیار علیہ السلام) اسحاق ابن جعفر۔ محمد ابن صالح۔ معویہ الجعفری۔ یحیے ابن الحسین ابن زید ابن علی۔ سعد ابن عمران انصاری۔ محمد ابن حارث انصاری۔ یزید ابن سلیط انصاری محمد ابن جعد اسلمی۔ اور ابتدائے عبارت وصیت نامہ کے کاتب یہی تھے۔ اس وصیت نامہ کے مضامین یہ تھے۔ میں تم لوگوں کو سب سے پہلے اس اپنے اقرار پر شاہد کرتا ہوں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ سوائے خدائے واحد کے اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اور وہ ایسا واحد ہے کہ اُسکا کوئی شریک نہیں ہے اور تحقیق کہ جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکے بندے ہیں اور رسول۔ اور میں ان امور کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ اجل موعود حق ہے اور قبروں سے اُٹھایا جانا بھی حق ہے۔ اور موت کے بعد اُٹھایا جانا بھی حق ہے اور خدائے سبحانہ تعالے کے تمام وعدے بھی حق ہیں۔ اور حساب اور فیصلۂ الٰہی بھی حق ہے۔ اور خدائے تبارک وتعالے کے سامنے محکمہ کے لئے کھڑا کیا جانا بھی حق ہے۔ اور جو کچھ کہ جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے لیکر نازل ہوئے وہ سب حق ہے۔ اور جو کچھ کہ حضرت روح الامین علیہ السلام کی معرفت آپ پر نازل فرمایا گیا سب حق ہے۔ اور ہم اُسی پر زندہ رہینگے اور اُسی پر مر کر اُٹھینگے انشاء اللہ تعالے۔ اور اس امر پر بھی ان لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ وصیت نامہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور میرے جد نامدار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی ایسے ہی وصیت نامے لکھے ہیں اور اس وصیت نامہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حرف بحرف اُن دونوں اماموں کی تحریر ہے۔ یعنی اُن دونوں وصیت ناموں میں اور میرے اس وصیت نامہ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اور میرے پدر بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا وصیت نامہ بھی انہیں کے ایسا ہے۔ اگرچہ اسکے اور اُسکے مضامین میں تھوڑا اختلاف ہے۔ فی الحال میں یہ وصیتیں اپنے بیٹے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے لئے لکھتا ہوں۔ اور نیز اپنے اُن بیٹوں کے لئے جو انشاء اللہ تعالے اُسکے ساتھ ہیں۔ اگر وہ ان لوگوں میں اطاعت وراستی کے آثار پائیں تو اپنے ساتھ رکھیں اور اپنی خدمت میں انہیں حاضر رہنے کا اعزاز عنایت فرمائیں۔ اور اگر اُنسے کراہت رکھیں اور اپنے پاس سے جدا کرنے میں مصلحت دیکھیں۔ تو انہیں علحدہ کردیں۔ پس اس امر کا انہیں اختیار حاصل ہے نہ اُنکے بھائیوں کو۔ اور میں نے اپنی تمام مملوکات ومقبوضات مثل موقوفات اور اموال و اہل وعیال

کا مالک اس وصیت نامہ کی رو سے اُنہیں کو کر دیا۔ اور اپنے تمام بیٹوں کو جنکے نام ابراہیم عباس قاسم۔ اسمٰعیل اور احمد ہیں۔ انکا بھی۔ اور اپنی عورتوں کا بھی مالک انہیں کو کر دیا۔ نہ ان لوگوں کو جن کا نام اوپر لکھا گیا ہے۔ اور دو ثلث محاصل موقوفات جناب امام جعفر صادق علیہ السلام و دو ثلث موقوفات ازان ملکیت خاص ہے جو حق التولیت کی رو سے اس وقت تک میرے قبضہ و تصرف میں ہے۔ سب حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ملکیت ہے۔ وہ ان تمام چیزوں کو جہاں چاہے رکھ سکتے ہیں۔ اور انکی نسبت جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اور ان تمام اشیاء میں اُنکا اختیار مالک مستقل کی حیثیت میں شمار کیا جاویگا۔ اگر وہ چاہیں۔ تو وہ کسی شخص خاص کے نام سے۔ یا غیر نام سے۔ ان تمام اشیاء کو بیع کر دیں۔ یا ہبہ کر دیں۔ یا تصدق فرما دیں۔ سوائے اُنکے اور کسی شخص کو ان کے بارے میں کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ ان اشیاء کی نسبت انکے اختیار بالکل میرے اختیار کی طرح رہینگے۔ اور انہیں اشیاء کی طرح میرے اہل وعیال اور متاع و اموال کے بارے میں بھی اُنکے اختیارات بالکل میرے اختیارات کی طرح تسلیم کئے جاویں گے۔ اگر انکی رائے میں آوے تو اپنے بھائیوں کو جن کا نام میں نے اس نوشتہ میں اوپر لکھدیا ہے اپنے ساتھ رکھیں۔ اور اگر انکی رائے میں نہ آوے تو اُنہیں جدا کر دیں۔ اس وجہ سے اُن پر کسی قسم کا الزام عائد حال نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اُنکو کوئی اس تجویز سے باز رکھ سکتا ہے۔ اور اگر اُنکی برگشتگی کے بعد پھر اُنکے بلا لینے یا ملا لینے کی تجویز ہو۔ تو اُنہیں اختیار ہے کہ پھر اُن لوگوں کو اپنے پاس بُلالیں اور اپنے ساتھ رکھیں۔ اور اگر میری اولاد میں سے کوئی شخص میری کسی لڑکی کا عقد کرنا چاہے۔ یا اپنی ہی کسی لڑکی کی شادی کرنا چاہے۔ تو اُسکو بغیر جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی اجازت کے کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اُسکی شادی کرے۔ کیونکہ وہ اپنی قرابت اور عزیزداری کے توصل اور مناکحت کا پورا علم رکھتے ہیں۔ اور سلطان وقت یا کوئی غیر شخص اُن کو اس امر سے منع نہیں کر سکتا۔ یا باز نہیں رکھ سکتا۔ اور نہ کوئی سلطان وقت۔ یا کوئی اور۔ ان تمام باتوں میں۔ اُنکے ساتھ علت یا کسی ممانعت کا حق رکھ سکتا ہے۔ جو میں نے اُن کے اور اُن کے حقوق کی نسبت اپنے مملوکات اور مقبوضات مثل غلامان و کنیزان و اہل وعیال و اسباب و اموال کے بارے میں لکھدی ہیں ان حقوق میں اگر کوئی شخص حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ منازعت کرے تو خدا و رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بیزار ہونگے۔ اور ملائکہ مقربین اور جملہ مومنین صالحین کی اُن پر نفرین ہوگی۔ اور کوئی شخص عام اس سے کہ حاکم وقت ہو یا غیر حاکم۔ اسکا مجاز و مختار نہیں ہے کہ وہ اُن کو ان اختیارات کے اجرا سے باز رکھے یا منع کرے۔ اور مجھ کو بھی بذات خاص ان امور میں اُنسے

کسی شے کے متعلق باز پرس کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اور نہ میری موجودہ اولاد و ذریات میں سے
کسی شخص کو یہ حق حاصل ہے۔ اور میں نے اپنی اولاد کے نام جو اس نوشتہ میں درج کئے ہیں۔ وہ
صرف اُنکی عام معرفت اور شناخت کی مخصوص غرض سے۔ ورنہ اُن کو ان امور میں کوئی مداخلت
یا مشارکت حاصل نہیں ہے۔ میری اکثر کنیزیں ایسی بھی ہیں جو صاحب اولاد ہیں۔ اگر وہ حجاب
شرعیہ کے تمام شرائط کے ساتھ میرے گھر کے اندر رہینگی۔ تو اُن کا وہ نفقہ جو گذران کے لئے میں نے
اپنی حیات کے زمانہ میں مقرر کر دیا ہے۔ برابر ملتا رہیگا۔ اور جو کنیز اُن میں سے اپنی قوم و قبیلہ کی
جانب چلی جائیگی تو وہ پھر مکان کے حدود تک نہیں آسکتی۔ مگر اُس حالت میں کہ حضرت امام موسی رضا
علیہ السلام اُن کے پھر چلے آنے پر راضی ہو جائیں۔ ہماری لڑکیاں بھی انہیں معاہد پر قائم رہینگی۔
اور اُنکو اُنکی ماں۔ اُنکے بھائی یا حاکم شہر یا سلطان وقت۔ بغیر امام موسی رضا علیہ السلام کی مشورت
کے بیاہنے کا اختیار یا مجاز نہیں ہوسکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرے تو خدا و رسول صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے نزدیک مشغول الذمہ سمجھا جائیگا۔ اور وہ خدا اور رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے ساتھ منازعت کرنے والوں میں شمار کیا جاویگا۔ اور اسکی یہ منازعت ایسی متصور ہوگی
جیسے اُس نے خاص خدا کی ذات واحد اور اُسکی معرفت میں منازعت اور مخالفت پیش کی ہو۔
اور ایسے لوگوں کے مقابلہ میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام اُنکے نکاح کے لئے اپنے عزیزوں
کے بہتر جاننے والے اور پہچاننے والے ہیں۔ ایسی حالت میں میری اولاد میں سے اگر کوئی شخص
یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنی لڑکی کا عقد کرے یا یہ قصد کرے کہ کسی شخص سے بیاہ کرے تو ہر حالت میں
اُسے امام موسی رضا علیہ السلام کی اجازت ضروری اور لازمی ہوگی۔ اور حقیقت حال یوں ہے
کہ اس وصیت نامہ کی تحریر سے پہلے ہم ان مواصلت اور مناکحت کی نسبت تمام باتیں اُن سے
کہہ چکے ہیں۔ اور جو کچھ کہ اس وقت میں نے اس وصیت نامہ میں لکھا ہے اور اُنکی نسبت
مندرج کیا ہے۔ وہ مزید تاکید کے خیال سے بار دیگر لکھا گیا ہے اور اُنپر خدائے تبارک وتعالےٰ
کو گواہ کیا ہے۔ ان امور خاص میں (مواصلت و مناکحت) حضرت امام موسی رضا علیہ السلام اور
ام احمد (آپ کی حرم محترم) دونوں شریک ہیں۔ اور سوائے ان دونوں کے اور کوئی دوسرا میرے
اس وصیت نامہ کے کھولنے کا مستحق اور مجاز نہیں ہے۔ اگر ان کے سوا کوئی دوسرا اس کے
کھولنے کا قصد کرے تو اسکا وبال اور عذاب اُسکے ذمہ ہے۔ حالانکہ خداوند تعالےٰ کسی عالم
میں اپنے بندوں کے ساتھ ظلم نہیں کرتا۔ اور وہ اپنے ایک خاص بندے کی سزا و جزا اُنکو اپنے

دوسرے بندے کے لئے جاری نہیں کرتا ہے۔ خدائے تبارک و تعالےٰ اپنی رحمت محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پر نازل فرماوے۔ میرے اس وصیت نامہ پر میری لگائی ہوئی مُہر کو جو اس کے مابین میں ثبت ہے کوئی قاضی یا بادشاہ یا حاکم شہر نہیں توڑ سکتا۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اُسپر خداوند عالم اور تمام انبیائے مرسلین سلام اللہ علےٰ نبینا و آلہ و علیہم اجمعین اور ملائکہ مقربین اور تمام مومنین و مسلمین کی نفرین ہوگی۔ اس نوشتہ کو لکھا اور اس پر اپنی مُہر کی موسےٰ ابن جعفر علیہم السلام نے۔

اس طول و طویل اور پُر تفصیل وصیت نامہ سے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی امور خانہ داری میں صرف ذی اختیاری ہی نہیں معلوم ہوتی۔ مگر ان باتوں کے علاوہ۔ کہ آپ اپنے پدر عالیمقدار کے جائز ولیعہد حقیقی قائم مقام اور اصلی جانشین تھے۔ اور بہت سے مفید اور ضروری امور ظاہر ہوتے ہیں جنکی تصریح اور تفصیل سے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی حسن تدبیر۔ دوراندیشی۔ عاقبت بینی اور حسن معاشرت کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔

تاریخ دیکھنے والوں پر یہ بات اچھی طرح روشن ہے کہ اس زمانہ کی پُر آشوب اور فتنہ خیز حالت ایسی ہی نازک ہو رہی تھی جس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ہر امر کی کافی تصریح اور کامل تفصیل کے ساتھ بیان کر دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ جسکا خلاصہ یہ ہے جن لوگوں نے اس زمانہ کے حالات کو بالاستیعاب دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ اُسوقت حکام رسی اور امراپرستی عام طور سے زمانہ کا مذاق ہو رہی تھی۔ اور ہر شخص اپنے مقام پر اُسکے لئے کوشاں تھا۔ اگر انکے ذرائع اور وسائل سے عام ملکی اور قومی منافع اور مصالح مقصود ہوتے تو یہ امور ہرگز اعتراض اور الزام کے قابل نہ سمجھے جاتے۔ مگر قیامت تو یہی تھی اور شامت تھی تو یہی کہ بجائے اسکے کہ بادشاہ کی قربت اور حکام عہد کی شرف صحبت سے۔ اپنی قوم۔ اپنے قبیلے اور اپنے ملک کو کوئی فائدہ پہنچایا جاوے۔ ہر شخص اس کے فوائد اور منافع کو اپنی ہی ذات تک محدود کر لیتا تھا۔ اور تمام مکارم سلطانی و مراحم خسروانی کا مستحق صرف اپنے آپ ہی کو سمجھتا تھا۔ اور عام اس سے کہ اُس کے اس طرز عمل کے اثر اُسکے قوم و قبیلہ پر کیسے ہی بُرے پڑتے ہوں۔ اور ان کی وجہ سے اُسکے خاندان پر کیسی ہی تباہی اور بربادی عائد حال نہوتی ہو۔ مگر اُسکو ان باتوں کا کوئی غم نہیں اور ان امور کی کوئی پروا نہیں۔ وہ امرا پرستی کی بدولت اپنی زبردستیوں کی لذت اُٹھا رہے ہیں اور پورے طور سے لطف عیش پا رہے ہیں۔ امامی بلگرامی مرحوم ؎ شور محشر نبرد لطف نشاط ش ز سرش

کیفئ نرگس مخمور تو مست دگراست۔

دربار بغداد کے امرا پرست

اسکی مثال میں ہم سلاطین امویہ کے وقت سے سلسلہ وار ثبوت پہنچانے کی طوالت کو فضول سمجھتے ہیں۔ صرف بنی عباسیوں کے موجودہ سلسلہ میں ہر فرمانروا کے متعلق ایسے لوگوں کی مثال نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

تاریخی مشاہدے سے ثابت ہے کہ منصور کے زمانہ میں سب سے پہلے جس نے ابومسلم مروزی کے قتل کیئے جانے کی صلاح دی۔ وہ ابوحمید طوسی تھا۔ اور یہ وہ شخص تھا جو مدت مدید سے ابومسلم کا تمام امور میں۔ رفیق کامل اور شریک غالب سمجھا جاتا تھا۔ ابومسلم اور ابوحمید۔ دونوں بنی عباسیوں کے استحکام سلطنت کی کوششوں میں ایک مدّت تک اپنی جان اور اپنا پسینہ ایک کرچکے تھے۔ مگر واہ ری امراپرستی اور حکام رسی۔ منصور کا دل ادھر ابومسلم کی طرف سے کھٹا ہوا۔ اور ابوحمید اُدھر اُسکے منظور نظر ٹھہرے۔ پھر کیا تھا۔ ابوحمید کی نگاہوں میں اب ابومسلم سے بڑھکر کوئی دشمن ہی نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابوحمید کے لیسے موافق۔ رفیق اور قدیم شفیق نے آخر کار ابومسلم کو قتل کرا ہی چھوڑا۔
مہدی کے زمانہ حکومت میں یعقوب کی سرگزشت مثال کے لئے کافی ہے۔ کہاں تو الطاف خسروانی کی یہ فراوانی ہوئی کہ باپ کے قیدی سے اپنا وزیر بنایا۔ اور کامل نو برس تک اس منصب عظیم پر اُسکو بکمال عزت و اقتدار مستقل اور بحال رکھا۔ مگر ایک سید علوی کے معاملہ میں اپنے امراپرست درباریوں کی تحریک مخالفانہ سے جو بظاہر یعقوب کے بہت بڑے موافق اور ہمدرد تھے۔ اپنی آنکھوں سے ایکبار ایسا گرایا کہ سولہ برس تک قید میں رکھکر اُسے دونوں آنکھوں سے اندھا کردیا۔ بُرا ہو بادشاہ کی اس تلوّن مزاجی اور ان امرا کی خوشامد پرستی کا کہ یعقوب کے حق میں اُس کے محاسن خدمات کے معاوضوں کی رعایتیں کہاں تک۔ اپنے مراسم باہمانہ اور اتحاد دوستانہ کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔

ہادی کی کل یکسالہ حکومت کا قلیل زمانہ بھی اس کی مثال سے خالی نہیں پایا جاتا۔ خالد ابن برمکی کے قتل کا بیڑا اُسکا قدیم رفیق ہرثمہ ابن اعین اُٹھا ہی چکا تھا۔ مگر خیریت ہوگئی کہ قبل اس کے کہ ہادی کا یہ حکم عملی صورت میں لایا جاوے۔ ہادی کی یکایک موت واقع ہوگئی۔
ہارون کے ایام حکومت میں جعفر ابن محمد ابن اشعث کا واقعہ اسکی مثال کے لئے کافی ہے۔ یحیے برمکی نے مامون کو ولیعہد ہونے کے لئے تجویز کیا جعفر نے بدقسمتی سے امین کو۔ یحیے موقع پاکر اس معاملہ

میں ہارون کو اپنی طرف کھینچتا تھا اور جعفر اپنی طرف۔ اس کشمکش میں قریب تھا کہ جعفر اپنی کمزوریوں کے باعث حریف کی پوری چوٹ کھا جاوے۔ مگر زبیدہ کے عادلانہ اور عاقلانہ فیصلہ نے جعفر کی جان بچادی۔ اور نہیں تو اُس کے ایسے قدیم جاں نثار اور پشتینی نمک خوار کے لئے بھی یا تو کالی کوٹھری تھی یا اندھیری قبر۔

عام درباریوں پر اس زمانہ کی روش کا کیوں اتنا جلد اور ایسا گہرا اثر پڑا؟ جب ہم اسکے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اس عالم نا اتفاقی اور خانہ جنگی کا تخم سب سے پہلے قصر شاہی میں اُگا۔ اور باہمی مخالفت اور آپس کی مخاصمت کے پودے نے سب سے پہلے عباسی حکمرانوں کے محلات سلطانی میں نشو و نما پائی۔

عباسیوں کی ولیعہدی کا مسئلہ ہمیشہ مضرت کا باعث بنا رہا

تاریخ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ اس زمانہ کی باہمی مخالفت اور خانہ جنگی کی ابتدا عباسیوں کے خاندان شاہی سے ہوئی ہے۔ اور یہ فاسد مادہ یہیں سے اُٹھکر آپس کی خونریزی اور قتل عام کا باعث ہوا ہے اور بغداد سے پھیلکر تمام ملک میں عالمگیر ہوگیا جس گھر اور جس خاندان کے اتفاق میں سب سے پہلے فرق آیا اور جس قوم اور قبیلہ میں سب سے پہلے بدعہدی۔ خلاف وعدگی اور نا اتفاقی کے آثار نمودار ہوئے وہ عباسیوں کا شاہی خاندان تھا۔ اس کے ہر فرمانروا نے اپنے ولیعہد کے مسئلہ میں پہلے کچھ اور پیچھے کچھ کا کچھ ضرور کرنا چاہا۔ اور یہی تغیر و تبدل۔ اُسکے سلسلہ میں عام کشیدگی اور کبیدگی خاطر کا اصلی باعث ہوا۔ اسکی مثالیں یہ ہیں۔

السفاح کے پہلے اشفاق موسئے پر تھے۔ اور اس وجہ سے اُس نے ملک شام میں اپنے آپ کو السفاح کا قائم مقام بنایا۔ مگر منصور نے ابو مسلم کے ذریعہ اُسکے نخل تمنا کے ساتھ اُسکی شاخ حیات کو قطع کر ڈالا۔ منصور نے اپنے زمانہ میں پہلے عیسے ابن موسئے کی نسبت اپنی ولیعہدی کا کامل ارادہ ظاہر کیا۔ مگر چندروز کے بعد اپنے بیٹے مہدی کی طرف توجہ کی۔ اور پھر نہایت سختی سے عیسے کو مہدی کی قبول بیعت پر مجبور کیا۔

مہدی نے اپنے ایام حکومت میں "عوض دارد گلہ ندارد" کے اصول پر یہ ارادہ ظاہر کیا کہ میرے بعد عیسے ابن موسئے حکمران ہو۔ اور اُسکے بعد میرا بڑا بیٹا ہادی۔ اور اُسکے بعد میرا چھوٹا لڑکا ہارون۔ چنانچہ اُسنے اس سلسلہ حکمرانی کے استحفاظ کے لئے ایک نوشتہ بھی لکھ دیا مگر چند روز کے بعد اُس کے خیال بدل گئے۔ عیسے کی جگہ ہادی ولیعہد اور نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اور پھر عیسے ولیعہدی کے

ویسے رہگئے۔
ہادی کی یکسالہ سلطنت بھی اس سے خالی نہیں گئی۔ اسنے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی اپنے بیٹے جعفر کی ولیعہدی کی۔ بخلاف وصیت پدری تجویز کی۔ ہادی نے اس وقت تو اپنی کمزوری کے سبب سے خاموشی اختیار کی مگر مہدی کے مرنے کے بعد جعفر کی جیسی درگت بنائی وہ تمام کتابوں میں مشہور و مذکور ہے۔ میرے لکھنے کی ضرورت نہیں۔
رشید کی ولیعہدی ایک مدت تک زیر تجویز رہی۔ اور ہارون یحیےٰ اور جعفر کی مدبرانہ تجویزوں میں اُلجھا رہا۔ آخر کار امین و مامون پر ممالک محروسہ تقسیم کردئے گئے۔ اور اُنکی باہمی مخالفتوں کے شبہہ کو اس ترکیب سے رفع کردیا گیا۔
مگر ہارون کے بعد تین ہی برس میں امین نے باپ کے انتظام کے خلاف اپنے بیٹے موسےٰ کو مامون کی جگہ ولیعہد بنانا چاہا۔ اسمٰعیل ابن صبیح کاتب خصوصیت کے ساتھ امین کی اس تجویز میں داخل تھا۔ امین و مامون کی باہمی مشاجرت کے باعث یہی معاملات ہوئے۔
غرضکہ یہ شاہی خانہ جنگیاں اور سلطانی نا اتفاقیاں ایسی عالمگیر اور ایسی اثر پذیر ہوئیں کہ حجاز وعراق میں کوئی گھر ایسا نہیں بچا جو اسکے اثر سے موثر ہو کر تباہ و برباد نہو گیا ہو۔ ہر گھر میں اسکا قدم پہنچ گیا اور ہر قوم اور ہر قبیلہ میں اس کا اثر پورے طور سے پیدا ہو گیا۔ بدقسمتی اور شامت اعمالی سے کوئی قوم اور کوئی قبیلہ اس نا اتفاقی اور اس خانہ جنگی کو عیب نہیں سمجھتا تھا بلکہ ہنر۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ شاہی عیب تھا۔ اور شاہی عیب کبھی عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ ہنر سمجھکر لازم التقلید اور واجب التعمیل شمار کیا جاتا ہے۔
اس وجہ سے عرب کے تمام قبیلوں نے خانہ جنگی اور نا اتفاقی کو اپنا شعار اور معیار قرار دے لیا تھا۔ امراپرستی اور حاکم زمانہ کی خوشامد و تملق کی فکروں کے ساتھ ہی ان کو اس امر کے سوچ لینے کی بھی مطلق ضرورت نہیں تھی کہ انکی اس رفتار و کردار کا اثر ملکی قوم اور قبائل پر کیسی تباہی اور بربادی لائیگا۔
جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس عام نا اتفاقی اور روزانہ خانہ جنگی کے معاملات پر اپنی کمال دوراندیشی اور مآل بینی سے اپنی ذریات کے دائرہ میں اتفاق اور یکجہتی قائم رکھنے کے لئے انتہا درجہ کی کوشش فرمائی۔ اور اپنے تمام متعلقین کو جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کا مطیع و منقاد رہنے کے لئے اپنے موجودہ وصیت نامہ میں نہایت معقول اور سنجیدہ شرائط

ایسے استحکام اور مضبوطی سے قائم کئے تھے کہ پھر اُن کے منسوخ کرنے یار و وبدل کرنے یا اُس کی خلاف ورزی اختیار کرنے کے کسی کو استحقاق حاصل نہیں تھے۔

اس وصیت نامہ کے شرائط اور حدود صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ ان تمام مقاصد واغراض سے جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کا اصلی مقصود یہی تھا کہ آپ کی ذرّیات موجودہ آب و ہوائے زمانہ میں گرفتار ہو کر متفرق اور پارہ پارہ نہوں۔ بلکہ وہ گلدستہ کے طور پر اپنی باہمی یکجہتی اور خلوص و اتحاد کے ایک رشتہ میں وابستہ رہکر اور اپنے راس الرئیس اور سرپرست خاندان کے زیر فرمان ہو کر گلشن عالم میں ہمیشہ پھلیں پھولیں اور سرسبز و شاداب رہیں۔ جو تمام محامد و اوصاف میں ان سے لائق تر ثابت ہو چکا ہے۔

سب سے زیادہ جس ضرورت اور مصیبت نے آپ کو اپنی ذریات میں اتفاق اور یکجہتی قائم رکھے جانے کی ضرورت بتلائی تھی وہ عموماً سادات کی سلطنت کی طرف سے خلاف ورزی اور اپنی تقدیر آزمائی کی بیجا اور بے موقع کوششیں تھیں۔ جو ابتدائے سلطنت عباسیہ سے اس وقت تک مختلف صورتوں میں اور متفرق مقاموں میں ظاہر ہوتی تھیں۔ ہمارے سلسلۂ تالیف کے دیکھنے والوں پر یہ اچھی طرح سے روشن اور آشکار ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام پر موقوف نہیں حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس طبقہ میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے وقت تک ہر بزرگوار نے اپنے زمانہ میں اس سے اپنی پوری علیحدگی۔ کنارہ کشی اور برارت ثابت کی ہے۔ اور ان امور میں کوشش کرنیوالے حضرات اور حصہ لینے والی جماعت کو اگرچہ وہ سادات ہی کیوں نہو ہمیشہ ان امور کے باز رہنے اور ترک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ دیکھو امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی موعظت فرمائی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے محمد نفس زکیہ اور اُنکے بھائی ابراہیم اور اُن کے باپ عبد اللہ محض کو بالنفس نفیس سلطنت سے ترک مخالفت کے لئے برابر ایسی ہی ہدایتیں پہنچائیں۔ خود حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے عبد اللہ ابن الحسین علوی اور یحیے ابن عبد اللہ محض کو خاصکر ان امور کے لئے لکھا۔ اور صلاح دی۔ اور حتے المقدور ان دونوں کو باز رکھنا اور روکنا چاہا۔

یہ واقعات صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کا مقدس طبقہ ایسے خیالوں اور کوششوں سے ہمیشہ پاک و صاف رہا ہے۔ اُنکی موجودہ عالی ہمتی اُنکی

سیرنفسی ۔ اُن کا توکّل ہرگز دنیائے مستعار کے چند روزہ دولت و اقتدار کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتا تھے ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کمال عسرت اور تنگی میں بسر کرتے تھے ۔ مگر اُنکے دست کرم کشادہ ۔ اُن کے حوصلے وسیع اور ذاتی ہمتیں حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھیں ۔ اور یہ اوصاف مخصوص اُنہیں کے انفاس تک محدود تھے ۔

یہ تمام قرائن ۔ یہ تمام اسباب اور یہ کُل ضرورتیں ۔ اسوقت جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کے پیش نظر تھیں ۔ اور اُنکے نتائج کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرما چکے تھے ۔ اور اس کے بعد بھی ان کے ذریعوں سے جو امور ظہور پذیر ہونے والے تھے وہ آپ کی دوربین نگاہوں سے مطلق پوشیدہ نہیں تھے ۔ اس لئے آپکی حزم و احتیاط اور حسن تدبیر کا غایت مقتضا یہی تھا جیساکہ ایک عاقبت اندیش ۔ دردمند اور خیر خواہ باپ کے فرائض منصبی ہونے چاہئیں کہ وہ اپنی اولاد و اعقاب کو ان امور کے خراب اور زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی انتہائی کوشش صرف کردے جناب امام موسی کاظم علیہ السلام نے انہیں ضروری اصلاح اور رفاہ کو مد نظر رکھکر اپنی تمام اولاد و ذریات کو اتفاق و یکجہتی کے ایک رشتہ میں مستحکم کر کے ایک ایسے نفس قدسی برکت کے زیر اطاعت رکھنا چاہا تھا جو انکی ہدایت و امارت کے لئے اور تمام دنیا کی ہدایت و ارشاد کے لئے منجانب اللہ مامور ہو چکا تھا ۔ اور جس کی نورانی فطرت اور روحانی طبیعت میں ان کوتہ اندیشی ۔ ناعاقبت بینی ۔ اور خلاف ورزی کے خیال کبھی پیدا ہی نہیں ہو سکتے تھے اور نہ وہ ان امور کی طرف عام اس سے کہ وہ کیسی ہی تکلیف اور شدائد کی حالتوں میں نہ بسر کرتا ہو ۔ کبھی توجہ نہیں کرسکتا ۔ اور اپنے موجودہ استغنا اور سلامت روی کے مقابلہ میں دنیا کی چند روزہ دولت و ثروت پر اپنی نظر ڈال سکتا تھا ۔ شعر

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی غایت مراد اپنی ذریات کو اتفاق کے طریقہ پر قائم رکھنے سے یہی تھی کہ وہ توکل ۔ استغنا اور سلامت روی اور امن پسندی کے موجودہ آبائی شعار اور اپنے خاندانی معیار کو اپنے ہاتھوں سے جانے نہ دیں ۔ اور چونکہ وہ سب حضرات معصوم عن الخطا ہونیکے مراتب پر فائز نہیں تھے ۔ اس لئے ممکن تھا کہ اُنکے پائے استقلال میں لغزش آجاوے ۔ اسلئے ضرور تھا کہ وہ ایک ایسے نفس قدسی برکت کی اطاعت میں رکھے جائیں اور اُنکی جاو بیجا تمام خواہشیں اس طریقہ سے اُس بزرگوار کی اجازت اور حکم کے ساتھ محدود کر دی جائیں کہ نہ وہ بذات خاص کبھی ان امور کے اقدام پر جرأت کرسکتا ہو اور نہ انکو کرنے دے ۔ نہ وہ خود ان باتوں

کی طرف رغبت رکھتا ہو۔ اور نہ انکو رکھنے دے۔ تاکہ اُنکی اولاد و ذرّیات معمولی لوگوں کی طرح اُن مصائب
اور شدائد میں آپ کے پیچھے گرفتار نہوں۔ اور اُنکو بھی عرب کی دوسری قوموں اور قبیلوں کی طرح
سلطنت کی طرف سے قتل۔ قید اور جلاوطنی کی قیامت خیز اور مصیبتناک تکلیفیں نہ اُٹھانی ہوں
مگر افسوس شفیق باپ نے جن کے لئے اپنی انتہٰی دلسوزی سے کام لیا اُنہوں نے اُسکے حسن تدبیر عاقبت اندیشی
اور اشفاق پدری کی کوئی قدر نہیں کی بلکہ اُس کے مدعا کے خلاف اُسکی تمنا کے برعکس نتیجہ۔ ابراہیم
اور عباس پسران حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے اس وصیت نامہ کے کسی شرائط کی تعمیل نہیں
کی۔ اور متروکات جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کے تقسیم کردئے جانے کی نسبت قاضی مدینہ کے
محکمہ میں اپنا دعوےٰ پیش کر دیا۔ امام موسی رضا علیہ السلام نے انکو ہرچند سمجھایا اور آپس کی
نااتفاقی۔ مخالفت اور مشاجرت سے باز رکھنے کی حتےٰ المقدور کوشش کی۔ مگر وہ نہ ماننے نہ مانے۔
یہ حضرات موجودہ روش زمانہ کے مطابق امارت اور حصول دولت کی خواہشوں کے زیر اثر آچکی تھی۔
بہرحال۔ قاضی شہر نے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو بُلاکر جواب طلب کیا۔ آپنے وہ وصیّت نامہ
اور اپنے عم بزرگوار اسحاق ابن جعفر الصادق علیہ السلام کو اپنے حقوق کی شہادت میں پیش کیا۔
بھائیوں نے حضرت اسحاق کو آمادہ شہادت پاکر جناب خاتون مقدسہ حضرت امّ احمد کو زبردستی
مجبور کرکے اپنی طرف سے ادائے شہادت کے لئے محکمہ قضا میں لائے۔ یہ حالت دیکھکر جناب امام
موسی رضا علیہ السلام کے دل پر سخت چوٹ بیٹھی۔ مگر پھر بھی آپ ضبط کر گئے۔ مگر حضرت اسحاق سے
تو نہ ضبط ہوسکا۔ اُنہوں نے اپنے بھتیجوں سے ڈانٹ کر کہا کہ تمہاری سوء فہمی اور کوتہ اندیشیوں کی
یہاں تک نوبت پہنچی کہ اب تم لوگ پردگیان عصمت سرا کو محکمہ عامہ میں لاتے ہو۔ اور اپنے ناموس
کی حفظ مراتب کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ بھتیجوں نے مشفق چچا کی خیر خواہانہ نصیحتوں کو نہ سُنا۔ اور
قاضی سے حضرت ام احمد کے اظہار لئے جانے پر اصرار کرتے رہے۔ آخرکار قاضی نے مجبور ہوکر اُس
خاتون معظمہ کی شہادت لی۔ اور اُنہوں نے صاف صاف لفظوں میں اُس وصیت کی تصدیق فرمائی۔
اور بیان کیا کہ اسکی تحریر میرے سامنے ہوئی اور یہ تمام اختیار میرے مقابلہ میں حضرت امام موسی کاظم
علیہ السلام نے اپنے بڑے صاحبزادے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو تفویض فرمائے ہیں۔
اور اپنے جملہ متروکات و مقبوضات کا اُن کو مالک مستقل اور مختار مجاز قرار دیا ہے۔ اور مجھ کو اور اپنے
تمام حرم کو۔ مدعیان مستغیث کو اور اُنکے سب بھائیوں کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی
اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم فرمایا ہے۔ جیساکہ وصیت نامہ کی عبارت سے ظاہر ہے۔

اسکے بعد قاضی نے حضرت اسحاق کا اظہار لیا۔ اور آپ نے بھی یہی بیان کیا۔ اب معترضین کے لب بند ہوگئے۔ مگر تاہم وہ قاضی کو وصیت نامہ مہری کے کھولکر پڑھنے پر جو اس وقت تک بند تھا مجبور کرنے لگے۔ غریب قاضی اُس حلف شرعیہ کے خوف سے جو شخص غیر کے کھولنے کی متعلق سر لفافہ پر لکھی ہوئی تھی۔ اُسکے کھولنے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ مگر جب اُن لوگوں نے اُس سے یہ کہا کہ ہم آپ سے کھلواتے ہیں۔ آپ اسے اپنی خواہش سے نہیں کھولتے اس لئے اسکے لئے ذمہ دار اور قصور وار آپ نہیں ہوسکتے۔ تب قاضی نے اُسکی مُہر توڑی اور اُس تحریر کو لفافہ سے نکالا۔ مگر تاہم ان لوگوں کو مخاطب کرکے کہدیا کہ آخر تم لوگوں نے اصرار کرکے مجھ کو اپنے باپ کی اِس نفرین کا سزاوار بنایا جو اس کے سر نامہ پر قلمبند ہے۔ یہ کہکر اُسنے وصیت نامہ کی پوری عبارت من اولہ الی آخرہ غور سے پڑھ ڈالی۔ اور اُس میں تمام باتیں ان لوگوں کے دعوے اور بیان کے خلاف اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ادعا کے موافق پائیں۔ چنانچہ اُسنے فوراً انکے دعووں کو خارج اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے استحقاق کو بحال رکھا۔

ابراہیم۔ زید اور عباس ناکامیاب ہوکر نادم اور پشیمان ہوکر گھر کیا بیٹھینگے۔ گھروں سے کیا۔ مدینۂ منورہ ہی سے باہر نکل پڑے۔ اور ان لوگوں نے اپنے آیندہ معاملات میں وہی قدیم روش اختیار فرمائی جو ان سے پہلے بنی زید۔ بنی حسن اور آل جعفر اختیار کرچکے تھے۔ چنانچہ ابراہیم نے اپنے معاملات کی سلسلہ جنبانی علاقۂ یمن میں شروع کی۔ اور دو چار برس تک فائز المرام اور براحت و آرام رہے مگر پھر اسحاق عباسی کے ہاتھ سے شکست پاکر وہاں سے فرار ہوئے اور ایسا نکلے کہ پھر اُنکا سراغ نہ ملا۔ اور تاریخی دنیا میں اس سے زیادہ انکے حالات نہ مندرج ہوسکے۔

زید اور عباس نے عراق کا رستہ لیا۔ زید نے ابو السرایا کی خلوص و عقیدت کے ذریعہ سے بہت کچھ کامیابی حاصل کی۔ یہاں تک کہ بغداد کی طائف الملوکی اور پُرآشوبی کے زمانہ میں دو تین دن تک مسند امارت پر بھی بیٹھ لئے۔ مگر پھر مامون کی فوج نے جو عیسے جلودی کی ماتحتی میں بغداد کے معاملات پر تعینات تھی۔ انکے تمام امور کو فوراً درہم و برہم کردیا۔ اور انکو گرفتار کرکے مامون کے پاس خراسان میں بھیجدیا۔ مامون نے انہیں نہ قتل کیا اور نہ قید کیا بلکہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خد میں بھیجکر یہ کہلا بھیجا کہ آپ اپنے بھائی کو نصیحت اور موعظت فرماویں کہ آیندہ سلطنت سے خلاف ورزی کا قصد نہ فرمائیں۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے ان کو اس حالت میں دیکھکر بہت افسوس فرمایا اور بہت کچھ نصیحت و ہدایت فرماکر اپنے پاس رکھ لیا۔ چنانچہ زید کو مفاخر نسبی پر

ایک مرتبہ آپ نے بہت کچھ ہدایت کی تھی جسکو ہم پوری تفصیل کے ساتھ اُسکے خاص مقام پر لکھینگے۔ جناب زید پھر وقت وفات تک آپ کے ساتھ تھے۔ عباس کی سرگزشت بھی ایسی ہوئی۔ اور یہ بھی عراق کی پُرآشوبی میں کچھ دنوں تک گرفتار ہکر آخرکار خانہ نشین ہو رہے۔

بہرحال۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی دوسری مصیبت یہی تھی۔ جو آپ کو اپنے بھائیوں سے پیش آئی۔ مگر تاہم اس بحث کے متعلق ہمکو اتنا لکھدینا بھی ضروری ہے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی بے مروتی اور مخالفت کے مقابلہ میں اپنے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کے کیسے سلوک قائم رکھے۔

اس کے بیان میں ہم کتاب صافی شرح کافی سے اس مضمون کے تتمۂ عبارت کا خلاصۂ ترجمہ ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ ملّا خلیل قزوینی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ قاضی ابو عمران موجودہ قاضی مدینہ کے اس فیصلہ سنانے کے بعد جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو مخاطب کرکے کہا۔ کہ بھائیو! میں تمھاری موجودہ مجبوری کی حالتوں کو خوب جانتا ہوں۔ اور ان تمام مخالفت اور مشاجرت کا اصلی باعث یہی ہے کہ تم اپنے ضروریات اور اخراجات کی طرف سے اور نیز اُن مطالبات کی وجہ سے جو غیروں کے تمھارے ذمّہ واجب الادا ہوتے ہیں سخت پریشان اور مضطرب الحال ہو رہے ہو۔ اتنا فرماکر آپ نے اپنے خادم خاص سعید کو بلاکر حکم دیا کہ جتنی رقم انکو چاہیے اُتنی فوراً میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں اُنکے مطالبات ادا کرکے انہیں سبکدوش کردوں۔ پھر بھائیوں سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں اور زمین پر چلتا پھرتا ہوں کبھی تم لوگوں کی استمداد و استعانت اور کفالت سے باز نہیں آسکتا۔ اب تمھاری جو جو خواہشیں ہوں بیان کرو۔ میں پوری کردوں۔ افسوس نفسانیت اور دعوے بازنے کی موجودہ خجالت نے بھائیوں کو آپ کے اس اخلاق کریمانہ اور اس اشفاق مربیانہ کی بھی کوئی قدر نہیں کرنے دی۔ اور آپ کی اس مشفقانہ تقریر کے جواب میں عباس نے کہا کہ اول تو آپ ہیں کچھ بھی نہ دینگے اور اگر دینگے بھی تو اُس سے کہیں کم جتنا ہمارا آپ کے ذمّہ صحیح طور پر واجب الادا نکلیگا۔ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے نہایت سنجیدگی سے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہیں جتنا مانگنا ہو۔ مانگو تو بھی۔ اور مجھسے ابھی اپنے اغراض و مطالب تو بیان کرو خدا اگر تمھارے وہ اغراض و مقاصد مستحسن ہیں تو وہ تمھارے لئے نفع کے ضرور باعث ہونگے اور اگر وہ غیر مستحسن ہیں تو مجھے امید ہے کہ خداوند عالم تمہیں بخشدیگا۔ کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور خدائے سبحانہ تعالے کی قسم تمہیں میرا امر بھی اچھی طرح

معلوم ہے کہ اس وقت تک میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ اور سوائے تمہارے میرا کوئی دوسرا وارث نہیں۔ تو تاہم تمہارے ہی شبہہ اور گمان کے اعتبار سے میں نے جو کچھ اس وقت تک جمع کیا ہے۔ یا آیندہ جو کچھ ذخیرہ کرونگا۔ اُسکا مالک اور وارث بھی سوائے تم لوگوں کے اور کوئی دوسرا نہیں ہوگا۔ اور وہ اندوختہ سوائے تمہارے اور کسی دوسرے کے ہاتھ نہ لگیگا۔ اور جس وقت سے کہ پدر بزرگوار علیہ السلام نے انتقال فرمایا ہے میں نے کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ سرکایا نہیں ہے جسکی اطلاع تمہیں نہ کی گئی ہو۔ یا تمہیں نہ دکھلالیا ہو۔

اتنا سننا تھا کہ عباس اور برہم ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم آپ کی ان باتوں کو نہیں مانتے۔ آپکی طاعت ہمارے لئے خدا کی طرف سے ہرگز واجب نہیں ہے۔ آپ کو اس وقت ہم پر جو فضیلت اور شرافت حاصل ہو گئی ہے۔ وہ سب ہمارے پدر عالیمقدار علیہ السلام کی عدم التفاتی۔ ناتوجہی اور خود غرضی کے باعث سے ہے۔ جو خدمت موصوف کو ہماری طرف سے منظور تھیں۔ اور یہ تمام خرابیاں اُسی بنا پر واقع ہوئی ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں اُنکے لئے زیبا نہیں تھیں۔ اور یہ بھی آپ یاد رکھ لیں کہ میں صفوان ابن یحییٰ سابری فروش کوفہ کو خوب پہچانتا ہوں۔ اگر میں زندہ رہگیا تو جو مال و دولت آپ نے اُس کے پاس بھیجدیا ہے اُس سے کوڑی کوڑی وصول کر لونگا۔ اور آپ کو اور اُس کو دونوں کو بدنام کرونگا۔

صفوان کون شخص تھا اور عباس کی اس سوء فہمی اور غلط بیانی کی اصلیت کیا ہے۔ وہ بہت جلد فرقۂ واقفیہ کے بیان میں معلوم ہوگی۔ انشاء اللہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپس کی مخالفت نے صفوان کو بدنام کر دیا۔ ہم اس وقت اس بزرگ کے حالات لکھکر اپنے موجودہ سلسلۂ بیان کو توڑنا کسی طرح پسند نہیں کرتے۔ اس لئے اپنے بقیہ مضمون کو پھر شروع کرتے ہیں۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام عباس کی یہ تقریر سُنکر اپنے بھائیوں کی اصلاح کی طرف سے بالکل مایوس ہوگئے۔ پھر کچھ نہ کہا اور کہا تو صرف لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کے بعد دونو ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور فرمایا۔ پروردگار عالم۔ تو واقف ہے کہ میں اپنے بھائیوں کے معاملات میں اس وقت تک ان کے ساتھ برادرانہ محبت و موانست قائم رکھنے کے مسالک پر قائم ہوں۔ تو جانتا ہے کہ میں انکی اصلاح حال کا خواہاں۔ انکی بھلائی اور نیکی کا طالب انکے حقوق مراتب اور صلۂ رحم کا ادا کرنے والا اور ان کے جملہ امور کا انجام کرنیوالا ہوں۔ اگر میرے یہ افعال تیرے نزدیک نیک ہیں تو مجھے انکی نیک جزا سے آگاہ کر۔ اور اگر بد ہیں تو انکی سزا سے مطلع

فرما جس کا میں مستحق اور سزاوار ہوں۔ پروردگار عالم تو میرے بھائیوں کی اصلاح فرما۔ اور اُنکے جملہ امور کو درست کردے۔ اور میرے اُنکے درمیان سے شیطان کو دور کردے۔ اور تیری راہ میں قائم رہنے کے متعلق توانکی پوری استمداد فرما۔ اور تیری راہ اطاعت پر مستحکم رہنے کے لئے ان لوگوں کو توفیق مخصوص عنایت فرما۔

اس دعا کو ختم فرماکر جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنے سلسلہ کلام کو بالکل منقطع نہیں فرمایا۔ بلکہ دعا کے بعد پھر اپنے بھائیوں کو مخاطب فرماکر ارشاد کیا۔ اے بھائیو! میں ہر حال میں تمہاری رضا اور خوشنودی کا طالب ہوں۔ اور تمہاری اصلاح حال کے لئے ساعی اور کوشاں ہوں۔ اور جو کچھ کہ میں کہتا ہوں خداوند تبارک وتعالے اُس میں میری مدد کرے۔ عباس نے اسکے جواب میں کہا کہ میں آپکی چرب زبانی اور حسن بیانی سے خوب واقف ہوں۔ اسکے بعد یہ جماعت وہاں سے متفرق ہوکر اپنے مقام کو واپس آگئی۔ الصافی شرح کافی۔

فعل الحکیم لایخلوا عن الحکمۃ۔ جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کی حسن تدبیر اور عاقبت اندیشی کے جوہروں کو اگر دنیا نے آپ کے وصیت نامہ کے مضامین پڑھکر نہیں سمجھا تھا تو اب تو سمجھ لیا۔ اور جن باتوں کا خیال آپ کے دل میں وصیت نامہ کی تحریر کے وقت گزرا تھا وہ بجنسہ دنیا کے سامنے پیش ہوگیا۔ زمانہ کی یہ تغیر پسند طبیعتیں اور اختلاف وانحراف پیدا کرنے والی صحبتیں۔ جو زمانہ میں فساد پیدا کرتی ہیں۔ اور اندرونی اور خانگی معاملات کی برہمی۔ تباہی وبربادی میں پوری مہارت رکھتی ہیں جن سے بچنے اور احتیاط کرنے کے لئے جناب امام موسی کاظم علیہ السلام نے اپنی اولاد واعقاب کو یہ وصیتیں فرمائی تھیں۔ ساری دنیا کو معلوم ہوگئیں۔ ان طبیعت کی موجودہ صحبت اور اثر سے سیکڑوں کیا ہزاروں عرب کے نمودار اور ذیوقار خاندان اس وقت تک ایسے تباہ وبرباد ہوچکے تھے جن کا اب کوئی نام بھی نہیں لیتا تھا۔ انہیں اختلاف وانحراف باہمی سے محفوظ رہنے کے لئے یہ وصیت نامہ تحریر کیا گیا تھا۔ مگر افسوس وہ اسپر کاربند نہوئے اور اسکے خلاف ہوکر جو نتیجے اُٹھائے وہ بہت جلد اپنے اپنے مقام پر لکھے جائیں گے۔ انشاءاللہ۔

اب اس سے بڑھکر یہ زمانہ موجودہ کے زیر اثر اور کیا بتلائے جائینگے کہ انہوں نے اپنے موجودہ اختلاف وانحراف کے اعتبار سے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں اس شوخ چشمی اور بے عزتی سے پیش آئے جسکی ہرگز امید نہیں کیجا سکتی تھی۔ اور کچھ آپ ہی تک اکتفا نفرمائی۔ بلکہ اپنے پدر عالیمقدار حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی تجویز اور تدبیر پر بھی اعتراض نکالنے لگے

یہ سب اُس زمانہ کی بُری روش اور زہریلی رفتار و کردار کا اثر تھا۔ جو عام طور سے اُس زمانہ میں عالمگیر ہو رہا تھا۔

ہم کو ان حضرات کے اعتراضات کی نسبت کوئی شکایت نہیں ہے۔ کیونکہ انکے واقعات کی سچی اور پوری مثال بنی یعقوب اور اخوان یوسف علیہم السلام کے حالات میں پائی جاتی ہے۔ اور قرآن مجید میں پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص طور کی محبت رکھنے کے باعث اُن کے اور بھائیوں نے جناب یعقوب علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام پر بھی اسی طرح حسد و نفسانیت کے الزام لگائے تھے جسطرح ابنائے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس وقت اپنے پدر بزرگوار کو ملزم ٹھیرایا۔ چنانچہ جناب باری عز اسمہ ان حالات کا ذیل کے الفاظ میں ذکر فرماتا ہے۔ اذ قالوا لیوسف واخوہ احب الیٰ ابینا منا ونحن عصبہ انا ابانا لفی ضلال مبین ۰ اقتلوا یوسف اواطرحوہ ارضا یخل لکم وجہ ابیکم وتکونوا من بعدہ قوما صالحین ۰ یعنی جب یوسف کے مختلف البطن بھائیوں نے آپس میں ذکر کیا کہ باوجودیکہ ہم حقیقی بھائیوں کی بڑی جماعت ہے۔ تاہم یوسف اور انکا بڑا بھائی ابن یامین ہمارے باپ کو ہم سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ والد صاحب سخت غلطی پر ہیں۔ تو ایسی حالت میں یا تو یوسف علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو مار ڈالو۔ یا اُن کو کسی جگہ پھینک آؤ۔ تو والد صاحب کا رخ ہماری ہی طرف رہجائیگا۔ اور اس کے بعد پھر ہمارے سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔

یہ ایک عظیم الشان نبی برحق کی اولاد کے اخبار و آثار ہیں۔ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ کے ایسے جلیل المراتب اور صاحب شریعت بزرگوار کی تیسری پشت کے مخاطبات میں جن سے وہ اپنے پدر عالیمقدار کو مخاطب فرماتے ہیں۔ اگر غور کیا جاوے۔ تو ثابت ہو جائیگا کہ ان پیغمبر زادوں کے مقابلہ میں ان امام زادوں نے تاہم نرمی اور تہذیب سے کام لیا ہے۔ اور اپنے خاندانی اخلاق و آداب کو مدنظر رکھکر صرف حسد ہی کے لفظ سے تعبیر کی ہے اور یہاں تو یہ قیامت کی گئی کہ ایک نبی برحق اور وصی مطلق کو انا ابانا لفی ضلال مبین کی کھلی تعریض سے مخاطب فرمایا ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

فرقۂ واقفیہ کی حقیقت

اسماعیلیہ کے بعد یہ تیسرا فرقہ ہے جو جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے زمانہ امامت میں مذہب

شیعۂ اثنا عشریہ کے مقابل نمودار ہوا۔ اس فرقہ کا نام واقفیہ یوں ہوا کہ یہ لوگ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کے بعد سلسلۂ امامت کو منقطع سمجھنے لگے۔ اور آپ ہی کو مہدی موعود خیال کر کے انہوں نے امامت کو ختم کر دیا۔ چونکہ اس مقام پر پہنچکر یہ ٹھیر گئے۔ اور انہوں نے وقف اختیار کیا اس لئے واقفیہ کے مخصوص نام سے دنیا میں مشہور ہوئے۔

ان لوگوں کو یہ خیال کیسے اور کس بنا پر پیدا ہوا۔ جہاں تک اس امر کی تلاش کی گئی ہے یہ ثابت ہوا ہے کہ واقفیہ فرقہ اپنے عقائد اور دلائل میں زیدیہ اور اسماعیلیہ سے بھی کمزور اور زیادہ ضعیف ہیں کیونکہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے اسماعیلیہ اور زیدیہ کے تمام دلائل ظنیات وقیاسات کے اصول پر تھے۔ مگر فرقۂ واقفیہ کے عقائد تو ظنی اور قیاسی دلائل سے بھی اور نیچے اُتر کر۔ عام توہمات اور وساوس پر مبنی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ انکا پہلا عقیدہ جس کی طرف خاص طور پر منسوب ہو کر واقفیہ کے لقب سے یہ پکارے جاتے ہیں وہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مہدی موعود یقین کرنا ہے۔ اور یہ ایک ایسا بے دلیل اور ضعیف سے ضعیف دعوےٰ ہے جس کو شیعہ کیا اسلام کا جو مدعی ہوگا۔ وہ آن واحد میں رد کر دیگا۔ ہمارے خیال میں نہیں آتا اور ہم کسی طرح نہیں سمجھ سکتے کہ اُن کثیر التعداد احادیث کے علاوہ جو جناب موسیٰ رضا علیہ السلام کی امامت پر نص کامل تھیں۔ وہ ہزاروں اور سیکڑوں حدیثیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصیا کو بارہ کی محدود تعداد پر ختم کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک نے بھی نہ دیکھیں۔ اور کیا ان میں کا ایک بھی خلیفتی بعدی اثنا عشر کے اس تین لفظ والے جملہ کے معنی نہ سمجھ سکا۔ اگر حقیقتہً یہ لوگ اس بارہ کی تعداد کو جانتے تھے تو پھر یہ سات کی تحقید کیسی۔

اب انکی وہم پرستی کی اصل حقیقت یہ ہے۔ ان لوگوں کو جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مہدی موعود قرار دینے اور سمجھ لینے میں یہ شبہہ واقع ہوا کہ حضرت ابو عبد اللہ جعفر ابن محمد الصادق علیہما السلام بعض اوقات اپنی مجلس میں فرمایا کرتے تھے کہ مہدی آل محمد ہماری اولاد سے ہوگا۔ اس سے جو آپ کا مدعا تھا وہ صرف اسی قدر کہ جب کبھی امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام پیدا ہونگے وہ ہمارے ہی سلسلۂ اولاد سے ہونگے۔ مگر یہ کوتہ اندیش اپنے وساوس شیطانی اور توہمات نفسانی میں گرفتار ہو کر اس ارشاد سے یہ سمجھے کہ اس سے آپ کی صلبی اولاد مراد ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مہدی موعود جاننے لگے۔ طرّہ یہ ہے کہ آپ کی وفات حسرت آیات کا جیسا کچھ اعلان عام ہوا ویسا کمتر کسی کی موت کا اعلان ہوا ہوگا۔ کیونکہ ہارون نے آپ کا جنازہ جسر بغداد پر رکھوا دیا تھا۔

اور ایک منادی باواز بلند اُس پر ندا کرتا تھا هٰذا الذی تزعم الرّافضة انّه حیّ لایموت۔ مات حتف انفه۔ یعنی یہ وہ شخص ہے جسکی نسبت رافضی کہتے تھے کہ وہ زندہ اور قائم رہیگا۔ دیکھو اسکو دفعتاً موت آگئی۔ قضاۃ و شہود طلب ہوکر آئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کی موت کی شہادت دی۔ اس کے بعد علے رؤس الاشہاد مقابر قریش میں حضرت کو دفن کیا۔ چنانچہ یہ تمام واقعہ علوم کاظمیہ میں بالتفصیل بیان ہوا۔ یہاں حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں اس سرے سے اُس سرے تک آپ کی وفات کی خبر عام مشہور ہوگئی۔ مگر صرف ان خاص عقائد والے معدودے چند حضرات نے سنی اور اُنکو نہ پہنچی۔

انکے مہدی موعود تجویز کر لینے کا وہم تو یہ تھا جسکا پورا حال اوپر لکھا گیا۔ اب انکے دوسرے شبہہ کی حقیقت یہ ہے کہ جناب امام موسی کاظم علیہ السلام نے اپنی اسیری سے قبل حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی امامت کے متعلق ارشاد فرمادیا تھا چنانچہ اُن کا ذکر حدیثوں کی کتابوں میں مفصل طور پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ اپنی وفات سے ایک ہفتہ پیشتر علی ابن مؤید کے خط کے جواب میں قید خانہ سے جو تحریر فرمایا تھا۔ وہ جہال شیعہ کی ہدایت اور ایسے ایسے شبہات و وسوسات سے حفاظت کرنے کی تاکیدوں سے خاص طور پر مملو تھا۔ اور اُس میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی امامت کی پوری تصریح موجود تھی۔ اور علی ابن مؤید کو تمام شیعوں میں اسکے اعلان و اشتہار کا حکم عام ہو گیا تھا۔ اس خط کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کو ان لوگوں کے ارتداد کا پورا علم موجود تھا اسی لئے علی ابن مؤید کو تاکیدی حکم لکھا گیا کہ وہ اس فرمان واجب الاذعان کو تمام شیعوں میں اعلان کردے کہ ہر شخص اسکے حالات سے واقف ہوجاوے۔ اور شبہات و وسوسات میں نہ گرفتار ہو۔ مگر یہ ایسے ضدی اور جاہل نکلے کہ نہ نصوص ماقبل کی تصدیق کرسکے اور نہ اس تحریر موجودہ کی کوئی توثیق۔ اور آخر کار اپنی انہیں اوہام پیچیدہ میں اُلجھے کے اُلجھے رہے۔

ہم نے جہاں تک انکا تفحص احوال کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں نے حصول دولت اور اپنے جلب منفعت کی غرض سے اس طریقہ کو اختیار کیا تھا۔ اسکی کیفیت یوں ہے کہ اموال زکوٰۃ و خمس وغیرہ جو ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ سے مستحقین و مومنین پر تقسیم ہوتے تھے وہ اس زمانہ میں حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی اسیری کی وجہ سے تقسیم نہو سکے۔ اور جمع ہوتے رہے۔ اور آخر میں یہی ذخیرہ اُنکے لئے جان و ایمان کے تاوان

کا باعث ثابت ہوئے۔ یہ اموال جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف سے علی ابن حمزہ بطائنی عثمان ابن عیسے الرواسی۔ زیاد ابن مروان قندی۔ ان تین آدمیوں کے پاس جمع ہوتا تھا۔ زیاد ابن مروان کے پاس ستر ہزار دینار تک جمع ہو چکے تھے۔ اور علی ابن حمزہ اور عثمان ابن عیسے کے پاس تیس تیس ہزار۔ عثمان کے پاس تیس ہزار کے علاوہ مال امام علیہ السلام سے چھ کنیزیں بھی بتلائی جاتی ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے وفات فرمانے کے بعد ان لوگوں پر طمع اور حرص دنیا نے غلبہ کیا۔ اسی وجہ سے اس مال کے ہضم کر جانے کے لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا چنانچہ سب سے پہلے جس نے اس عقیدۂ فاسدہ کا اظہار کیا وہ علی ابن حمزہ بطائنی۔ عثمان ابن عیسے اور زیاد ابن مروان۔ یہی لوگ تھے جو ان اموال کے امام کی طرف سے امانت دار تھے۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اپنے پدر عالیمقدار کی وفات کے بعد ان اموال کو ان لوگوں سے مانگ کر مستحقین پر تقسیم کرنا چاہا۔ علی ابن ابی حمزہ اور زیاد ابن مروان قندی نے صاف انکار کر دیا۔ اور ایک پھوٹی کوڑی کا بھی اقرار نہ کیا۔

عثمان ابن عیسے نے آپ کے مطالبہ میں لکھا کہ تمہارے باپ موئے نہیں ہیں۔ زندہ ہیں۔ تمکو ان کی حیات میں کوئی حق اس مال کے طلب کرنے کا نہیں ہے۔ اور بالفرض اگر تمہارے قول کے مطابق وہ فوت ہو گئے تو مجھ کو وصیت نہیں کی کہ تمہارے پاس پہنچا دوں۔ پھر میں تم کو یہ رقم کیسے دے سکتا ہوں۔ میں نے کنیزوں کو جو میرے پاس تھیں۔ آزاد کر کے۔ خود ان سے نکاح کر لیا ہے۔ اس لئے وہ بھی نہیں دی جا سکتیں۔

ان دنیا طلبوں نے انہیں امور پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اسی سرمایہ سے اوروں کو بھی اپنا ہمخیال بنایا اور مفت را چہ گفت سمجھکر دنیا کے شکم پرستوں نے ان لوگوں کے طریقے اور تقلید اختیار کر کے اپنی گزران کی صورت گھر بیٹھے نکال لی۔ چنانچہ حمزہ بن زریع اور ابن مکارہ۔ اور اکرم خثعمی وغیرہ جو مشاہیر واقفیہ سے ہیں ایسے ہی بھاڑے کے ٹٹو تھے۔

بہرحال ان لوگوں نے امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے امور کی برہم زنی میں اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مال تو اپنا عین المال سمجھکر ہضم ہی کر گئے۔ اس کے بعد جہلائے شیعہ کو اپنے دام فریب میں لا کر تمام ملک میں طرح طرح کے کفر والحاد اور فتنہ وفساد پھیلائے۔ جو عموماً تمام شیعوں کی ناکامی اور حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے خصوصاً تکدر خاطر اور تردد دلی کا باعث ہوا۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابنائے امام موسی کاظم علیہ السلام کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے یہ لوگ اپنے اغراض میں اور آسانی سے کامیاب ہوئے۔ کیونکہ خانہ جنگیوں کے موجودہ حالات کو دیکھکر وہ خیانت کے امور میں اور جری ہوکر اپنی طمع کے ہاتھ بڑھانے لگے۔ اسی بیان میں ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابنائے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام میں عباس نے ان لوگوں کے دھوکہ میں چونکہ اصل واقعہ اور حقیقت حال سے واقف تو تھے ہی نہیں۔ علی ابن حمزہ کی جگہ۔ اُنہوں نے بیچارے صفوان ابن یحیے البجلی کوفی سابری فروش کی نسبت جمع اموال کا دعوے کردیا۔ اسلئے ہم کو حسب الوعدہ اُنکی برات اور علیحدگی کے پورے واقعات لکھنے ہوئے۔

صفوان ابن یحیے رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کرنے میں خصوصاً حضرات واقفیہ کے حالات کے ساتھ۔ اپنی سعادت کا نہیں بلکہ ندامت کا اظہار ہے۔ مگر افسوس۔ میری تالیف کی ضرورت ترتیب نے مجھ کو اسکی تحریر پر مجبور کردیا۔ تاہم۔ چونکہ میرے بیان سے اس بزرگوار کی برات بے ہمرکاری اور دیگر محامد و اوصاف ثابت ہوتے ہیں۔ اور اُس تعریض کی تردید بھی ہوجاتی ہے۔ جو محض نفسانیت اور خود غرضی کی بدولت۔ انکی نسبت کی گئی تھی۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ میں انکے حالات لکھنے کے لئے مثاب ہونگا نہ لائق شرم وحجاب۔

بہرحال۔ حضرت صفوان ابن یحیے رض رجال شیعہ میں نہایت ثقہ اور صاحب اعتبار ہیں۔ آپ کوفہ کے فارغ البال اور مرفہ الحال تجارت پیشہ حضرات میں شمار ہوتے تھے۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے معتمد اور مستند راویوں میں سے ہیں۔ اسکے والد بزرگوار حضرت یحیے بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویوں میں تھے صفوان کے احوال میں یہ قصہ آج تک تمام میں مشہور ہے کہ وہ اپنے دو مومن دوستوں کے لئے۔ اُن کے مرنے کے بعد سالہا سال وہ اعمال خیر کرتے رہے جو اپنے نفس کے لئے کرتے تھے۔ اُسکی خلاصہ کیفیت یہ ہے۔

عبداللہ ابن جندب اور علی ابن نعمان صفوان کے ساتھ تجارت میں شریک تھے۔ اور اُن میں ہر ایک شخص اکاون رکعت نماز کہ علامت مومن سے ہے۔ ہر روز بجالاتا تھا۔ ایک روز ان تینوں صاحبوں نے باہم مسجد الحرام میں بیٹھکر یہ عہد کیا کہ جو ہم میں سے اپنے دو رفیقوں کے مرنے کے بعد زندہ رہے وہ اپنے مرنے والے دونوں رفیقوں کے لئے اسی قدر نمازیں پڑھے اور اُتنے ہی روزے رکھے اور اسی قدر زکوۃ دے جسقدر کہ یہ تمام اعمال اپنے لئے کرے۔ اتفاق سے عبداللہ اور علی کا انتقال

ہوگیا اور صفوان زندہ رہے۔ تو یہ حسب وعدہ ہر روز ایکسو ترپن رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور تین مہینے روزے رکھتے تھے۔ اور تین بار اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے۔ غرض جو عمل فرماتے وہ سہ گونہ ہوتا تھا۔ مادام الحیات آپ کا طرز عمل یہی رہا۔ دو حصہ کا ثواب تو اپنے دونوں رفقائے مرحومین کے نذر فرماتے اور ایک حصہ کو اپنی زاد آخرت بناتے۔

زہد و اتقا کی یہ کیفیت تھی کہ ایک بار کشتی کرایہ کی تھی۔ اُنکے کسی دوست نے دو دینار دئے کہ کوفہ پہنچکر ہمارے گھر پہنچا دینا۔ انہوں نے وہ دینار اپنے اسباب میں اُس وقت تک نہیں رکھے جب تک کہ مالک کشتی سے اجازت نہیں لیلی۔

اسی ایک واقعہ سے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص کی امانت اور دیانت کی یہ حالت ہو اور اُس کے تحفظ اور احتیاط اس درجہ تک پہنچی ہو اُس کی نسبت خیانت اور ناجائز تصرف کا خیال کیسا سفید جھوٹ اور کھلی تہمت ہے۔

اصل میں چونکہ عباس کو وکلائے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے اصلی نام معلوم نہیں تھے اور صفوان ابن یحیےٰ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں اکثر آیا کرتے تھے اسلئے عباس نے اموال حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کا وکیل اور امین انہیں کو جانا۔ اور یہ تعریض کی۔ دوسرے یہ کہ انکی مرفہ الحالی اور کشادہ دستی ان حضرات کے توہمات کا اور باعث ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علی ابن حمزہ بطائنی وغیرہم تو انکی تعریض سے بچگئے۔ اور یہ غریب مفت میں بدنام ہوگئے۔ انکو اس خانہ جنگی نے دستبرد کا خوب موقع دیدیا۔ اور اصل کیفیت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ان لوگوں سے کوئی مطالبہ اور مواخذہ بھی نہیں کیا گیا۔ صفوان علیہ الرحمہ کے اوصاف میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کا یہ قول تمام کتب رجال میں آج تک تحریر ہے۔

ما ذئبان ضاریان فی غنم قد غاب عنہا رعاتہا۔ باضر فی دین مسلم من حب الریاسۃ ثم قال ولکن صفوان لا یحب الرّیاسۃ۔

دو بھیڑئے اُن گوسفندوں کو جن کے چرواہے اُنکے پاس موجود نہوں اتنے ضرر پہنچا نہیں سکتے جتنی کہ ریاست کی خواہش مسلمانوں کے دین کو مضرت پہنچاتی ہے۔ اسکے بعد فرمایا لیکن صفوان کو ریاست اور امارت کی کچھ بھی خواہش نہیں ہے۔

بہرحال سواقفیہ حضرات نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو خصوصاً اپنی خیانت کے موجودہ طریقہ سے بہت کچھ مالی نقصان پہنچایا۔ جسکی وجہ سے بہت سے مومنین مستحقین کو عسرت اور ناداری کے

سیاہ دن دیکھنے نصیب ہوئے۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ان لوگوں کو ہر چند سمجھایا اور راہ ہدایت پر پھیر لانا چاہا۔ مگر یہ اپنی ضلالت و گمراہی سے باز نہ آئے۔ علی ابن حمزہ بطائنی زیاد ابن مروان اور ابن مکاری وغیرہ سے مناظرے کی نوبت بھی آئی اور آپ نے اُن کے سوالوں کے کافی جواب بھی دئے۔ جو ہم آپ کی جامعیت کی بحث میں تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔ مگر یہ اس وقت کسی طرح طریقۂ حق پر نہ آئے۔ مگر کچھ تھوڑے دنوں کے بعد یہ اپنی غلط فہمیوں سے آگاہ ہو ہو کر اپنے غلط مسلک کو چھوڑتے گئے۔ آخر میں بہت تھوڑے ایسے رہگئے جو اپنی گمراہانہ ضد پر قائم رہے ہوں۔ مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ بچے بچائے بھی باقی نہ رہے۔ اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی امامت کے زمانہ میں واقفیہ فرقہ کے لوگ مشکل سے نکلتے تھے اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس فرقہ کی ابتدا اور انتہا کتنی جلد ہو گئی۔

فرقۂ منکرین شہادت سید الشہداء

ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے اس فرقۂ ضالہ کی ابتدا بھی حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے زمانہ میں بتلائی ہے اس فاسد عقیدے والے لوگ اکثر عراق اور یمن اور حضرموت میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے یہ دعوے کیا کہ بمفاد آیۂ کریمہ ولایجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا کافر کو مومن پر کبھی دسترس نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام پر یزید کو کبھی فتحیابی نہیں ہوئی۔ یہ جو کچھ بظاہر کربلا میں واقع ہوا اُس کی حقیقت یہ تھی کہ جناب امام حسین علیہ السلام کو تو خدائے عز و جل نے بمصداق وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم آسمان پر جناب عیسےٰ مریم علیہ السلام کی طرح اُٹھا لیا اور فوج یزید نے آپ کی جگہ حنظلہ ابن سعد الشامی کو جو اس وقت بقدرت خدا آپ سے بالکل مشابہ ہو گیا تھا قتل کر دیا۔ اس لئے آپ کی شہادت ہرگز نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ آسمان پر زندہ ہیں۔ خیریت ہوئی کہ واقفیہ کی طرح ان لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو مہدی موعود نہ سمجھا۔ اور صرف حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی طرح زندہ ہی سمجھتے رہے۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو ان کے عقائد فاسدہ کی خبر ملی تو آپ کو نہایت غصہ آیا اور ارشاد فرمایا کہ ان عقل کے اندھوں کو ایک مومن کا مشرک کے ہاتھ سے مارا جانا جس کے ہزاروں کیا لاکھوں مشاہدے خود انہیں کو ہو چکے ہونگے۔ خلاف نص معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ نہیں سوجھتا کہ جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا کے انکار شہادت سے فدیناہ بذبح عظیم کی نص صریح جھوٹی ہوتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہزاروں حدیثیں اور پیشین گوئیاں

جو آپ کے شہید ہونے کو صاف صاف لفظوں میں بتلا رہی ہیں خلاف اور مہمل ثابت ہوتی ہیں۔ اور جاہلوں نے اپنی دانست میں تو اپنے امام کا درجہ بڑھایا اور اُسکی عظمت و جلالت کی شان بڑھائی مگر یہ خیال نہ کیا کہ اس عزت افزائی نے معاذ اللہ خدا کو بھی جھوٹا ثابت کر دیا اور رسول کو بھی "صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔

اُس وقت میں جہاں ہم نے اس فرقہ کے لوگوں کا سراغ لگایا ہے۔ ہمکو یہ ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے لوگ اکثر تو بہت کم تھے۔ اور جتنے پیدا بھی ہوئے وہ فوراً خاتمہ تک پہنچ گئے۔ مگر ہمیشہ کے لئے ابھی انکا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ تیسری صدی کے اخیر میں ان لوگوں نے پھر خروج کیا۔ اور بڑے زوروں سے۔ جناب امام صاحب العصر عجل اللہ ظہورہ کی غیبت صغرے کو تھوڑا زمانہ ہوا تھا انکی ہدایت اور تنبیہ کے لئے ناحیۂ مقدسہ سے طول وطویل اور نہایت پرتفصیل توقیع برآمد ہوئی۔ جس میں اس فرقۂ ضالہ کے تمام شبہات کی پوری تردید اور کامل تنقید درج ہے۔ ہم اُس کو اس سلسلہ کی بارھویں کتاب میں انشاء اللہ المستعان بالتفصیل بیان کرینگے۔

ہاں خوب یاد آیا۔ ہندوستان میں بارہ سو برسوں کے بعد مرزا حیرت دہلوی نے اس کفر والحاد و فسق وارتداد کی بنیاد ڈالی تھی اور اپنی لفاظیوں سے آسمان زمین کے قلابے ملائے تھے۔ اور کیا کیا دعوے نہیں کئے تھے۔ مگر الحمد للہ علے احسانہ۔ شیعہ تو شیعہ ہی ہیں۔ سواد اعظم کے علماء و معززین نے ان کے من گھڑت اور مصنوعی دلائل کی وہ دھجیاں اُڑائیں کہ بیچارے کو پگڑی سنبھالنی دشوار ہوگئی۔ اور سال ہی بھر میں انکے دلائل کی تردید۔ انکے عقائد کی قطع وبرید۔ اخباروں میں رسالوں میں اور کتابوں میں اس کثرت سے کی گئی کہ جس کا شمار دشوار ہوگیا۔ یہ تو ظاہری سزا تھی جو ان کے کرتوت کی ان کو ملی۔ اب ان کے افعال ذمیمہ کا عوض عقبے میں جو کچھ انہیں ملیگا وہ کہیں زیادہ اور دیرپا بلکہ ابدی ہوگا۔ گو بمصداق آیۂ وافی ہدایہ وفی طغیانھم یعمھون انہیں ان کی سرکشی میں ڈھیل اور مہلت مل رہی ہے لیکن عنقریب حسب وعید ربانی وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

ہارون الرشید کی سلطنت اور امام موسیٰ رضا علیہ السلام

ہارون الرشید کے ایام سلطنت میں آپ کی امامت کے دس برس گزرے۔ اس زمانہ میں عیسے ابن جلودی کی تاخت کے بعد پھر اُس نے آپ کے معاملات کی طرف سے بالکل سکوت اور خاموشی اختیار کرلی۔

اسکی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ اس دہ سالہ مدت کے ابتدائی ایام میں وہ آل برامکہ کے استیصال۔ رافع ابن لیث ابن سیّار کے غدر اور فساد کے انسداد میں جو سمرقند کے علاقہ سے نمودار ہو کر ماوراء النہر اور حدود عرب تک پھیل چکا تھا۔ ایسا ہمہ وقت اور ہمہ دم اُلجھا رہا کہ پھر اُسکو ان امور کی طرف کوشش کرنے کی ذرا بھی فرصت نہیں ملی۔ دوسرے یہ کہ اپنی دہ سالہ مدت کے آخری زمانہ میں یہ اپنے بیٹوں میں ملک تقسیم کر دینے کے بعد خود ایسا کمزور اور مجبور ہو گیا تھا کہ کوئی کام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا تھا۔ نام کا بادشاہ بنا بیٹھا ہوا اپنی زندگی کے دن نہایت عسرت اور تنگی کی حالتوں میں کاٹ رہا تھا۔ اس وقت اسکی حالت بالکل ایسی ہی ہو رہی تھی جیسے ہندوستان کا شاہجہاں۔ نام کی شاہجہانی تھی۔ بیٹے عالمگیر زمانہ بن کر ممالک محروسہ میں کوس لمن الملکی بجا رہے تھے۔ ہم اسکی مجبوری اور انتہا درجہ کی بیدست و پائی کی نقل خود اسی کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ جو ہمارے بیان کی تصدیق کے لئے پورے طور سے کافی ہو گی۔

صباح طبری کا بیان ہے کہ ہارون جب خراسان کو جانے لگا تو میں نہروان تک اُسکی مشایعت کو گیا۔ راستہ میں اس نے بیان کیا کہ اے صبّاح۔ تم اب کے بعد پھر مجھے زندہ نہ پاؤ گے۔ میں نے کہا۔ امیر المومنین ایسا خیال نہ کریں۔ آپ انشاء اللہ صحیح و سالم اس سفر سے واپس آئینگے۔ یہ سُنکر اُسنے کہا تجھ کو شاید میرا حال معلوم نہیں۔ آؤ میں دکھا دوں۔ پس راستہ کاٹ کر ایک سمت درخت کے نیچے لے گیا۔ اور وہاں سے اپنے خواصوں کو ہٹا کر اپنے بدن کا کپڑا اُٹھا کر مجھے دکھایا تو ایک پارچہ ریشم شکم پر لپٹا ہوا تھا اور اُسی سے سارا بدن کسا ہوا تھا۔ یہ دکھلا کر مجھ سے کہا کہ میں مدت سے بیمار ہوں۔ تمام بدن میں درد رہتا ہے۔ مگر کسی سے اپنا حال کہہ نہیں سکتا۔ تمہارے پاس بھی یہ راز امانت رہے۔ میرے بیٹوں میں سے ہر ایک کا گماشتہ میرے اوپر مقرر ہے۔ مامون کی طرف سے مسرور۔ امین کی جانب سے بختیشوع۔ تیسرے کا نام راوی کو یاد نہیں رہا۔ یہ لوگ میری سانس تک گنتے رہتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ میں ایک روز بھی زندہ رہوں۔ اگر تم کو یقین نہ ہو تو دیکھو میں تمہارے سامنے گھوڑا سوار ہونے کو مانگتا ہوں۔ ایسا لاغر ٹٹو میرے لئے لائیں گے جس پر سوار ہو کر میں اور زیادہ بیمار ہو جاؤں۔ یہ کہکر گھوڑا طلب کیا۔ واقعی ویسا ہی لاغر۔ اڑیل ٹٹو حاضر کیا۔ اسی پر ہارون مجبور چڑھا سوار ہوا۔ اور مجھ کو وہاں سے رخصت کر کے جرجان کا رستہ پکڑا۔ لمعۃ الضیاص ۹۲

اسی واقعہ سے ظاہر ہے کہ اُسکے کسی بیٹے کو اُسکے ساتھ ہمدردی نہیں رہی تھی۔ اور تشدد و نخوت کی وجہ سے تمام امرا بلکہ اقربا تک بگڑ گئے تھے۔ رعایا میں بجائے الفت کے اُس سے نفرت پھیل گئی تھی۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اتنا بڑا جلیل القدر بادشاہ کسی سے اپنے مرض کا حال نہیں کہہ سکتا۔ طبیب شاہی بہت سے ہیں مگر ایک سے معالجہ نہیں کرا سکتا۔ اصطبل میں ایک سے ایک عمدہ گھوڑا موجود ہے۔ مگر اس کے واسطے موجود نہیں۔ وہ باوجود مرض جانکاہ کے مریل ٹٹو پر سوار سفر دور و دراز کر رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ع آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند۔

بہرحال۔ ہارون الرشید کی یہی مجبوریاں تھیں جنہوں نے اُس کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے مخالفانہ امور کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ ورنہ اگر اُسے فرصت ہوتی اور وہ اپنی قدیم ذی اختیاری کی حالتوں پر قائم رہتا تو اس سلسلہ کی غارت اور بربادی کو کبھی بھولنے والا نہیں تھا۔ مگر اس وقت کیا کر سکتا تھا۔ اپنے ہی دست و پا اپنے اختیار میں نہیں تھے۔ بہرحال۔ ہارون الرشید اسی ضیق النفسی۔ مجبوری۔ ناداری اور بے اختیاری کی غیر متحمل مصیبتوں میں خراسان پہنچکر شروع ۱۹۳ھ ہجری میں مرگیا۔

امین کی سلطنت

اوپر لکھا جاچکا ہے کہ ہارون الرشید نے نظام فلکی سے بیخبر ہو کر اپنے بعد اپنے بیٹوں کی حکومت اور سلطنت کے لئے یہ انتظام کیا تھا کہ اپنے تمام ممالک محروسہ کو تقسیم کر کے ایک ٹکڑا ماموں کو اور ایک ٹکڑا امین کو حوالہ کر دیا تھا۔ اس تقسیم میں بڑے غور و خوض سے کام لیا گیا تھا۔ اور اُس وقت کے موجودہ مدبران ملکی نے ایک عرصہ تک اس مسئلہ پر غور کر کے۔ اس کے متعلق دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے تھے۔ اس عہدنامے کے شرائط تجویز کرنے۔ لکھنے اور درست کرنے میں اپنی حسن تدبیر۔ عاقبت اندیشی اور مآل بینی کی تمام لیاقت صرف کر دی تھی۔ مگر اتنی احتیاط۔ اتنے استحفاظ اور اتنے استحکام کے بعد زمانہ کی روش۔ زمانہ کی رفتار اور آپس کے اختلاف نے اپنے مقابلہ میں اور اپنی ضرورتوں کے سامنے اسکو محض تقویم پارینہ سمجھکر پارہ پارہ کر دیا جسکی تفصیل یہ ہے۔

اس عہدنامہ کی رو سے امین کے حصہ میں عرب۔ حجاز۔ عراق۔ یمن۔ حضرموت و ممالک شام اور دیار افریقیہ۔ جزیرۂ عرب سے لیکر خلیج فارس اور دریائے عمان تک۔ یہ سب ممالک اور اُنکے توابع

تفویض فرمائے گئے تھے۔ اور اُسنے سابق خلفاء کی طرح دار السلام بغداد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ مامون کے حصہ میں بلاد شرقیہ۔ ایران۔ سجستان۔ ہوازن۔ سمرقند و بخارا وغیرہ دئے گئے تھے۔ اور اس نے شہر مرو کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ اس تقسیم کے ساتھ یہ بھی قرار پا چکا تھا کہ امین جملہ ممالک کا خلیفہ تسلیم کیا جاویگا۔ اور مامون کے خاص ممالک میں بھی صرف خطبہ اور سکہ اسی کے نام سے ہوگا۔ اگرچہ اور کسی قسم کے دخل اور تصرف کا اختیار اُن ممالک میں اسکو نہیں ہوگا۔ مگر بخیال اعزاز خلافت اتنا امتیاز اسکے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح امین کے بعد مامون تمام ممالک اسلامیہ کا خلیفہ قرار دیا جائیگا۔ اور اُسکو بھی بخیال اعزاز خلافت امین کے مقبوضہ ممالک میں صرف خطبہ اور سکہ کے متعلق وہی حقوق حاصل ہونگے جو امین کو اپنی خلافت کے زمانہ میں مامون کے ممالک کی نسبت حاصل تھے۔

ہم نے جہاں تک اس تقسیم ممالک کے متعلق تحقیق کی ہے ہم کو یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ ان امور میں بھی اگرچہ ہارون رشید کی طرف سے تنصیف عادلانہ کا ضرور دعوے کیا گیا۔ مگر یہ تقسیم دونوں بیٹوں میں بالمساوی نہیں ہوئی۔ مامون سے امین کا پلہ ضرور بھاری رکھا گیا۔ اور ہر طرح اُس کو مامون پر ترجیح دی گئی۔ بغداد کے خزائن اُسی کے ہاتھ لگے۔ اور اُس میں سے ایک کوڑی بھی مامون کو نہ ملی۔ بغداد کی آراستہ فوج بھی اُسی کے قبضہ میں بحال رہی۔ جو بیرونجات کی فوجوں سے ہر حال میں اچھی کہی جاسکتی تھی۔ اس لئے مامون جنگی قوت میں بھی اس سے کمزور رہا تبرکات مبارک مثلاً ردا و عصائے نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خلافت اسلامی کے اصلی معیار قرار اور شمار کئے جاتے تھے بوجہ خلیفہ ہونے کے امین ہی سے متعلق رہے۔ غرضکہ اس تقسیم میں امین کو لائن پارٹ (Lion Part) شیر کا حصہ ملا۔ اسوجہ سے اُسکی تمام قوتیں مامون سے بڑھی چڑھی تھیں۔

ہارون کے مرنے کے بعد چار برس تک شروع ۱۹۳ھ ہجری سے لیکر آخر ۱۹۷ھ ہجری تک بھائیوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ مگر ۱۹۷ھ ہجری کا تمام ہونا تھا کہ امین و مامون میں باہمی مخالفت اور منازعت آغاز ہوگئی۔ جن کی پوری تفصیل ہمارے سلسلہ بیان سے عنقریب معلوم ہوجائیگی۔ مگر قبل اسکے کہ ہم انکی باہمی مخالفت اور اندرونی مشاجرت کے حالات بیان کریں ہم خلفائے عباسیہ کے عام اخلاق۔ مذاق اور اُنکے دربار اور اہل دربار کے کردار و رفتار کو مشرح طور پر دکھلا دیتے ہیں جس سے ہر شخص اُس زمانہ کے مذاق کا پورے طور پر اندازہ کرسکتا ہے یا دہ یکھی

معلوم کرسکتا ہے کہ موجودہ فرمانروا اپنی ذاتی ضرورتوں کے پورا کرنے میں کتنا کوشاں رہتا تھا۔ اور اور اپنی ملکی رعایا اور دیگر ملازمین اور متعلقین کے فائدہ پہنچانے اور انکے ساتھ ہمدردی اور دلسوزی کرنے میں وہ کتنا سرگرم اور مستعد رہتا تھا۔ ہم اپنے اس مضمون میں کسی قدر طوالت سے ضرور کام لینگے۔ اس لئے کہ ہمارے بہت سے آیندہ مضامین کی تصریح کو ان بیانات کے تفصیلی حالات سے پورا تعلق ہے۔

منصور کے زمانہ کا مذاق

ہم اپنے موجودہ مضمون کو منصور کے زمانہ سے شروع کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم منصور کے تمام ذاتی حالات آثار جعفریہ میں تفصیلوار لکھ آئے ہیں مگر تاہم اپنے سلسلۂ بیان کے قائم رکھنے کی ضرورت سے اسکے حالات کا اعادہ نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

منصور اور اس کے دربار میں شاہی شان و شوکت اور سلطانی جاہ و تجمل کا رنگ بہت پھیکا تھا۔ اور اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ حد درجہ کا بخیل اور تنگدل تھا۔ پھر اس سے طمطراق۔ زیب و زینت کے سامان فراہم کرنے کی کیا امید ہوسکتی تھی۔ جس شخص نے ایک سیاہ عبا میں اپنی طول و طویل حکمرانی کا سارا زمانہ کاٹ دیا ہو وہ اپنی جسمانی زیب و زینت اور عیش و عشرت کے کہاں تک حوصلے کرسکتا ہے۔ اور جو خود اچھا نہ پہننا گوارا کرسکتا ہو وہ دوسروں کے پہنانے کی کہاں تک ہمت کریگا۔ اگرچہ منصور کا دربار اُن کیفیتوں سے بالکل سادہ اور خالی تھا جو آگے چل کر اسکی اولاد و اعقاب کے زمانہ میں پیدا ہوگئیں۔ مگر تاہم۔ اُسکے وقت میں صرف سادگی ہی سادگی تھی۔ راستی۔ وعدہ وفائی۔ حفظ ایمانی۔ دیانت اور صداقت کا مطلق نام نہیں تھا۔ اور تمام امور حیلہ۔ سیاست اور خدعہ حکومت کے اصول پر مبنی تھے۔ عام اس سے کہ انکی تعمیل اور اجرا میں منصور چاہے کتنا بڑا بداخلاق۔ بدعہد اور ظالم و جابر نہ ثابت ہوتا ہو۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ انہی اصول کے مطابق وہ مادام الحیات اپنی حکومت کا کاروبار چلاتا رہا۔ اور اپنے ملکی اغراض و فوائد کے مقابلہ میں کسی کی ذاتی خدمات اور اعزاز و اکرام کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ جیسا کہ متعدد واقعات سے پوری تفصیل کے ساتھ آثار جعفریہ میں بیان کیا گیا ہے۔

مہدی کے زمانہ کا انداز

مہدی کے وقت میں منصور کی سادگی کا پردہ اُٹھا دیا گیا۔ اور دربار خلافت میں عیش و عشرت

کے سامان فراہم ہونے لگے۔ خوش قسمتی سے نوجوان خلیفۂ عصر کو حسن پرستی کا شوق پیدا ہوا۔ اور اسکے ساتھ اس کے لوازمات بھی مہیا ہونے لگے۔ ارباب نشاط بھی رفتہ رفتہ دربار میں آنے جانے لگے۔ اور عیش و سرور کی ضروریات کے ساتھ رقص و سرود کے آلات بھی فراہم ہونے لگے۔ اسلام کے سخت اور تاکیدی احکام نے جزیرہ نمائے عرب سے ان تمام اشیاء کو خارج البلد کر دیا تھا۔ اور عموماً تمام ملک سے اسکا چرچا بھی اُٹھ گیا تھا۔ مگر سلسلۂ امویہ کے مورث اعلےٰ امیر معاویہ نے جہاں اور بدعات کو ممالک اسلامیہ میں نوید دیگر بلایا اور قائم کیا وہاں ایک یہ بھی تھے۔ چنانچہ مشاہد تاریخی ثابت کر رہے ہیں۔ غنا۔ رقص و سرود کے جلسے اور شراب و کباب کی صحبتوں کی ایجاد اُنہیں کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ اور اُن کے بعد باستثنائے عمر ابن عبد العزیز کوئی اموی خلیفہ ایسا نہیں گزرا جو اس رنگ میں نہ رنگا ہو۔ اس لئے ان منہیات الشرعیہ کے استعمال اموی خلیفہ کے واسطے چنداں الزام کے باعث نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر بنی ہاشم ہونے کی نسبت اور آل محمد علیہم السلام ہونے کی ظاہری معرفت نے تمام اہل اسلام کو یقین دلا رکھا تھا کہ بنی عباس۔ اور کچھ نہیں تو ان منہیات شرعیہ کے ارتکاب سے ضرور دور رہیں گے۔ مگر اُنکی امیدوں کے خلاف منصور ہی کے وقت سے شاہی صحبت اور سلطانی جلسوں میں جام بلورین اور شراب نوشین کے دور چلنے لگے۔ مگر اُسکی ذاتی تنگنظری اور جزرسی ان امور کی افراط و تفریط کو ایک خاص حد تک محدود کئے رہی۔ اور اپنے اشتیاق کے قدم اعتدال سے بڑھانے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھی۔ ہاں منصور کے بعد مہدی کی جوان طبعی اور شباب کی اُمنگوں نے ان امور میں زیادہ کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی سے کام لیا۔ اور منصور کی گاہے ماہے کی صحبتوں کو اپنے خاص خاص وقتوں تک بڑھایا۔ اور مے نوشی کی تنہا اور سادہ صحبتوں کو اپنی موجودہ پرجوشی کے خلاف سمجھا۔ اور اسکے ضروری لوازمات آہستہ آہستہ جمع کر لئے۔ شاہدان پری پیکر کی جُھرمٹ کے ساتھ رقص و سرود کے آلات کا بھی انبار لگ گیا۔ پھر تو یہ اشیاء ایسی عام ہو گئیں کہ قصر سلطانی اور مکانات خسروانی کی خاص طور پر زیب و زینت قرار دی جانے لگیں۔ چنانچہ مہدی کے دور کا یہ خاص واقعہ عام طور سے تمام تاریخوں میں درج ہے۔

علامہ ابن کثیر شامی کو مہدی نے اپنے زمانہ میں دار الخلافت بغداد کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔ ایک بار ابن کثیر خلیفہ سے ملنے گئے۔ خلیفہ نے قاضی صاحب کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ اور

اپنے پہلو میں بیٹھنے کا خاص اعزاز بخشا۔ معمولی مزاج پرسی کے بعد مہدی نے اپنے ایک غلام سے جو اُس کے سامنے کھڑا تھا اشارہ کیا کہ قاضی صاحب کے واسطے عود (خوشبو) لاؤ۔ وہ کمبخت عقل کا مارا۔ روزانہ معمولی خدمات کا عادی عود (عربی باجہ) اُٹھا لایا اور قاضی صاحب کی گود میں رکھ ہی تو دیا۔ ابھی تک اتنا پاس شریعت باقی تھا کہ مہدی اس آلۂ غنا کو بیموقع دیکھکر ایسا شرمایا کہ عرق عرق ہو گیا۔ اور قاضی صاحب بھی نوجوان خلیفۂ عصر کی رعایت سے کچھ نہ کہہ سکے۔ خاموش رہگئے۔ مگر مہدی کی ذہانت اور سرعت فہم نے اپنا انفعال مٹانے کی غرض سے یوں بات بنادی کہ حضور قاضی صاحب آپ اس آلۂ غنا کو اپنے ہاتھ سے توڑ ڈالیں۔ آج سلطانی عسس کے لوگ فلاں مسلمان کے ہاتھ سے اس آلۂ ممنوع الشریعۃ کو چھین لائے ہیں۔ اور میں نے اُسی وقت سے نیت کر لی تھی کہ آپ آئینگے تو میں آپ کو دونگا اور آپ اسے اپنے دست مبارک سے توڑینگے۔ قاضی صاحب نے بسم اللہ کہکر اُس لکڑی کی نازک صنعت کو زمین پر زور سے دے مارا اور وہ پارہ پارہ ہو گیا۔

قاضی صاحب تو مہدی کے آلۂ عشرت اور اسباب خودبینی کو توڑ تاڑ کر اپنے گھر تشریف لیگئے اُنکے چلے جانے کے بعد مہدی کو پہلے جتنا اس واقعہ سے انفعال ہوا تھا اُتنا ہی پیچھے رنج و ملال بھی ہوا۔ چنانچہ اُسنے اپنے اُس غلام کو خوب پیٹا اور ایک مدت تک قید رکھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ مہدی کے زمانہ میں اس مذاق کے تمام مصالح درست ہو گئے تھے۔ اور اُس کے دربار میں ایسی صحبتیں۔ ایسے جلسے برابر گرم رہتے تھے۔ مہدی کی سیرت میں تمام تاریخیں عام طور سے لکھتی ہیں کہ وہ فطرتاً عورتوں کا بہت بڑا والہ و شیدا تھا۔ اُسکو حسن پرستی کا دائمی آزار تھا۔ اُسکا کوئی ملکی کام عورتوں کی مشورت کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ اُسکی اس افراط و تفریط کا آخر کار یہ نتیجہ نکلا کہ عورتوں ہی کے باعث سے اُسکی جان گئی۔ علامۂ طبری اپنی تاریخ کے دفتر چہارم میں اسکی پوری کیفیت یوں تحریر کرتے ہیں۔

مہدی کو حسنہ نامی ایک عورت سے قدیم عشق تھا۔ مگر جب اُس کی طرف سے اسکی طبیعت سیر ہو گئی تو فطرتاً اُسکی طرف سے رجحان طبع اور میلان خاطر کم ہونے لگا۔ اور اُسکے مقام پر اُس نے اپنی ایک دوسری کنیز سے ربط بڑھایا۔ اور یہ حسنہ کی بہت بڑی کوفت کا باعث ہوا۔ آخر کار حسنہ نے اُس کنیز کو زہر دیکر مار ڈالنے کی تجویز ٹھیرائی۔ اور قلہ (ایک قسم کا کھانا) پکا کر اور اُس میں زہر ملا کر اُس کے پاس تحفہ کے طور پر بھیجا۔ مہدی اُس وقت اُس کنیز کے

پاس محل میں بیٹھا ہوا تھا حسنہ کی خواص تحفہ لیکر آئی۔ مہدی نے دیکھکر آنکھ کے اشارے سے
بُلایا اور پوچھا کیا لائی۔ اُس نے قلہ دکھا کر عرض کی کہ حسنہ نے آپ کی کنیز کو یہ تحفہ بھیجا ہے۔ یہ
کہکر کنیز حسنہ نے وہ قلہ کی طشتری مہدی کے سامنے رکھدی۔ مہدی نے بلا تامل اُسکو کھالیا۔
اور وہ طشتری اُس خادمہ کو حوالہ کردی۔ اُسی وقت مہدی پر زہر کا اثر ہوا اور وہ غروب آفتاب
تک مرگیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوگیا کہ مہدی کی جان اسی حُسن پرستی کی بدولت مفت گئی۔ اور اُس منجم کا یہ قول نہایت
سچا ثابت ہوا جس نے بقول طبری مہدی سے کچھ دنوں پیشتر خود کہدیا تھا کہ عورتوں کا موجودہ
ارتباط ایک دن آپ کی جان لیگا۔ کیونکہ جس شئے کی خواہش اور تمنا بہت کیجاتی ہے وہ آخر میں
اُسکی فنا اور زوال ابدی کا قوی باعث ثابت ہوتی ہے۔

ہادی کے قلیل زمانہ کی کیفیت

مہدی کے بعد ہادی کا دور شروع ہوا۔ تو اُسنے اپنے دربار کی رونق بڑھانے اور اُسکو باز یب زینت
بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ عیش وعشرت کے جلسے جمائے۔ شیشہ و ساغر کی صحبتیں گرم کیں
مگر افسوس اُسے اپنی قسمت کی محرومی کی کیا خبر تھی۔ اُسکا یہ چند روزہ عیش سال سے زیادہ نہ ٹھیرا۔
اگرچہ اُسنے اپنے استحکام سلطنت کی تدبیروں میں اپنی ماں تک کو زہر دیکر مار ڈالنا چاہا تھا۔ جو
اُس کے تصرف ملکی اور تسلط شاہی میں مخل ہوتی تھی۔ مگر افسوس ناکامیاب رہا۔ اور آخر کار وہ تو
جیتی کی جیتی بیٹھی رہی۔ یہ خود چلدئے۔ اور سال بھر سے زائد اپنی سلطنت اور مال ودولت کے
لطف نہ اُٹھا سکے۔

ہارون کے زمانہ کے رنگ

ہادی کے بعد ہارون کی نوبت آئی۔ انکے زمانہ میں ایوان خسروانی اور دیار سلطانی کا گوشہ گوشہ نگارخانہ
چینی کی مثال ہوگیا۔ اور عیش وطرب اور لطف وعشرت کے وہ دلکش اور دلآویز سین۔ دارالخلافہ
کے وسیع اسٹیج پر دکھلائی دینے لگے۔ جو کبھی کسی کے خیال میں بھی نہیں آئے تھے۔ اور انکے ساتھ ہی
وہ تمام امور جو اس وقت تک بلاد اسلامیہ میں معیوب اور بُری نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ بہتر
سمجھ کر اختیار کئے جانے لگے۔ اور جو چیزیں مضر اخلاق۔ منافی تہذیب اور خلاف آداب سمجھی جاتی
تھیں بکمال تہذیب تسلیم کیجانے لگیں۔ علم وادب کی صحبتیں۔ فضل وہنر کے جلسے برخاست۔ اُن کی
جگہ پر شیشہ وساغر اور شاہدان پری پیکر کے اکھاڑے جمنے لگے۔ آرام طلبی۔ عیش پسندی اور ہر قسم

لہو ولعب کے مشاغل اختیار ہونے لگے۔ اگرچہ یہ تمام باتیں ہارون سے پہلے بھی ملک اور قوم میں پائی جاتی تھیں۔ مگر اُنکا وجود اور رواج ایک حدتک محدود ضرور خیال کیا جاتا تھا۔ جیساکہ عود کے واقعہ سے مہدی کا ابن کثیر سے نادم ہونا اور پھر بات بنا کر اُس کے خیال کو پھیرنے کی کوشش کرنا بتلا رہا ہے کہ وہ قاضی شریعت سے اصل حقیقت کو ضرور چھپانا چاہتا ہے۔ ابھی تک غریب شریعت کا اتنا اعزاز اور امتیاز باقی تھا۔

مگر ہارون کے زمانہ میں یہ ٹٹی کا پردہ بھی اُٹھا دیا گیا۔ اور تمام معائب کھُلے خزانے کئے جانے لگے اور عام اس سے کہ کوئی بہت بڑا عالم ہو۔ بہت بڑا مجتہد ہو۔ بہت بڑا قاضی ہو۔ یا کسی بھی شریعت کا بہت بڑا جاننے والا ہو۔ خلیفۂ عصر اور حاکم وقت کو اُس سے کوئی لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں۔ شریعت کی کمزور گردن تو تخت سلطنت کے پایہ سے بندھی ہوئی تھی۔ دنیا کے شکم پرست علما نے بھی اپنی دنیا بنانے کی فکروں میں خدا پرستی کے اصول کو چھوڑ کر امرا پرستی کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ پھر کیا تھا۔ بادشاہ وقت کے تمام معائب اور مناقص اُسکے عین محامد اور مکارم تسلیم کئے جاتے تھے۔ اُسکی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی بُری باتیں۔ اُس کے کثرت سے بھی دور پہنچے ہوئے بُرے افعال بہت بڑی عزت اور عظمت سے دیکھے جاتے تھے۔ اور ہزاروں تحسین و آفرین کی آوازوں کے ساتھ قبول کئے جاتے تھے۔ کس کا کلیجہ اور کس کا گردہ۔ جو خلیفۂ عصر کی حسن پرستی اور بادہ پرستی کی نسبت دیدۂ اعتراض کو جنبش دیتا۔ آنکھیں نکلوالی جاتیں۔ کسکی طاقت اور کسکی شامت تھی۔ جو امیرالمومنین کی مے نوشی اور عیش ونشاط کی گرمجوشی کے متعلق لبہائے شکایت کھولتا۔ گدّی سے زبان کھینچ لی جاتی۔ ان امور میں ہارون کی مطلق العنانی اور آزادانہ حکمرانی کی یہی کیفیت تھی اُسکی زمانۂ حکومت میں یہ تمام باتیں عالمگیر ہو رہی تھیں۔ شریعت کے قیود اُٹھا دئے گئے تھے۔ اور سلطنت امویہ کی طرح اطراف عالم میں کفر والحاد اور فسق وارتداد کے مراسم جاری وساری تھے اور تمام دنیا بادشاہ کے رنگ میں رنگی تھی۔ اور اُنکا اس رنگ میں آجانا النّاس علیٰ دین ملوکھم کے اصول سے نہایت صحیح اور درست تھا۔

بہرحال ہارون کے مشاغل کیا تھے؟ اُس کے دربار کے رنگ کیسے تھے؟ اس بحث میں اگر ہم اُس کے کچے چٹھے کی پوری تفصیل قلمبند کریں تو ہمارے سلسلۂ بیان میں ضرورت سے زیادہ طول ہو جائیگا۔ جو عام نگاہوں میں ضرور فضول معلوم ہوگا۔ اس لئے ہم اُن تمام احوال اور واقعات سے قطع نظر کرکے صرف دو چار واقعات نمونہ کے طور پر ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اور انہیں کو اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے

کافی سمجھتے ہیں۔
ہارون رشید کے ذاتی معاملات اور اُسکے صحیح مذاق دریافت کرنیوالے حضرات کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بلاد مغربیہ اور ممالک اسلامیہ کا خلیفہ نہیں تھا۔ بلکہ اپنے مذاق کے اعتبار سے وہ ایک معمولی ایشیائی فرمانروا تھا جن کا حال سو برس سے پہلے کی تاریخوں میں آج تک محفوظ پایا جاتا ہے۔ یہ تو مہدی کے زمانہ ہی سے معلوم ہو چکا ہے کہ خلافت نے عیش و عشرت کی خلوت اور شیشہ و ساغر کی صحبت کو لازمۂ حکومت اور آئینۂ سلطنت بنا رکھا تھا۔ مگر ہارون "رشید" کے زمانہ میں بقولیکہ نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا۔ ان مشاغل میں ترقی پر ترقی ہی ہوتی چلی گئی اور ایک وقت میں ان سامانوں میں وہ آرائش اور افزائش ہوئی جس سے آگے زیادتی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہارون کی کوئی صحبت۔ خلوت جلوت۔ عموماً عیش و عشرت کی محویت اور شراب و کباب کے مشاغل سے کبھی خالی نہیں پائی جاتی تھی۔ منم و خیال دلبر منم و شراب و ساغر کا عالم ہر وقت طاری رہتا تھا۔ شاہی اہتمام اور نہایت احتیاط اور انتظام کے ساتھ انواع و اقسام کی خوشبودار۔ خوش ذائقہ اور خوشگوار شرابیں کھینچی جاتی تھیں۔ اور بڑے بڑے جامہائے بلورین اور ساغرہائے رنگین میں بھر کر قصر خلافت اور دار الامارت کے مختلف کمروں کے طاقوں پر زینت بنا کر رکھی جاتی تھیں۔ اور دور دراز ممالک سے شاہدان حسن و جمال اور حسینان عدیم المثال سلطنت کے صرف کثیر سے بلائے جاتے تھے۔ اور بادشاہ کی حرارت ہمدوشی اور گرمجوشی کی ٹھنڈک بنائے جاتے تھے۔ اور اس عہدۂ جلیلہ پر جو بڑے بڑے ذی وجاہت اور صاحب استعداد و لیاقت مقرر کئے جاتے تھے۔ جو اس ذلیل منصب کو ہزاروں مفاخرت کے ساتھ قبول و منظور کرتے تھے۔ جعفر ابن یحییٰ برمکی کے ایسا ذی اقتدار اور ہارون کی شاہی قلتبانی۔ افسوس۔ بھلا کبھی ایسے مقتدر اور عزت یافتہ حضرات کی طرف سوتے جاگتے بھی کسی شخص کا ایسا خیال ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے موجودہ عزت و وقار کے مقابلہ میں کبھی اس ذلت اور ننگ و عار کے شعار کو گوارا فرمائینگے۔ مگر نہیں۔ یہ معمولی ذلت نہیں تھی۔ بلکہ شاہی ذلت تھی جو ذلت کی عین حالتوں میں بھی ان عزت داروں کو عزت کا مزہ دے رہی تھی۔ اور وہ اسکے حصول کے لئے گھر بیٹھے بیٹھے تمنائیں کیا کرتے تھے۔ اور دعاؤں پر دعائیں مانگا کرتے تھے۔
الغرض کہ شاہدان پری پیکر اور حسینان مہوش کی کثرتوں کے اعتبار سے خلافت کا دربار مصر کا بازار ہو رہا تھا۔ اور ارژنگ چین کا ایک باترتیب اور تیار مرقع جس میں اطراف عالم کے نازنینان خوشجمال اور حسینان عدیم المثال کی دلکش اور دلفریب صورتیں دکھلائی دیتی تھیں۔ ہارون رشید کے قصر خلافت

کا گوشہ گوشہ نگار خانہ بنا ہوا تھا۔ اور حجاز۔ عراق۔ مصر۔ شام۔ ایران۔ سمرقند۔ بخارا اور ہندوستان کی عورتیں اُسکے محل شاہی میں داخل تھیں۔ ۱۸۵ھ ہجری میں ہندوستان کے علاقہ سندھ سے دو عورتیں جو اپنی خوشجمالی اور عدیم المثالی میں طاق اور شہرۂ آفاق ہو رہی تھیں۔ سو دو سو کیا۔ ہزاروں سے انتخاب کرکے اس کی خدمت میں بھیجی گئی تھیں۔

بہرحال ہارون رشید ہمیشہ حسن پرستی اور خود مستی کی حالتوں میں بسر کرتا تھا۔ اور اپنی عیش و عشرت کے مزے لیا کرتا تھا۔ سلطنت کے تمام کاروبار یحییٰ کے اختیار سے ہوتے تھے۔ مگر یہ امور بھی حسن پرستی کی رعایت سے خالی نہیں تھے۔ اس میں بھی زبیدہ خاتون کی مشورت ضروری تھی۔ جیسا کہ تقسیم ممالک اور امین و مامون کے تحریر عہدنامہ کی تفصیل میں لکھا جا چکا ہے۔

یہ تو امور سلطنت کی حالت تھی۔ استحفاظ شریعت اور دینیات کی رعایت کی یہ کیفیت تھی کہ قاضی شہر کے سپرد کرکے اپنا پیچھا چھڑا لیا گیا تھا۔ اور خیریت سے قاضی صاحب بھی خلافت اور خلیفۂ عصر کے پورے پورے قاضی تھے۔ نہ شریعت کے قاضی۔ نہ دینیات کے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف جو امام اعظم کے اعظم وارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ہارون الرشید کے ایک ذاتی مسئلہ کو نص قرآنی کے غلط مفہوم اور بیجا تاویل کے شکنجے میں کسی نہ کسی طرح کھینچ کھانچ کر ایک عجیب و غریب جواب دیتے ہیں۔ اُس کی اصلی کیفیت یہ ہے۔

ہارون الرشید۔ ایک مرتبہ اپنی خواہشات نفسانی سے بالکل مجبور ہوکر رات کو سوتے سے ایک بار جاگ پڑا۔ اور اتفاق سے کوئی کنیز اُس وقت اُس کے پہلو میں موجود نہیں تھی۔ بیچین ہوکر باہر نکل آیا اور محل شاہی کے ادھر اُدھر گوشوں میں اپنے شاہد مدعا کو تلاش کرنے لگا۔ اسی تجسس و تلاش میں اُس نے ایک کنیز کو ریشمی چادر اوڑھے ہوئے مشغول خواب دیکھا۔ مگر اُس کے آتے ہی وہ بیدار ہو گئی تو امیر کو اپنے سرہانے کھڑا پایا۔ ہارون نے اظہار مدعا کیا۔ اُسنے عذر نسائیہ کی معقول وجہ خاص طور پر پیش کی۔ اور اپنی مجبوری اور بیکاری دکھلائی۔ مگر ہارون کی آتش نفسانی ایسی بھڑکی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح اُس پر ضبط کا پانی نہ ڈال سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے اُس کے ساتھ خلاف وضع فطری مرتکب امور ہونا چاہا۔ اور مجامعت کو اغلام سے مبدل کرنا چاہا۔ تو اُس کنیز پر بی پیکر نے اُسکو اس حرکت ناشائستہ سے باز رکھنا چاہا۔ اور کہا یا امیر! اتوھن من حیث امرکم اللہ۔ عورتوں سے ویسا ہی فعل کرنا چاہیے جیسا کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ نے حکم فرمایا ہے۔ یہ سنکر ہارون نے کہا نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم۔ عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم اُن میں جسطرح چاہو

بھی کر سکتے ہو۔ اُس کنیز نے جواب دیا۔ یا امیر جہاں ارشاد ہوتا ہے۔ مگر یہ آیہ منسوخ ہو چکا ہے اور اُسکا ناسخ واتوا البیوت من ابوابها اپنے گھروں میں گھروں کے دروازوں سے آیا کرو۔

اسی طرح ایک بار دو کنیزیں ہارون الرشید کی خدمت میں لائی گئیں۔ اُن میں ایک بیوہ تھی اور ایک کنواری۔ مگر اپنے حسن وجمال کے اعتبار سے اُن میں کوئی فرق یا تمیز نہیں کی جا سکتی تھی اور وہ بیوہ بھی اپنے حسن وجمال اور صورت بیمثال میں اُس ناکتخدا سے ہرگز کم نہیں تھی خلیفہ عصر بھی دونوں شاہد دلفریب کی یکتائی حسن پر برابر فریفتہ تھا۔ اور اُنکی دلربائی اور رعنائی کی وجہ سے ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں دے سکتا تھا۔ دیر تک اپنے پہلو میں دونوں حسینان ماہوش کو بٹھلائے رہا۔ اور خال خال اور ہو بہو اُن دونوں کے حسن وزیبائی کے مرقع کو بغور دیکھتا رہا۔ مگر کوئی فرق نہ پا سکا۔ حیران تھا کہ کس کو کس پر ترجیح دے۔ وہ شاہدان آئینہ رخسار بھی خلیفہ عصر کے منظور نظر بنائے جانے کی بصد شوق تمنا کر رہے تھے۔ اور خلیفۂ عصر کے موجودہ شش و پنج کو بھی اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ جب اُس کے غور وتامل کو حد سے زیادہ عرصہ گزر چکا تو اُن میں سے ایک پریرو نے ہارون الرشید کو مخاطب کر کے کہا کہ امیر کو آخر اپنے طول وطویل غور وفکر فرمانے کی ضرورت کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ میں زن شلیطہ ہوں۔ اور میری بہن باکرہ ہیں۔ مجھ میں اور ان میں تو صرف ایک ہی شب کا پردہ حائل ہے۔ وہ پردہ اُٹھا اور صبح کو یہ بھی ہماری ہی ایسی ہو گئیں۔ اُس دوشیزہ مہوش نے جواب دیا۔ یا امیر۔ میری بہن نے بالکل سچ کہا۔ مگر اس سچ کہنے سے پہلے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ گو ایک ہی رات سہی۔ مگر کیسی ہے۔ ایسی ہی ہے جیسا کہ خداوند سبحانہ تقدس وتعالے فرماتا ہے لیلۃ القدر خیر من الف شھر وہ قابل قدر رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہارون الرشید بمصداق آنکہ ع بساکیں لطف از گفتار خیزد۔ اسکا مدلل اور معقول جواب سنکر ہزار جان سے اُس کا فدا اور فریفتہ ہو گیا۔ اور فوراً اُسے اپنے محل شاہی میں داخل کر دیا۔

اسی قسم کے ایسے متعدد اور مختلف واقعات ہمارے پیش نظر ہیں جن سے ہارون کے مذاق اُسکی صحبت کے رنگ اُسکے عیش وعشرت کے جلسوں کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ہم محض طوالت کے خیال سے اُنکی تحریر کو مناسب نہیں سمجھتے۔ اور اوپر کے دو واقعات اپنے بیانات کی تصدیق کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

بہرحال۔ ان واقعات سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ شریعت کے احکام۔ دینیات کے امور ایسے

معمولی۔ بے وقعت سمجھے جاتے تھے کہ عیش وعشرت اور خانگی صحبتوں میں بھی محض معمولی اور عام طریقوں پر آیات قرآنی اور نصوص ربانی سے استدلال کیا جاتا تھا۔ اور شاہدان پری پیکر کے ساتھ راز و نیاز کی خاص خلوت کے اوقات میں بھی معاذ اللہ۔ نصوص الٰہیہ سے اپنے نفسانی اغراض و مطالب کے معانی نکالے جاتے تھے۔

افسوس تو اسکا ہے کہ حضرات ائمہ معصومین کے طبقہ کی موجودگی میں ایسے کمزور اخلاق۔ ایسی بدنما تہذیب اور ایسی نازیبا روش والے حضرات۔ اور شریعت نبویہ اور احکام الٰہیہ کی احیا اور حمایت کا دعوے کریں۔ اور دنیا کے غافل اور بے بصیرت لوگ اُسے آمنا و صدقنا کہکر قبول و منظور کرلیں۔ اُنکی حمایت اور حفاظت کے ظاہری دعووں کے ساتھ شریعت اور دینیات کی خود اپنے ہاتھوں سے یہ ذلت اور یہ حقارت کہ منبر وعظ مجلس ہدایت وارشاد کے مبارک مقاموں سے اُٹھاکر اُنکا ذکر شاہدان پری پیکر کے نجس اور ناپاک خواب گاہوں میں کیا جانے لگا۔ اور معاذ اللہ۔ نصوص الٰہیہ سے نفوس بہیمیہ کے اغراض و مطالب پورا کرنے کے لئے دلائل بیان ہونے لگے۔

آداب قرآنی کے متعلق یہ تو خلیفۂ عصر کی قدر دانی کی کیفیت تھی جو لکھی گئی۔ اسی سے اندازہ کرلینا چاہئے کہ اُسکے درباریوں کی معرفت اور قدر و وقعت کی کیا شان ہوگی۔ فضل ابن یحیٰی۔ جعفر ابن یحییٰ۔ ابراہیم ابن ہادی۔ اسحٰق ابن ابی عمارہ۔ غرض یہ جتنے امرا اور ارکین سلطنت تھے سب کے عیش و عشرت کا سچا فوٹو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اور اُن میں ہم اُنکے حد سے گذرے ہوئے مذاق۔ اپنے آپ سے گزرے ہوئے افعال۔ اُنکی حیوانی روش اور شیطانی حرکات اور حد درجہ مبتذل اطوار کا۔ ان واقعات میں صحیح صحیح مشاہدہ کررہے ہیں۔ جن کا لکھنا اور درج کرنا مناسبت مقام کی ضرورت سے تو ضرور ضروری ہے۔ مگر ہماری موجودہ تہذیب کبھی اُن بازاری اور مبتذل واقعات کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ جن لوگوں کو علم تاریخ کا صحیح مذاق حاصل ہے۔ وہ بغیر میری تحریک کے ہارون الرشید کے زمانہ میں ان واقعات کو کثرت سے پڑھ چکے ہونگے خصوصًا ابو نواس کے۔ جو سلطنت کا خاص ملک الشعرا تھا۔ کلام جو اس وقت تک تمام عالم میں ذائع اور شائع ہیں ان تمام واقعات اور حالات کے آئینہ ہیں۔ اُسنے اپنے اشعار میں انکی مفصل کیفیت لکھی ہے جس کے صلہ میں ہزاروں روپے انعام کے پاتا تھا۔ اُسکی نظم اگر خلیفہ کے عیش و عشرت کے تفصیلی دفتر ہوا کرتی تھی۔ شاہدان گلرخسار کے ساتھ جرأت کو ذکر وادکار

ہوا کرتے تھے وہ صبح کو ابو نواس سے نقل کئے جاتے تھے۔ اور وہ اُنہیں اس حسن بیانی اور خوش زبانی سے اشعار میں بیان کرتا تھا کہ سننے والے وجد کرنے لگتے تھے۔
ہارون کی تمام پری وش کنیزیں بڑی گانے والی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک حسینہ اپنے زمانہ کی بہت بڑی کامل مغنیہ اور مطربہ تھی۔ ہارون خود بھی گانے کا بڑا شائق تھا۔ اور اس فن میں اُسے کمال حاصل تھا۔ ابو اسحٰق جو ممالک عرب کا تانؔ سینؔ تھا۔ اور فن موسیقی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ خلافت کی طرف سے کنیزان شاہی کی تعلیم کے لئے خاص طور پر نوکر تھا۔ اور ان شاہدان پری پیکر کو موسیقی کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ جن لوگوں نے ہارون الرشید کی معاشرت کے حالات پڑھے ہیں وہ ان تمام واقعات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ صحیح طور پر سمجھ لینے کے لئے یہی کافی ہے کہ کتاب اغانی اُسی زمانہ کی تالیف ہے۔ اور اسکا مؤلف وہ ہے جو فن موسیقی میں تمام مطربان عرب اور نغمہ سرایان عجم کا اُستاد مانا گیا ہے۔ اس کے دربار میں علما و فضلا اور حکما بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر افسوس۔ وہ بھی زمانہ کے رنگ میں رنگے ہوئے۔ اور اُسی مذاق سے بھرے ہوئے۔ سلطنت کے محتاج اور خلافت کے دست نگر۔ اپنی آزادی اور خودداری کو سلطانی غلبہ اور آثار کے زیر اختیار بنائے ہوئے۔ اتنی مجال اور اتنی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ خلیفۂ عصر کے استمزاج اور استرضا کے خلاف اپنی طرف سے کسی مسئلہ پر آزادانہ حکم صادر فرمائیں یا بادشاہ وقت کی تجویز اور تدبیر کے خلاف کسی شرعی تنازع کے فیصلہ پر جرات کرسکیں۔ قاضی ابو یوسف۔ بغداد کے قاضی القضاۃ۔ دار الخلافت کے اس جلیل القدر منصب پر صرف ہارون کے موافق مزاج فتوے دینے کے صلہ میں مقرر کئے گئے۔ اس کی اصلی کیفیت یہ ہے۔
زہرۃ الربیع میں مولانا نعمت اللہ جزائری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف ابتدائے ایام میں نہایت تنگی اور عسرت سے بسر کرتے تھے اور ہمیشہ محتاج اور پریشان حال رہا کرتے تھے۔ اُن کے مکان کے پاس ایک یہودی کا مکان تھا۔ اُسنے چاہا کہ اپنے موجودہ مکان کی عمارت میں کچھ اضافہ کرے۔ ابو یوسف نے اُسے منع کیا۔ اور اُس نے استہزا اور تمسخر کے طور پر کہا کہ جب تم کو وہ دن نصیب ہونگے کہ تم بھی شاہی امرا کی طرح اپنے تخت رواں پر سوار ہو کر اس طرف سے نکلوگے اور میری عمارت کے موجودہ اضافہ کی وجہ سے تمہارے لئے راستہ تنگ ہو جائیگا تو میں اُس وقت اپنے اُس اضافہ کو ہٹا لونگا۔ ابو یوسف اپنی کمزوری اور مجبوری کے

باعث اس یہودی کے مطاعن کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ خاموش ہو رہے تھوڑے دنوں کے بعد ابو یوسف کا ستارہ ظلمت زوال سے نکل کر شرف اقبال پر آ گیا۔ اصلی حقیقت یوں ہے کہ زبیدہ کی خاص کنیزوں میں سے کسی ایک کنیز پر ہارون کی نیت بد ہوئی۔ اس نے اسے بلایا۔ پہلے تو اسنے زبیدہ کی خاص ملکیت کا عذر دکھلا کر انکار کیا۔ مگر پھر ہارون کے اصرار سے مجبور ہو کر وہ اس کے پاس آئی۔ مگر خدا جانے ہارون کو کیسی صلاحیت آ گئی کہ وہ اپنے ارادہ سے باز آیا۔ مگر ؎ حسن وہ ہے جو رہے سینکڑوں پردوں میں نہاں ؛ عشق وہ ہے جو کسی حال میں پنہاں نہ رہے۔ زبیدہ کو اسکی خبر مل ہی گئی۔ وہ نہایت برہم ہوئی۔ اور ہارون سے کہنے لگی۔ اسے بھی میرے پاس سے چلا جا۔ میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتی۔ ہارون کو بھی غصہ آ گیا۔ اور وہ بھی ضبط نہ کر سکا۔ اس کے خطاب کے جواب میں کہنے لگا کہ جا میں نے بھی تجھے آج سے طلاق دی غصہ کی سخت حالتوں میں جانبین سے تو یہ خطاب و عتاب ہو گئے۔ مگر تھے تو زبیدہ اور ہارون ہی حسب اتفاق رنجشوں کے پردے اٹھ گئے تو طرفین سے کوئی بھی ایک ساعت کی مفارقت کو گوارا نہ کر سکا۔ اور فوراً اپنی باہم یکجہتی اور اتفاق کی کوشش کرنے لگے۔ ہارون کو اتنی احتیاط شرعی کی کہاں پروا۔ مگر ہاں زبیدہ کو البتہ ہارون کی قسم شرعی اور مسئلہ طلاق کے اجرا کا خیال تھا۔ اور وہ تا وقت رجوع ہارون سے یکجائی پر راضی نہیں ہوتی تھی۔ ہارون نے اس ضرورت سے یا زبیدہ کے اصرار سے علما کی مجلس جمع کی اور اس میں یہ مسئلہ پیش کیا اور سارا قصہ بیان کر دیا۔ اس جلسہ میں ابو یوسف بھی تھے۔

خدا جانے وہ کیسے علماء تھے اور ان کی جامعیت کیسی تھی جو ہارون و زبیدہ کے اس معمولی مسئلہ کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور سب کے سب خاموش رہے۔ انکی خاموشی کا اصلی سبب وہی سلطانی رعب و داب تھا۔ اور وہ اس مسئلہ میں حکم شرعی لگانے سے پہلے اپنے قدیم دستور اور اپنے اختیار کردہ اصول کے مطابق بادشاہ کے استمزاج کا انتظار کرتے تھے۔ اور یہ چاہتے تھے کہ اس امر خاص میں بادشاہ کی طبیعت کا میلان جیسا پاویں ویسا جواب دیں وہ ابھی اسی شش و پنج میں خاموش تھے کہ ایکبار ابو یوسف نے اٹھکر عرض کی کہ ایہا الامیر! آپ کے اس مسئلہ کا جواب میرے پاس ہے۔ آپ یہ فرمائیں کہ آپ کی نیت اس کنیز کی طرف بد ہوئی تھی یا نہیں ہارون نے کہا البتہ۔ ابو یوسف نے پوچھا پھر آپ نے اپنے نفس کو اپنے فاسد ارادے سے باز رکھا یا نہیں ہارون بولا بیشک میں اپنے ارادہ سے باز رہا۔ تو پھر ابو یوسف

نے یہ سنکر کہا کہ پھر آپ جہنمی کیسے ہوئے؟ اسپر تو نص قرآنی واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔ یعنی جو شخص خدا کے عتاب کی وجہ سے اپنے نفس کو برائی سے بچائے بہشت بریں اُسکی منزل ہوگی۔ شاہد صادق ہے۔ اس حکم سے تو آپ بہشتی ہونے کے عوض بہشتی ثابت ہوئے۔ باقی رہا طلاق۔ جب آپ کی نسبت جہنمی کا غضب آمیز خطاب عائد ہوا تو پھر آپ کی طرف سے اجرائے طلاق کا عتابانہ حکم کب جائز ہوسکتا ہے۔ یہ طلاق کوئی چیز نہیں۔ اور زبیدہ کے ساتھ رجوع کی تکلیف ضروری نہیں۔ ہارون یہ جواب خاطر خواہ سنکر بہت خوش ہوا۔ اور اُسی وقت ابو یوسف کو اسّی ہزار دینار خزانہ سے انعام دلوائے اور دار الخلافت بغداد کا قاضی بنایا۔ اور حکم دیا کہ شاہی تخت رواں پر سوار کرکے ملازمین سرکاری ابو یوسف صاحب کو دربار سے گھر تک پہنچا دیں۔

حکم کی دیر تھی۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ شاہی توشک خانہ سے ایک نفیس اور پُر تکلف تخت رواں لایا گیا قاضی صاحب اُسپر سوار ہوئے۔ اور غلامان شاہی نے نہایت عزت و احترام سے اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر قاضی صاحب کو دربار سے گھر تک پہنچا دیا۔ جب قاضی صاحب کا تخت رواں اُس یہودی کی عمارت کے قریب پہنچا تو اتفاق سے وہ یہودی اُس وقت کھڑا تھا۔ قاضی صاحب نے اُسے دیکھکر کہا۔ بھائی! اب تو حسب الوعدہ اپنی تعمیر کے اضافہ کو ہٹا لو۔ یہودی اُنکا یہ عالم دیکھکر سناٹے میں آگیا۔ مگر تھا زبان کا پکّا۔ وعدے کا سچا۔ اُس نے اُسی وقت اپنے مکان کا وہ حصہ توڑ ڈالا جسے اُس نے بڑھا لیا تھا۔ زہرۃ الربیع مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۴۳

اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ ابو یوسف کو عروج و اقبال۔ شہرت اور شان و شوکت جو کچھ حاصل ہوئی وہ سب اسی کنیز والے مسئلہ کی بدولت تھی۔ قاضی صاحب جیسے نبّاض زمانہ نے اس مسئلہ پر جیسا کچھ حکم لگایا اُس سے ہارون کی رعایت۔ استمزاج اور استرضا کا پورا پتا ملتا ہے۔ اور وہی ہمارے بیان کی تصدیق کو کافی ہے۔ جب حدود الہی اور احکام حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سطوت سلطانی اور رعایت خسروانی اتنی حاوی ہوگئی ہو تو پھر وہ شریعت شریعت کہاں رہی۔ وہ بھی سیاست ملکی کا ایک جز سمجھی جائیگی۔ اس سے زیادہ نہیں۔

حقیقتاً تھا بھی یوں ہی۔ ہارون کے ایام سلطنت میں احکام شریعت بطور خود نظام حکومت کا ضمیمہ قرار پاگئے تھے۔ ہارون کی تنہا حکومت پر بھی موقوف نہیں۔ آیندہ حکومتوں میں بھی شریعت کی یہی حالت قائم رہی۔

بہر حال۔ ہارون الرشید کے دربار کا رنگ اور اُسکے ذاتی مذاق اور اندرونی اور بیرونی طور واطوار کافی طور پر لکھدئے گئے۔ جو ہماری موجودہ بحث کا اصل مدعا ثابت ہوتے ہیں۔ اپنی اس بحث کو اتنی طول وطویل تفصیل کے ساتھ لکھکر ہمکو کامل یقین ہے کہ ہماری کتاب کے ناظرین ہمارے اس تفصیلی مضامین کو دیکھکر ہارون کے ذاتی مشاغل اور میلان طبیعت سے خوب واقف ہوگئے ہونگے۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں شریعت اسلامی کے تمام دینی آثار خراب ومسمار ہوگئے تھے۔ اور اُن کی جگہ وہ اسباب جمع ہوگئے تھے جو کسی وقت میں اصلاح شرعیہ کے مطابق۔ بدعات اور فواحشات کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ ہر شخص ان قرینوں سے سمجھ سکتا ہے کہ جب ہارون الرشید بذات خاص اخلاق وآداب میں ذاتی طور پر اتنا کمزور ثابت ہوتا ہو تو اُسکے فرمانروائے ملکی ہونے کے اعتبار سے اُسکی ان ذاتی کمزوری۔ معائب اور مناقص کا کیسا زہریلا اثر ملک اور رعایا پر پڑتا ہوگا۔ اور جب وہ خلیفۂ عصر۔ امیر وقت اور بادشاہ زمن ہونے کی حیثیت میں ایسا خفیف الحرکات۔ ایسے مبتذل لہویات اور لغویات کا پابند ثابت ہوتا ہو تو پھر اُس کے دربار کے اراکین۔ امرا اور غریب رعایا کے روزمرّہ مشاغل کا کیا پوچھنا۔ ہم اتنا لکھکر اپنے موجودہ مضامین کو تمام کرتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ ہی صرف اُنکے مزید اطمینان کے لئے ہم پھر اپنے ناظرین کتاب کو یاد دلائے دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم کسی قدر تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں کہ بنی عباس میں سلطنت کے آتے ہی آپس کی تفریق اور نزاع شروع ہوگئی۔ اور اس سلسلہ کا ہر حکمران اور فرمانروا اپنے زمانہ میں حکومت وامارت کا فریفتہ اور والہ وشیدا ہوکر ایک دوسرے کی ہلاکت اور قتل وغارت کا درپے ہوجاتا تھا۔ ہم تو منصور سے لیکر ہارون تک سب کو اسی مرض میں مبتلا پاتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک اپنی ان خواہش اور تمناؤں کے پورا کرنے میں اپنے آپ کو ہر طرح سے بہت بڑا ظالم۔ بہت بڑا سنگدل اور بہت بڑا جابر ثابت کرتا ہے۔ جن لوگوں نے خلفائے عباسیہ کے حالات کو بالاستیعاب دیکھا ہے وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مسئلۂ ولیعہدی ہمیشہ فتنہ وفساد کا باعث بنا رہا ہے۔ اور کسی ولیعہد کا منصب۔ تعین کے تھوڑے روزوں کے بعد بغیر تغیّر اور تبدّل کے خالی نہیں رہا۔ ولیعہدی کا معاوضہ یا سزا۔ جو کچھ کہا جاوے۔ قتل وقید کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا تھا۔ اور ولیعہدی کی نوید کے ساتھ ہر ایک ولیعہد اپنے دل میں قتل وقید کے انجام آخر کو بھی اُسی وقت سوچ لیتا تھا۔ ہم اس سے قبل منصور کے وقت سے لیکر ہادی کے ایام حکومت تک ہر ایک ولیعہد کی سرگزشت لکھ چکے ہیں۔ ہادی

بھی ہارون کے ہٹا دینے اور مٹا دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ مگر مشیت تقدیر ہادی کی تدبیر کے خلاف واقع ہوئی تھی۔ اس لئے ہادی رشید کی ہلاکت کی فکروں میں ومن حفر بیر لاخیہ وقع فیہ "چاہ کندہ را چاہ در پیش" کا مصداق بنکر رشید سے پہلے مرگیا۔

بہر حال۔ ان قرائن سے ظاہر ہے کہ سلاطین عباسیہ اخلاق و آداب کے اوصاف سے بالکل خالی تھے۔ حرص دنیا اور طمع امارت اُن پر ایسی غالب تھی کہ اُسکے سامنے نہ اُنہیں اپنے کسی عزیز کی تمیز باقی تھی نہ کسی قریب کی رعایت اور مروت۔ خود غرضی۔ حصول دولت اُسکا شعار تھا۔ بدعہدی پیماں شکنی اور بیوفائی اُنکی معیار۔ عدالت اور راست بازی سے نہ سروکار نہ علاقہ۔ رعایت عہد دہی اور عفو جرائم سے نہ ضرورت تھی نہ واسطہ۔ غرضکہ زمانہ کا زمانہ اور دنیا کی دنیا اسی روش اور اسی انداز کی خوگر اور عادی ہو رہی تھی۔ تو پھر ہارون رشید کے اس انتظام کے قائم اور مستقل رہنے کی کیا امید ہوسکتی تھی۔ جو اُس نے اپنے غایت درجہ کے حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے بیٹوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کی غرض سے تنصیف ممالک کی عملی صورت میں نافذ فرمائی تھی۔

امین و مامون کی نزاع کی ابتدا

یہاں تک ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ۱۹۶ھ تک امین و مامون اپنے معاہدہ پر قائم رہے اور جانبین سے خلوص و اتحاد کے مراسم برابر جاری رہے مگر ۱۹۵ھ ہجری میں امین نے اپنے کاتب اسمٰعیل ابن صبیح سے ایک دن خلوت میں اپنے اس راز دلی کو افشا کیا اور اپنا مقصود باطنی یوں ظاہر کیا کہ اُسکا قصد ہے کہ وہ مامون کو ہٹا کر اُس اطراف کی امارت بھی اپنے بیٹے موسےٰ ابن امین کو تفویض کردے۔

چنانچہ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل نے امین کو پہلے اس تجویز سے باز رکھنے کے لئے بہت کوشش کی اور ہرچند سمجھایا اور دکھلایا کہ جو کچھ ہارون رشید انتظام کرچکا ہے اُس سے کسی قسم کا انحراف شریعت اور سیاست دونوں کے خلاف ثابت ہوگا۔ اور اس سے سوائے ضرر کے کچھ امید نہیں۔ اس خیر خواہ کی یہی خواہانہ اور دوستانہ مشورت کے جواب میں ناعاقبت اندیش امین نے کہا کہ رشید کا حکم وحی متلو نہیں کہ اُسکی تعمیل مثل فرائض خلائق پر واجب ہو۔ عبدالملک ابن مروان جو تم سے ہم سے اچھا سیاست کا جاننے والا اور ملکی تدابیر کے موقع اور ضرورت کا پہچاننے والا تھا۔ اور خود بھی ایک مدت تک ممالک اسلامیہ پر نہایت شان و شوکت سے حکومت کرچکا ہے کہہ گیا ہے لا یجتمع فحلان فی جمۃ الا قتل احدھما یعنی ایک گلہ میں دو نر کبھی نہیں رہ سکتے تا وقتیکہ اُن میں سے ایک قتل نہ کرلیا جاوے۔

اسمٰعیل اُسکی آیندہ تنقید و تردید کو اپنی جانی اور مالی مضرت کا باعث سمجھا اور خاموش ہو گیا۔ مگر تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد کہا تو اتنا کہ بہتر۔ اگر آپ کی اس امر خاص میں یہی تجویز ہے تو آپ اپنے اس راز کو نہایت حزم و احتیاط سے اپنے آپ تک رکھیں۔ اور کسی سے صحبت و جلوت میں بھی اسکا ذکر اشارتاً و کنایتاً نہ فرمائیں۔ تاوقتیکہ مامون کو خط لکھکر بغداد میں اپنے پاس نہ بُلالیں۔ اور اس ترکیب سے اُسکا مُلک اُس سے خالی نہ کرالیں۔

مامون کی طلبی میں امین کا خط

امین نے اسمٰعیل کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور مامون کو اپنی طرف سے خط لکھا۔ جس کے مضامین میں اپنی طرف سے خلوص و اتحاد اور محبت و الفت کے ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور نظام ملکی کی چند شدید ضرورتیں دکھلا کر اُسکو لکھا کہ یہ امور بغیر تمہارے تشریف لائے انجام نہیں ہو سکتے۔ لہذا بغداد میں تمہارا آنا نہایت ضروری ہے۔

امین نے مامون کے نام یہ خط خلافت کے ایک جلیل القدر اور عظیم المراتب وفد کی معرفت اُسکے پاس بھیجا جس میں عباس ابن موسےٰ اور محمد ابن عیسےٰ اُس کے قریب تر عزیز بھی تھے۔ اور مزید احتیاط کی خیال سے صالح کو جو خلیفہ امین کا صاحب مصلےٰ کہلاتا تھا ہمراہ کر دیا۔

بہرحال۔ یہ سلطانی وفد خریطۂ شاہی لیکر بغداد سے مرو میں داخل ہوئی۔ اور امین کا دستخطی شقہ مامون کی خدمت میں پیش کیا۔ مامون نے خیال سے باہر اور اندازہ سے زائد وفد والوں کی خاطر و مدارت کی۔ جب بھائی کا خط پڑھا۔ اور اپنے ارکین دولت سے اس امر خاص میں مشورت لی تو اُسکے وزیر سلطنت فضل بن سہل ذو الریاستین نے کہا کہ مختصر تو یہ ہے کہ امین کی جانب سے تمہیں کبھی بھلائی کی کبھی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ مگر بایں ہمہ اُس کے ساتھ کوئی فوری اور ایکبارگی مخالفت اور مخاصمت بھی مصلحت کے صاف صاف خلاف ہے۔ مامون نے کہا کہ جب صورت حال یہ ہے تو پھر بغداد نہ جانے کے لئے کیا عذر کیا جاویگا۔ اور امین کے خط کا جواب کن لفظوں میں دیا جاویگا۔ فضل نے کہا کہ مجھے آج شب بھر کی مہلت دی جائے میں آج شب کو اس معاملہ پر غور کرونگا۔ جو کچھ ہو گا وہ صبح کو خدمت والا میں عرض کرونگا۔ مامون نے قبول کر لیا۔ وہ صحبت برخاست ہو گئی۔ اور تمام امرا اپنے اپنے مقام کو واپس گئے۔

جہاں تک تاریخوں سے تحقیق کیا گیا ہے یہ امر ثابت ہوا ہے کہ اُس زمانہ میں علم نجوم کا بہت بڑا چرچا تھا۔ اور بلاد شرقیہ کے لوگوں کا تو قریب قریب اعتقاد کامل اسی پر تھا۔ حیرت تو یہ تھی کہ

مغرب والے بھی جو احکام اسلام کے پورے طور سے مطیع و منقاد ہو چکے تھے اسکے اثر سے خالی نہیں تھے۔ اور اسلامی ممالک کے تمام امرا اور ارکین اگر اعتقاداً نہیں تو صرف تفنناً اسے ضرور حاصل کرتے تھے۔ فضل ابن سہل اس علم میں بہت بڑا کامل اور مشاق تھا۔ اُس نے دربار سے واپس آکر اس مسئلہ پر تمام طریقوں کو چھوڑ کر تنہا نجوم کے طریقہ سے غور کیا۔ اور امین و مامون کے زائچے ملا کر دونوں کے اقبال و ادبار کے موجودہ اور آیندہ احوال دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ مامون کا طالع بخت خانۂ شرف میں واقع ہے اور امین کا ستارۂ تقدیر زوال کے قریب پہنچنے والا ہے۔ اتنا معلوم کر کے فضل سو رہا۔ صبح کو علے الصباح دربار میں پہنچا اور مامون کو اس امر کی بشارت دی۔ مامون خود بھی نجوم کا عالم اور عامل تھا۔ وہ بھی فضل کے بیان پر پورا یقین لایا۔ اور اُسی وقت ذو الریاستین کو حکم دیا کہ دار الخلافت بغداد کے خط کا جواب فوراً مناسب الفاظ میں لکھکر بھیجدیا جاوے۔

امین کے خط کا جواب

فضل ابن سہل ذو الریاستین نے مامون کی طرف سے امین کے خط کے جواب میں یہ مضامین لکھے۔ اما بعد والد مرحوم نے مجھے اس ممالک کی حکومت اسی غرض سے عنایت فرمائی تھی کہ میں یہاں حکمران کی صورت و نشان میں قائم رہکر اُن مخالفین اسلام کا محافظ اور نگراں رہوں جو بلاد اسلامیہ پر تصرف کا ہمیشہ ارادہ کیا کرتے ہیں۔ اگر آپ کے حکم کے مطابق میں ان اطراف کو خالی چھوڑ کر آستان دولت کی حاضری کا قصد کروں تو مجھے کامل یقین ہے کہ وہ مخالف اور ملحد قومیں بلاد اسلامیہ پر ضرور تاخت کرینگی۔ اُنکی دست درازیوں سے جو نقصان عظیم طرفین کے ممالک محروسہ میں واقع ہوگا وہ پھر مشکل سے اصلاح پذیر ہو سکیگا۔ اور ان امور کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ یہ خط لکھکر تیار کیا گیا اور مامون نے اہل وفد سے ہر ایک کو اپنے عطایائے گرانمایہ دیکر سرتاپا مالامال کر دیا۔ الغرض یہ شاہی وفد تختگاہ مرو سے منزلیں طے کرتا ہوا دار الخلافت بغداد میں پہنچا۔ اور مامون کا جواب امین کے حوالہ کیا۔ امین بھی مامون کا جواب خشک پاکر اپنے دل میں سمجھ گیا کہ مامون ایسا سادہ لوح نہیں ہے جو تحریری حیلوں میں آکر اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالے۔

امین کی مشورت مامون کے آیندہ معاملات میں

اسکے بعد امین نے اپنے تمام امرا و ارکین سلطنت کو ایک بہت بڑے جلسہ میں جمع کیا۔ اُسوقت امین کا وزیر علی ابن عیسٰے ابن ہامان تھا جب اُسکے تمام بہی خواہ جمع ہو گئے تو اس معاملہ کی نسبت

اُن لوگوں سے مشورت طلب کی۔ جتنے امرا اور مقتدر لوگ اُس شاہی جلسہ میں بیٹھے تھے سب کے سب اُس ناعاقبت اندیش کی سو تدبیری کے آنے والے بڑے نتیجوں پر غور کر کے چُپ ہو گئے۔ اور اُن میں سے کوئی شخص ایک حرف بھی اپنی زبان سے نہ نکال سکا۔ مگر حازم ابن جزیمہ سے اپنی راست گفتاری اور حق گوئی کا زیادہ ضبط نہو سکا۔ اُس نے اُس بھرے مجمع میں امین کو مخاطب کر کے کہا کہ اے امیر آپ اپنے امرا کو غدر اور بغاوت کی تعلیم نہ دیں کہ وہ ایک نہ ایک دن آپکے ساتھ بھی بے وفائی پر آمادہ ہو جائینگے۔ اور نہ ان لوگوں کو بد عہدی اور نکث بیعت کا سبق دیا جاوے کہ سب سے پہلے وہ خلافت ہی سے اپنی اطاعت کے معاہدہ کو توڑ ڈالیں۔

حازم کی اس تقریر کے جواب میں امین نے کہا کہ تمہاری تجویز ہمارے وزیر الممالک علی ابن عیسےٰ کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ اُسکی دانست میں یہ امر مامون کی صلاح دولت کے لئے ہر طرح سے مفید اور مستحسن ہے کہ وہ ہمارے مطیع اور زیر فرمان رہکر اپنے ممالک کی حکومت کرے۔ کیونکہ مخالف اسلام قوموں کی بیرونی تاخت سے اُسکا ملک محفوظ رہیگا۔ اور کوئی صدمہ نہیں پہنچیگا۔ اور ان ضرورتوں میں ہم اُسکو کافی مدد پہنچایا کرینگے۔ اتنا بیان کر کے امین نے اپنی سلطانی کونسل برخاست کر دی۔

مامون کے ممالک پر امین کی تاخت

دوسرے دن امین نے اپنے بیٹے موسے کو اپنا ولیعہد بنایا جو نہایت کمسن تھا۔ اور اُسی وقت ساٹھ ہزار فوج جرار علی ابن عیسےٰ کی ماتحتی میں خراسان کی طرف روانہ کر دی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ جس شان وشوکت سے یہ لشکر خراسان کی طرف روانہ کیا گیا ایسا کوئی لشکر کسی بادشاہ کے وقت میں اس طرح آراستہ اور پیراستہ ہو کر کبھی نہیں بھیجا گیا تھا۔ ایک منجم نے اُسی وقت علی ابن عیسےٰ سے کہا کہ آپ اتنا توقف اور کریں کہ قمر نقطۂ شرف پر آلے۔ مگر علی ابن عیسےٰ نے کوئی خیال نہیں کیا اور جواب دیا کہ میں ان بے ضرورت احکام کو نہیں جانتا۔ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ یہی ہے کہ جسوقت جو مجھ سے لڑیگا میں اُسی وقت اُس سے مقابلہ کرونگا۔ عام اس سے کہ وہ وقت میرے لئے بقاعدۂ نجوم سزاوار ہو یا غیر سزاوار۔

امین و مامون کی فوجوں کا مقابلہ امین کی شکست

بہرحال۔ جب امین کے فرستادہ لشکر کی خبر مامون کو پہنچی تو اُس نے طاہر ابن الحسین ذوالیمینین کو صرف ایرانیوں کی چار ہزار فوج کے ہمراہ علی ابن عیسےٰ کے مقابلہ میں بھیجدیا۔ اور قبل اسکے کہ امین کی مرسلہ فوج حدود فارس میں پہنچے۔ مامون کا فرستادہ لشکر یلغار پر یلغار کرتا ہوا حدود عراق

میں جا دھمکا۔ اور علاقہ رے میں اپنے خیمے نصب کر دئے۔ ذوالیمینین نے نہایت ہوشیاری سے اکثر جاسوسوں کو حریف کے تفحص کی غرض سے ادھر اُدھر معیّن کر دیا۔ اس طرح اُس کو غنیم کی دمبدم خبر ملتی گئی۔ اور علی بن عیسےٰ اپنی فوج کی کثرت اور موجودہ غرور و نخوت کے باعث سے کوئی انتظام نہ کر سکا۔ اور بالکل غافل رہا۔ اور اپنی پرجوشیوں کے تقاضہ سے حدود فارس میں دھنستا چلا آیا۔ جب شہر رے سے بالکل اُسکے قریب پہنچ جانے کی خبر طاہر کو مل گئی تو وہ ایک بار شہر چھوڑ کر کھلے میدان میں نکل آیا۔ اور علی ابن عیسےٰ کی فوج کو ٹھیرنے اور دم لینے کی بھی مہلت نہ دی۔ اور فوراً اپنے ہمراہی لشکر کی صفیں تیار کر کے حملہ کا حکم دے ہی تو دیا۔ علی نے بھی کوئی عذر نہ کیا اور اپنی طرف سے اُس کے جواب دینے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ طاہر کے پہلے ہی حملہ میں بغداد کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ علی نے اپنی فوج کو بہت سنبھالا مگر وہ نہ سنبھلی۔ اسی دوا دوش اور جانکاہ کوشش میں اُسکا پیمانۂ عمر بھی لبریز ہو گیا۔ ایک تیر اُسکے وسط حلق پر ایسا بیٹھا کہ وہ ذرا بھی اُس کے ضبط کی تاب نہ لا سکا۔ اور فوراً گھوڑے سے زمین پر گر کر مر گیا۔ اُس کے گرتے ہی اُسکی تمام ہمراہی فوج چلتی ہوئی۔ اور طاہر ذوالیمینین کو پوری فتح نصیب ہوئی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جب یہ خبر وحشت اثر بغداد میں پہنچائی گئی تو امین اُس وقت اپنے قصر شاہی میں لب دریا تنہا بیٹھا ہوا مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا کہ ایک خادم خاص نے آ کر علی ابن عیسےٰ کے شکست کھانے اور قتل کئے جانے کی پوری کیفیت عرض کی۔ امین نے کہا۔ ارے نامعقول چپ رہ میرا غلام کوثر نامی دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے اور میں نے ابھی تک ایک مچھلی کا بھی شکار نہیں کیا ہے۔ سبحان اللہ! یہاں سلطنت کا شکار ہوا جاتا ہے۔ امین نے سلطنت کھو کر اگر ہزار مچھلیاں پائیں تو کیا۔

امین کا یہ جواب بالکل ویسا ہی ہے جیسا ہمارے ہندوستان کے رنگیلے بادشاہ محمد شاہ نے اپنے اُس ہرکارے کو دیا تھا جو نادر شاہ افشار کی قہار آمد کی خبر لایا تھا۔ ہمارا البیلا بادشاہ بھی اُس وقت مہتاب باغ میں۔ دریا تو نہیں۔ مگر حوض کے کنارے جلسے جمائے۔ رات کے وقت۔ چاندنی کے مزے لے رہا تھا کہ ہرکارے نے ملتان کے عامل کی اطلاعی عرضی پیش ہی تو کر دی۔ محمد شاہ نے اُسی وقت اُس عرضی کے دونوں گوشے تھامے اور حوض میں ڈبو کر جواب دیا تو یہ ہے کہ این دفتر بے معنی غرق مے ناب اولٰے۔

امین کی بار دیگر شکست

بہر حال۔ امین نے ہمت نہ ہاری۔ عبد الرحمٰن انباری کے ہمراہ تیس ہزار جرار فوج طاہر کے مقابلہ میں پھر روانہ کی۔ شہر ہمدان میں جانبین سے پھر مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ میں امین کی فوج پہلے سے بھی زیادہ بیکار ثابت ہوئی۔ عبد الرحمٰن کے ہمراہی لشکر نے طاہر ذو الیمینین کی صورت دیکھتے ہی بغیر ہتھیار اُٹھائے اور ہاتھ پاؤں ہلائے راہ گریز اختیار کی۔ اور ہمدان کے کھلے میدان سے ایسا نوک دُم بھاگے کہ پھر غنیم کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ عبد الرحمٰن جو اس بزدل فوج کا سپہ سالار تھا بالکل حیران رہگیا۔ اور جب اسکے بنائے کچھ نہ بنی تو غریب نے طاہر ذو الیمینین سے اپنی جان کی امان مانگی۔ طاہر نے اُسکی استدعا کو قبول کر کے اُس سے صلح کر لی۔

اب سنیئے کہ طاہر نے اپنی علوہمتی سے عبد الرحمٰن اور اُس کے ہمراہی رفقا کو امان دیدی۔ اور خود اپنے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ اس سفر میں عبد الرحمٰن بھی اُسکا شریک ہوا۔ مگر قاعدہ یہ تھا کہ عبد الرحمٰن اپنی باقیماندہ جمعیت کے ساتھ ہر منزل پر طاہر کی فوج سے ہٹکر ٹھیرتا تھا لیکن با ایں ہمہ آپس میں آمد و رفت اور خلوص و یکجہتی کے مراسم ظاہری طور پر جاری تھے۔

امین کی تیسری شکست

عبد الرحمٰن نے اپنی شامت اعمالی سے ایک دن سوچا کہ ہم دونوں اسی حالت میں بغداد پہنچینگے۔ امین ہم سے ہماری خدمات کے متعلق دریافت کریگا تو ہم اُسے کیا جواب دینگے۔ اس خیال نے عبد الرحمٰن کے دل میں پھر غدر و فساد کا پورا ارادہ پیدا کر دیا۔ دوسرے دن علے الصباح عین اس حالت میں کہ ابھی طاہر کے ہمراہی سپاہی اپنے بستر خواب سے اُٹھے تک نہیں تھے۔ اور جو لوگ سو کر اُٹھ بیٹھے بھی تھے وہ ہنوز اپنے حوائج ضروریہ سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے عبد الرحمٰن نے اپنی جمعیت کے ہمراہ طاہر کی فوج پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ طاہر اور اُسکے ہمراہی عبد الرحمٰن کی یہ بے وفائی اور بیحیائی دیکھکر حیرت میں آگئے۔ اُن غریبوں نے اپنی سپروں پر اُنکی تلواروں کو روکا اور جلدی جلدی اپنے ہاتھوں میں تلواریں سنبھال لیں۔ مگر اتنے ہی عرصہ میں اُنکے بہت سے آدمی مارے گئے۔ آخرکار جانبین سے پھر مقابلہ کی ٹھیر گئی۔ مگر اسکا نتیجہ پہلے ہی کے ایسا ہوا۔ عبد الرحمٰن کی فوج میں اتنا استقلال کہاں کہ وہ طاہر کی فوج سے سر بر ہو سکے۔ اور عبد الرحمٰن اور اُس کے مخصوصین اعوان و انصار سب کے سب مار ڈالے گئے۔

امین کی چوتھی شکست

جب عبد الرحمن کے متواتر شکست پانے کی خبر امین کو معلوم ہوئی تو اب اُسپر البتہ خوف وہراس کا عالم طاری ہوا۔ مگر اُسنے پھر اپنی قوت داری اور پاداری کو قائم رکھا۔ اور عبد الرحمن جرشی اور حسن ابن علی ابن عیسٰے کو ایک تازہ دم اور کثیر التعداد فوج کے ہمراہ طاہر کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ یہ لوگ بغداد سے چلکر شہر قرقاسین میں طاہر سے مقابل ہوئے۔ مگر یہاں بھی موجودہ عبد الرحمن کی وہی حالت ہوئی جو سابق عبد الرحمن کی۔ باوجود اس کثرت اور جمعیت کے ابکی بار بھی بغداد کی فوج بغیر لڑے میدان جنگ سے نکل بھاگی اور شہر حلوان میں پہنچی۔

ممالک مفتوحہ میں مامون کا انتظام

اتنا تو معلوم ہو چکا ہے کہ علاقہ رے سے لیکر حلوان تک امین کے ممالک خاص مامون نے فتح کر لئے اس لیئے اُس نے ہرثمہ ابن اعین کی ماتحتی میں تیس ہزار فوج جرار طاہر ذوالیمینین کی کمک میں مرو سے روانہ کی اور طاہر کو لکھا کہ تاوقتیکہ یہ سلطانی کمک تم سے نہ مل لے تم حلوان سے آگے نہ بڑھنا۔ اور جس قدر امین کے علاقے تمہارے قبضہ میں آچکے ہیں اُنپر مستحکم طور پر اپنا تسلط کر لینا۔ ان انتظامات کے بعد آگے بڑھنے کا قصد کرنا۔

طاہر نے مامون کے حکم کی پوری تعمیل کی۔ اور ان تمام علاقوں سے امین کے مقرر کردہ عاملوں کو اُٹھا کر انکی جگہ اپنے ملازم مقرر کر دئے۔ اور ہر طرح سے ان علاقوں میں اپنا قبضہ اور اپنا تسلط مستحکم کر دیا۔

دار الخلافت بغداد کے خاص فساد

یہ تو بیرونجات میں ہوتا رہا۔ دار الخلافت میں امین کو یہ واقعہ پیش آیا کہ جب اُسکی متواتر شکستوں کی خبر ملک میں شائع ہوئی تو بنی عباس نے جو بیٹے کی بیعت کے معاملہ سے خلاف ہو رہے تھے موقع پاکر بغداد کی رعایا کو امین کے متنزع کرنے پر اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ اور ایک دن بہت بڑا مجمع کر کے دربار شاہی میں گھس آئے۔ اور امین کو نا قابل سلطنت ٹھیرا کر امر خلافت سے منتزع کر دیا۔ یہ امور کچھ ایسی خاموشی اور رازداری سے کئے گئے کہ امین اور اُسکے ہواخواہان کو پہلے سے کچھ بھی خبر نہیں تھی۔

اب اس وقت دار الخلافت بغداد میں فرقہ بندی ہو گئی تھی اور عموماً دو قسم کے لوگ ہو گئے تھے۔ ایک تو اُسکے طرفدار تھے۔ دوسرے اُسکے خلاف۔ اس میں شک نہیں کہ امین کی متواتر شکستوں

کی وجہ سے اسکے طرفدار بالکل کمزور ہو رہے تھے اور اسکے تمام معاملات ابتر ہو رہے تھے۔ اتنے ہی دنوں میں امین کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ اُسکی تمام قوتیں ضعیف ہو گئیں۔ اپنی امارت و خلافت سے وہ معزول ہو گیا۔ اُسکے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ عیش و عشرت کے سارے سامان بھول گئے۔ اور کچھ اُسی کی ذات واحد تک موقوف نہیں۔ اُسکے بڑے بڑے ہوشیار اور تجربکار مدبرین اور موئیدین سراسیمگی کی سخت حالتوں میں گرفتار ہو گئے۔ اور خلافت کے جملہ کار و بار میں بنی عباس داخل ہو گئے۔ اور ممالک محروسہ کے جملہ اندرونی اور بیرونی معاملات پر بھی عباسیوں کا اختیار ہو گیا۔ نہ امین سے کچھ بنائے بنی اور نہ اُسکے ہواخواہوں اور جاں نثاروں کی کوئی تدبیر پیش چلی۔

آخرکار ایک ہفتہ کے بعد امین نے اپنے مخالف عزیزوں اور قرابتداروں کی خوشامدیں کیں۔ پیروں پر سر رکھے۔ بہت آرزو و منت کی۔ اپنی قدیم خطاؤں کا اقرار کیا۔ اور سابق جرائم کا اعتراف۔ اور پھر اپنی تمام فرو گذاشتوں کی اُن لوگوں سے معافی چاہی۔ تو ان لوگوں نے آخرکار اسکی استدعا پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ اُسکے دوسرے دن پھر بنی عباسیوں نے اتفاق کر کے امین کو بار دیگر خلیفہ تسلیم کر لیا۔ امین نے بھی اُن کو اپنے مراحم سلطانی اور مکارم خسروانی سے مستفید و مستفیض کرنے کے لئے پورا متوقع بنایا۔

اس واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ امین قبل اس کے کہ مامون کی فوج سے اپنے خاص دارالخلافت میں شکست کھائے اور ہزیمت اُٹھائے۔ اپنے اعوان و انصار اور رعایائے قرب و جوار کے ہاتھوں سے پوری شکست اُٹھا چکا تھا۔ یہانتک تو نوبت پہنچ گئی کہ آخرکار اُسکو تخت حکومت سے کنارہ کش کیا گیا۔ اور انکا قیدی، مجبور اور محصور بنکر زبیدہ کے گوشۂ محل میں مقید کیا گیا۔ اگرچہ بار دیگر پھر تھوڑے دنوں کے بعد وہ تخت حکومت پر اُسی طرح بٹھلا دیا گیا اور خلیفہ بحصر تسلیم کر لیا گیا مگر پھر اُسکی شاہی آب و تاب جاتی رہی۔ اور اُس کی امارت کی تمام شان و شوکت مٹ گئی۔ پہلے جس تخت شاہی پر وہ بٹھلایا گیا تھا وہ اُسے اُسکے باپ ہارون سے وراثت میں ملا تھا۔ اور باپ نے بیٹے کو اس تخت پر بٹھلایا تھا۔ دوسری بار اب جس مسند امارت پر اسنے جلوس کیا وہ اُسنے اپنے عزیزوں۔ قرابتمندوں اور ملکی رعایا سے بہزار منت و سماجت حاصل کیا تھا۔ اور اب رعایا نے انہیں بار دیگر اپنا بادشاہ بنایا تھا۔ امین کے خلاف کوشش کرنیوالوں میں ابراہیم ابن مہدی اور جعفر ابن مہدی سب سے پیش پیش تھے۔ اور انہیں دونوں بھائیوں نے امین کے متنزع کرنے پر تمام ملکی رعایا کو ابھارا

تھا۔ اور تمام بنی عباس کو اپنا ردیف بنایا تھا۔
المختصر ان واقعات سے اس زمانہ میں عباسیوں کی آزادی۔ خود مختاری اور مطلق العنانی کی پوری حالت معلوم ہو گئی۔ اسی سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت بغداد کے دربار میں نہ کوئی وزیر سلطنت تھا اور نہ مدار المہام حکومت۔ جو کچھ تھے وہ بنی عباس اور انکے ہمخیال رعایا۔ اور کوئی دوسرا نہیں۔ اسوقت ۱۹۸ھ ہجری میں دار السلطنت بغداد کی وہی کیفیت ہو رہی تھی جو ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی دار الحکومت دہلی کی حالت ہو رہی تھی۔ اگر وہاں بنی عباس حاوی تھے تو یہاں بنگش اور روہیلے مسلط تھے۔

طاہر ذوالیمینین کا بغداد میں داخلہ

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ طاہر ابن حسین ذوالیمینین اپنی منصور فوج کے ہمراہ پورے اطمینان اور کامل فراغت کے ساتھ عراق عرب میں مامون کی امارت کے خاطر خواہ انتظام کرتا ہوا۔ اور امین کے ملازموں کو برطرف کرتا ہوا دار الخلافت بغداد کی طرف بڑھتا ہوا چلا گیا۔ امین کی طرف سے متواتر کوششیں کی گئیں۔ مگر اُن کا تمام نتیجہ ناکامیابی نکلتا گیا۔ آخرکار طاہر کے لیئے رستہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی اور وہ اہواز۔ بصرہ اور تمام عراق کا بندوبست کرتا ہوا ۱۹۹ھ ہجری میں بغداد کے قریب پہنچ گیا۔ اور بیرون شہر قیام کرکے اُس نے ہرثمہ ابن امین اور زہیر ابن مسیب کو دار الخلافت کے محاصرہ کا حکم دیا۔ یہ دونوں جنگی افسر بغداد کے محاصرہ کے ضروری انتظام کرنے لگے۔ پھر تو نفت اور منجنیق کے ذریعہ سے دار الحکومت بغداد میں وہ قیامت برپا کی گئی کہ الامان والحفیظ۔
ان حالتوں کو دیکھکر امین کے اور بھی حواس جاتے رہے۔ اُس نے فوراً قلعہ کے دروازے بند کر لئے اور اپنے مخصوصین کے ہمراہ قلعۂ شاہی میں محصور ہو بیٹھا۔ طاہر کی فوج بھی قلعہ کے نیچے محاصرہ کئے پڑی رہی اور محاصرہ کے انتظام میں روز بروز ادر سختی سے کام لینے لگی۔ طاہر اپنی فوج متعینہ میں ہر روز اپنی لشکرگاہ سے جدید کمک کا اضافہ کرتا چلا گیا۔ امین کے بزدل اور ظاہر نما رفقا اور مخصوصین طاہر کی یہ آمادگی اور مستعدی دیکھکر سخت گھبرائے اور مضطرب الحال ہوئے۔ آخرکار اپنے جان و مال کے خوف سے طاہر کے پاس اپنے لئے عفو جرائم اور امان جان کی استدعا بھیجنے لگے۔ طاہر بھی مصلحت وقت سمجھکر اُن کی درخواستوں کو قبول کرتا گیا۔ اور ان لوگوں کو امان دیتا گیا۔ غرضکہ وہی چار روز میں اسکے سب ہی خواہ جو امین کے پسینہ پر اپنا خون گرا دینے کے لئے حتمی وعدہ کرتے تھے اور حلف شرعی اٹھا لیتے تھے اُسکو تنہا چھوڑ کر طاہر کے پاس آتے گئے اور اُس سے ملکر اُسکی اطاعت اور

خدمت اختیار کرتے گئے۔

امین کی ناعاقبت اندیشی اور سوء تدبیری نے اُسکو جن حالتوں تک پہنچا دیا تھا وہ اوپر کے حالات سے ظاہر ہے۔ قیامت یہ ہوئی کہ اُسنے اپنی بدعقلی سے جو کچھ اس وقت تک جمع کیا تھا اور جو کچھ اُسکے پاس دولت تھی وہ بھی کھو دی۔ اُسکی کیفیت یوں ہے کہ محاصرہ کے ایام میں جب اُس کو اپنی فوجی کمزوریوں کا پورا یقین ہو گیا۔ اور اسی کے ساتھ اپنے موجودہ احباب اور اعوان و انصار کی رفاقت اور اعانت کی طرف سے بھی قطعی یاس ہو گئی تو اُسنے شہر کے اوباش اور ذلیل قوموں کو جو عام طور سے قزاقی۔ سفاکی اور جرائم پیشگی کے عادی اور خوگر ہو رہے تھے اپنا معین اور مددگار بنایا۔ اور انہیں آوارہ لوگوں کو ملک کے بڑے بڑے منصب عطا کئے۔ اور جو کچھ از قسم نقد و جواہرات خزانۂ عامرہ میں اس وقت تک بچا ہوا تھا وہ اور اپنا تمام ذاتی اثاث البیت کوڑیوں کے مول نصف اور ربع قیمت پر بیچکر ان لوگوں کی نذر کر دیا۔

امین کی یہ مجنونانہ حرکت دیکھکر فضل ابن ربیع۔ اُسکی وزارت کے عہدہ سے ہٹ گیا۔ اب اُسوقت بغداد کے قلعہ شاہی میں سوائے ان اوباش اور جرائم پیشہ لوگوں کے اور کوئی صاحب وقار اور ذی آثار باقی نہیں تھا۔ امین نے فضل کی رہائی کے بعد اپنی برائے نام وزارت محمد ابن عثمان ابن نہیک کے حوالہ کی۔

اب ان اوباشوں کی کیفیت سنئے کہ انہوں نے ناعاقبت اندیش رئیس کی بدولت ایسی خودسری آزادی اور خودمختاری کی نعمت پاکر شہر اور قرب و جوار کے تمام مالدار رئیسوں اور تاجروں کو جی بھر بھر کر لوٹا۔ اور اُن کے تمام مال و متاع کو خراب و خستہ کیا۔ یہ بلانصیب ایسی پرآشوبی کی حالت میں کیا کریں۔ اُنکو بھی جب انکی دست برد سے فرصت ملی۔ وہ اپنا باقیماندہ مال و متاع لے دیگر شہر سے نکلے اور طاہر کے لشکر سے مل گئے۔ یہانتک کہ محمد ابن عثمان ابن نہیک موجودہ وزیر کی بھی یہی نوبت پہنچی اور آخرکار وہ بھی ان غوغائیوں کی لوٹ مار۔ نوچ کھسوٹ سے پریشان ہو کر طاہر کی لشکرگاہ میں چلا گیا۔ غرضکہ ان اوباشوں نے دارالخلافت بغداد میں ایسا فساد برپا کیا۔ اور چاروں طرف سے وہ مصیبتیں نازل کیں کہ اس سے قبل کسی بادشاہ کے وقت ایسے مصائب اور شدائد سے سامنا نہیں ہوا تھا۔

ہماری کتاب کے ناظرین کو دارالحکومت بغداد کے فتنہ و فساد اس وقت ہندوستان کی تاریخ میں بالکل اور بجنسہ ویسے ہی سمجھنے چاہئیں جیسے دارالسلطنت دہلی کی تباہی و بربادی کے حالات نادرشاہ کی

قتل عام کے وقت گزرے تھے۔ اور جس طرح محمد شاہ رنگیلے کی ناعاقبت اندیش تدبیریں اور اُسکی خاص ذاتی کمزوریاں۔ دہلی کے اوباش غوغائیوں کی کوئی تنبیہ نہ کرسکیں۔ جنہوں نے نوزبرد نادر کی نسبت بیجا اور خلاف شان افواہیں مشہور کرکے اُسکو دہلی کے غریب باشندوں کے قتل کئے جانے۔ لوٹ لئے جانے اور تباہ و برباد کئے جانے کے احکام صادر کرنے پر آمادہ کردیا۔ یا ۱۸۵۷ء عیسوی میں اودھ کے خاتم السلاطین مرحوم واجد علی شاہ کے کلکتہ چلے جانے کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ بھی بغداد کے موجودہ فتنہ وفساد سے قدرتی مشابہت رکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں بھی اسی طرح دو چار ناعاقبت اندیش امرائے شہر کے اوباش اور ذلیل قوموں کو اپنی سازش میں لاکر اور مرزا برجیس قدر بہادر کو تخت سلطنت پر بٹھلاکر گورنمنٹ انگلشیہ سے ملک واپس لینے کی کوششوں میں ایسی ہی شورشیں اور ہنگامے برپا کئے تھے۔ جس کے باعث سے لکھنؤ ایسا تباہ و برباد ہوا کہ پھر نہ آباد ہوا۔ اور اُس کے ہزاروں ذی اقتدار اور صاحب عزّ و وقار خاندان ایسے مٹ گئے کہ آج مشکل سے دنیا میں اُنکا نام و نشان پایا جاتا ہے۔ ہماری کتاب کے ناظرین کو یہی دو مثالیں مدنظر رکھکر خلافت بغداد کے فتنہ وفساد کی مصیبت ناک حالتوں کا اندازہ کرلینا چاہیئے۔ ۲۴

ہرثمہ کے ذریعہ سے امین کا امان طلب ہونا

جب امین کا ان اوباشوں سے بھی کوئی کام نہیں نکلا اور اُسکو اپنے تمام امور سے مایوسی ہوگئی تو اُسنے اپنے چند مخصوصین کے ہمراہ ہرثمہ ابن امین کے پاس جسے وہ اپنے قدیم مراسم خلوص واتحاد کی وجہ سے اپنا ہمدرد اور دلسوز سمجھتا تھا۔ یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم میرے جان و مال اور اہل وعیال کی حفاظت کی ضمانت کردو تو میں کاروبار سلطنت سے مستعفی اور دست بردار ہوکر مامون کی بیعت پر آمادہ اور مستعد ہوں۔ ہرثمہ نے اسکا پیام سنکر نہایت افسوس کیا اور کہا کہ اب تو اس کا وقت بھی باقی نرہا۔ امین کے لئے وہ تنگ اور تاریک زمانہ آلگا کہ اُسکی موجودہ خرابیوں کی کوئی اصلاح ممکن نہیں رہی۔ مگر میں تاہم اُسکے لئے یہ تدبیر مفید اور ضروری سمجھتا ہوں کہ آج رات کو وہ میرے پاس چھپکر چلے آویں۔ میں اُنہیں اپنے رئیس افواج طاہر ابن الحسین ذوالیمینین کے پاس لیجاکر کہہ سُن دوں۔ پھر وہ ہم دونوں ملکر ایک قاصد تیز رفتار کی معرفت امین کے حالات کو مامون کے پاس لکھ بھیجیں اور پھر بطور خود بھی اُس کے معافی جرائم اور امان جان کے شرائط اور معاہدہ مستحکم کردیں۔ اس طریقہ کے سوا کوئی دوسری سبیل اُسکے لئے بہتر اور مفید نہیں معلوم ہوتی

امین کے لئے اس سے بُرے دن اور کیا آئینگے اور اس سے بڑھکر اُسکی بد قسمتی اور نحوست کے اور کیا ایام ہونگے۔ اُسکی ایسی عاجزانہ اور مجبورانہ استدعا۔ اور ہرثمہ کا ایسا موہوم۔ طول و طویل اور مشروط جواب۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔ مگر امین اس وقت چاروں طرف سے ایسا ہی مایوس اور مجبور ہورہا تھا کہ اُسکو سوائے منظور کرنے کے اور کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑی اور اُسی کے ناعاقبت اندیش افعال واعمال نے دنیا کو جن خرابیوں اور تباہیوں کی خبر پہلے ہی سے دی تھی وہ ایک ایک کرکے اُسکی آنکھوں کے سامنے پیش آتی گئیں۔ ابھی کئے دن ہوئے تھے کہ وہ اپنے شاہی محلوں میں جنہیں وہ ہزاروں حسرت اور افسوس کے ساتھ اس وقت رخصت کر رہا ہے۔ بیٹھا ہوا۔ مامون سے انتزاع سلطنت کرنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ اور احکام پر احکام۔ فرمان پر فرمان جاری کر رہا تھا۔ اور آج یہ نوبت پہنچی کہ خاص مامون کی خدمت میں بھی نہیں۔ اُسکے معمولی اور عام ماتحتین اور ملازمین کے پاس انہیں مقامات سے اپنے قصوروں کی معافی اور اپنی جان کی امان کے لئے درخواستیں لکھ رہا ہے اور استدعا کر رہا ہے۔ اور پھر علانیہ طور پر بھی نہیں۔ چھپکر اور پوشیدہ ہوکر۔ دن کو بھی نہیں۔ رات کو ہزار ذلت اور ہزار شرم کے ساتھ۔ امان مانگنے اور جان کی پناہ چاہنے کی غرض سے آپ اور اپنے اہل وعیال کو لئے چلا جاتا ہے۔ یہی نیرنگ روزگار ہیں اور یہی نظام مشیت کے کاروبار تعز من تشاء وتذل من تشاء۔

امین کا قتل

بہرحال کیفیت یہ ہے کہ ہرثمہ ابن امین کی صلاح پر اعتبار کرکے امین آدھی رات گئے اپنے اہل و عیال کو جمع کرکے ایک کشتی پر سوار ہوا اور اپنے محلات شاہی اور تمامی اسباب راحت وآرام کو الوداع والفراق کہتا ہوا مامون کے کیمپ کی طرف روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں طاہر ابن الحسین ذوالیمینین کو ہرثمہ والے مشورے کی پوری خبر مل گئی اور وہ اسکی اطلاع پاتے ہی تھوڑی سی فوج کے ساتھ امین کی راہ روکنے کے لئے دریا میں آکر پہلے ہی سے سدراہ ہوگیا تھا۔ امین کی کشتی جوں ہی قریب آئی اُسنے دفعتاً اپنے ہمراہیوں سے اُسپر حملہ کر دیا۔ سپاہیوں نے امین کو گرفتار کرکے اُسی وقت طاہر کے پاس پہنچایا۔ اور اُسنے فوراً اُسکا سر اُتروا لیا۔ اور بہت بڑی طول وطویل اور پرتفصیل تہنیت نامہ کے ساتھ مامون کی خدمت میں بھیجدیا۔ یہ واقعہ ۲ محرم ۱۹۹ھ ہجری میں واقع ہوا۔ امین کی عمر اس وقت اٹھائیس برس کی تھی۔ اُسکی مدت سلطنت

ساڑھے چار سال تک رہی۔ امین بہت خوبصورت۔ دراز قد اور گندم گوں جوان رعنا تھا۔ وہ بہت بڑا عیاش۔ آوارہ مزاج اور عیش پرست تھا۔ انواع اقسام کے لہو ولعب میں مصروف رہتا تھا۔ اور ہر وقت شراب میں ڈوبا رہتا تھا۔ مُلکی کاروبار بالکل وزراء اور امراء پر چھوڑ رکھے تھے۔ اور بذات خود ان امور کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتا تھا۔

اسکی سوء تدبیری اور تلوّن مزاجی اسی سے ظاہر ہے کہ اُسنے اپنی کل چار سالہ حکومت میں چار پانچ وزیر ایک کے بعد ایک بدلے۔ اور کبھی اُن میں سے کسی کو اپنی تجویز اور پسند کے مطابق نہ پایا۔ اُسکی ابتدائی حکومت میں تھوڑے دنوں تک محمد ابن عبداللہ وزیر رہا۔ اُس کے بعد علی ابن عیسےٰ کو وزارت ملی علی کے بعد فضل ابن ربیع کو یہ عہدۂ جلیلہ سپرد کیا گیا۔ فضل کے بعد محمد ابن عثمان کے سر پر وزارت کی فضیلت کی پگڑی باندھی گئی۔ بہر حال یہ تھے اُسکی زبوں افعالی اور شامت اعمالی کے بُرے نتیجے۔ جو اُسکی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوئے۔ اور تمام دنیا نے انہیں سخت عبرت اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور اہل دنیا کی تعلیم و تنبیہ کے لئے پورا سبق مل گیا۔ جو آجتک دنیا کے کارناموں میں محفوظ ہے

مامون الرشید کی سلطنت

تاریخ طبری اور روضۃ الصفا کے اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ امین نے کچھ اپنے بیٹے موسےٰ کو ولیعہد بنانے کی صرف اپنی خواہش ہی ظاہر نہیں کی تھی بلکہ اپنے تمام قلمرو سے اُس کی بیعت لے لی تھی۔ امین کی اس بد عہدی اور بیمروتی کے خلاف مامون کی صفائی قلب اور اُسکی نیت کی خوبی کے حالات یہاں تک پائے جاتے ہیں کہ اُس نے ہارون کی وفات کے بعد اگرچہ باپ کے عہدنامہ کے مطابق اگرچہ وہ ان ممالک کا فرمانروائے مستقل قرار پا چکا تھا۔ مگر تاہم اُس نے اپنی سلطنت اور اپنے تمام قلمرو میں امین کی بیعت کا اقرار لیا اور خود بھی اُسی کی بیعت کی۔ دو تین برس تک جب تک امین کی طرف سے موسےٰ کی بیعت کی عملی کارروائیاں نہ شروع ہولیں وہ اپنے قول و قرار اور عہد و میثاق پر برابر قائم اور مستحکم رہا۔ مگر جب امین کی طرف سے خلاف عہدی پورے طور سے ظاہر کی گئی تو وہ بھی اپنی حفظ مراتب اور استحفاظ حقوق کی کوششوں میں مجبور ہو گیا۔

بہر حال جب ان تمام امور سے مامون کی دلجمعی ہو گئی اور طاہر ابن حسین نے امین کا سر کاٹ کر اُس کے پاس تہنیت کے ساتھ بھیجدیا تو اُس نے بھائی کے افسوسناک معاملات پر اپنی طرف سے کوئی اظہار مسرت نہیں کیا۔ بلکہ اُس کے حسرتناک واقعات کو سخت عبرت اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور اُن خلاف کارروائیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جو غیظ و غضب اور معاوضہ و

انتقام کی حالتوں میں انسان پر خاصکر طاری ہوا کرتی ہے۔ ہاں۔ مامون نے یہ البتہ کیا کہ امین کے قتل کے بعد اپنے تمام ممالک محروسہ سے اپنی تجدید بیعت کرالی۔ اور فوراً دونوں ممالک کے ملکی انتظام کی طرف نہایت بیدار مغزی اور ہوشیاری سے توجہ کی۔ اور ممالک عراق۔ اہواز اور یمن کی امارت حسن ابن سہل کو عنایت کی اور طاہر ابن الحسین کو کوفہ۔ شام۔ دیار مغرب اور الجزائر کی حکومت تفویض فرمائی۔ اور بغداد کے معاملات کے بعد اُسکو نصر خارجی کے مہمات پر تعینات کیا۔

حسن ابن سہل کی امارت بغداد

تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ امین کے مارے جانے سے مامون کے تمام معاملات یکسو ہو گئے تھے مگر تاہم اُسکے ابتدائے ایام سلطنت میں پورا تسلط اور خاطر خواہ اطمینان حاصل نہیں تھا۔ اور اُسکی وجہ یہ تھی کہ ملک کے اندرونی حصّوں میں عموماً فساد پھیلا ہوا تھا۔ اور دار الخلافت بغداد تو بطور خاص کئی مہینے پیشتر سے دار الحرب بنا ہوا تھا۔ تو ایسی حالت میں مامون کا ابتدائی زمانہ کبھی امن و امان کا زمانہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

ان تمام خرابیوں کی وجہ طبری کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ مامون نے اپنی نہایت درجہ کی احتیاط کو مد نظر رکھکر طاہر ذوالیمینین فاتح بغداد کو بغداد کی امارت نہیں دی بلکہ اُسکی جگہ امارت بغداد کا منصب حسن ابن سہل کو عطا کیا۔ اس انتظام کا ہونا تھا کہ حجاز۔ عراق اور یمن میں یہ برسوں کا راز کھل گیا۔ اور یہ ہر شخص یقینی طور پر جان گیا کہ مامون بذات خاص اپنے کسی ملکی کاروبار کا مختار نہیں ہے۔ بلکہ فضل ابن سہل ذوالریاستین جو اُسکا مدار المہام اور وزیر سلطنت ہے خاص طور پر اُسکے تمام امور میں دخیل اور متصرف ہے۔ جو وہ چاہتا ہے کرلیتا ہے۔ اور مامون کو اُس سے سرمو انحراف واختلاف کرنے کی قدرت نہیں تھی۔ اس خبر میں حقیقت حال کا بہانتک اضافہ کیا گیا کہ فضل ابن سہل نے مامون کو ایک گوشہ محل میں چھپا رکھا ہے اور کسی کے سامنے نہ اُسکو آنے دیتا ہے اور نہ کسی کو اُسکے سامنے جانے دیتا ہے۔ اور اس خلوت میں جس طرح کے کام وہ چاہتا ہے کرالیتا ہے۔ اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ ممالک حجاز و عراق میں ایک عام شورش اور مخالفت پھیل گئی۔ اور ہر شخص وزیر اور بادشاہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ اس عام ہیجان اور عام آشوب میں کچھ بنی ہاشم تنہا شریک نہیں تھے بلکہ تمام عرب کے ذی اقتدار رئیس اور ذی اثر امرا جو بنی عباس کے زیادہ تر بہی خواہ تھے اور یہ وہی لوگ تھے

جو آخر وقت میں فوج کے لوگوں کو اپنی سازش میں لاکر امین کے ساتھ اس بدسلوکی اور بیدردی سے پیش آئے تھے۔ اور مامون کی کامیابی سے پہلے اسکو خلافت و امارت سے علیحدہ کر چکے تھے۔ جیساکہ ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ان لوگوں نے آخرکار بیک زبان اور بیک لفظ متفق ہوکر کہا کہ ایسے امور کی موجودگی میں مامون کی ایسی ضعیف اور بزدل فرمانروا کے مطیع و منقاد رہنا اور اُسکی رعایا بننا ہماری سخت ذلت اور بدنامی کا باعث ہے۔ اس لئے ان لوگوں نے حسن ابن سہل موجودہ امیر بغداد کی امارت سے قطعی انکار کیا۔ اور علانیہ طور پر خلافت کی خلاف ہوگئے

ابو السرایا اور اُسکی مخالفت

ابو السرایا کُنیت ہے۔ سری ابن منصور شیبانی نام ہے۔ یہ شخص ہرثمہ کی فوج میں ایک افسر تھا طاہر ذوالیمینین ایک ایسا لائق اور ہردل عزیز افسر تھا کہ اُسکے تمام ماتحتین اُس سے راضی اور خوشنود رہتے تھے حسن ابن سہل اُس کی جگہ امیر بغداد ہوکر آیا۔ تو اُسکا مزاج طاہر کے خلاف ظاہر ہوا۔ اور اُسکی تنگدلی اور بیراہ میں کفایت اور جزرسی فوج کے افسروں کی عام ناراضی کا باعث ثابت ہوئی۔ اسی امر میں ہرثمہ ابن امین اور حسن سے اَن بن ہوگئی اور وہ اپنی خدمات سے دست بردار اور بے سروکار ہوکر علیحدہ ہوگیا۔ ابو السرایا تو اُسکے ہمراہیوں میں تھا۔ وہ بھی ہرثمہ کی طرح جُدا تو ضرور ہوگیا مگر اُسنے اس کی طرح گھر بیٹھنا پسند نہ کیا بلکہ وہ اپنی موجودہ جماعت کے ہمراہ کوفہ کی طرف چلا گیا۔ اور یہاں پہنچکر اسنے کوفہ والوں کو اپنی سازش میں لے لیا اور محمد ابن ابراہیم العلوی المعروف با بن طباطباء سے بیعت کرکے عراق میں سادات کی حکومت کا رنگ جمایا۔

محمد ابن ابراہیم العلوی کی کوفہ میں امارت

سنہ ۱۹۹ ہجری کے اوسط میں محمد ابن ابراہیم کے معاملات پیش آئے۔ ابو السرایا فوج کے وظیفے نہ ملنے کی وجہ سے حسن سے ناراض ہوکر کوفہ پہنچا تو اسنے یہاں کے بھی رنگ بیرنگ اور طور بے طور دیکھے۔ تھا تو سپاہی ایسے موقع کا خوب پہچاننے والا۔ اسنے یہاں کی رعایا کا استمزاج لیکر محمد کی بیعت کرلی جو اس وقت کوفہ میں مقیم تھے۔ اور انکی امارت کا سامان کرنے لگا۔ ابو السرایا کے ہوشیار اور لائق کار ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔ اس لئے تھوڑے ہی دنوں میں خاص کوفہ کے شہر اور اُسکے قریب قریب کے قبیلوں میں محمد کی امارت کا انتظام درست کرلیا حسن ابن سہل کو اسکی خبر لگی تو اُسنے زہیر ابن مسیب کو اُسکی مہم پر تعینات کیا اور وہ دس ہزار فوج لیکر کوفہ پہنچا۔ ابو السرایا بھی نہایت دلیری سے اپنی موجودہ جمعیت اور اہل شہر کے ساتھ زہیر ابن مسیب کے مقابلہ کو نکل پڑا۔ علامہ ابو الفرج اصفہانی

نے اس واقعہ کی پوری کیفیت لکھی ہے جسکا خلاصہ ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔
حسن ابن سہل نے زہیر ابن مسیّب کو بغداد سے چلتے وقت یہ حکم دیا تھا کہ یہاں سے یاگیں اُٹھائی ہوئی وسط شہر میں پہنچکر دم لینا۔ اور راہ میں کہیں نہ ٹھیرنا۔ اس لئے زہیر ابن مسیّب بڑے جوش و خروش میں جا رہا تھا۔ راہ میں حسن کے پیاپے اور متواتر احکام اُسکو پہنچتے تھے کہ خبردار شہر کوفہ میں پہنچنے سے پہلے کہیں نہ ٹھیرنا لیکن ابو السرایا کی فوج نے اُسکو راستہ ہی میں روکا۔ شام ہو گئی تھی اس لئے دونوں لشکر ایک مقام پر آمنے سامنے اُترے۔ اور کثرت برودت و برف باری سے ساری رات آگ روشن کرکے تاپ تاپ کر بسر کی۔ ابو السرایا تمام رات اپنے لشکر کو یادِ خدا۔ توبہ و انابت کی تاکید کرتا رہا۔ مگر بغدادی لشکر بادۂ نخوت میں چور چلا چلا کر کہتے تھے کہ اے اہل کوفہ اپنی بہنوں بیٹیوں کو بناؤ سنگار کرکے آراستہ کر رکھو کہ کل صبح ہم اُن کے ساتھ ہمکنار ہونگے۔
صبح ہوتے ہی فریقین میدان جنگ میں آئے۔ اور آتے ہی ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوگئے اسی کشمکش اور دار و گیر میں ابو السرایا اپنے غلام یسار نامی کے ساتھ ایک دستہ فوج ہمراہ لیکر زہیر کی فوج میں دھنس پڑا۔ جدھر جاتا تھا پرے کے پرے اور رسالے کے رسالے کا ستھراؤ کر دیتا تھا اور کشتوں کے پُشتے لگا دیتا تھا۔ اسی ہنگامے میں ابو السرایا نے فوج بغداد کے علمدار لشکر کو مار گرایا۔ اسکے مرتے ہی عباسی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ ابو السرایا کی فاتح فوج اپنے ہزیمت یافتہ غنیم کو میدان جنگ سے دباتی ہوئی دور تک لے گئی۔ فتحمند سردار فوج کی طرف سے عام منادی ہو گئی تھی کہ جو گھوڑے پر سے اُتر پڑے وہ امان میں ہے۔ اس لئے عباسی سپاہی سوار سے پیادہ ہو کر اپنی جان بچاتے اور ابو السرایا کے سپاہی اُنکے کوتل مرکبوں پر سوار ہو کر پھر اُن کا تعاقب کرتے تھے۔ اس ہل چل میں ابو السرایا زہیر کے بالکل نزدیک جا پہنچا تو اُس نے بصد منت و سماجت اُسکو آیندہ تعاقب سے کہہ سنکر باز رکھا۔ اس عالی حوصلہ نے بھی باگ موڑ لی واپسی میں اسکا گزر عباسیوں کی فرودگاہ کے اُس حصہ پر ہوا جہاں مطبخ تھا۔ یہاں پہنچکر دیکھا تو چولہوں پر کھانے کی دیگیں اور پتیلے تیار تھے۔ کیونکہ زہیر نے قسم کھائی تھی کہ آج کا کھانا مسجد کوفہ میں بیٹھکر کھائینگے۔ ابو السرایا کے ہمراہی ٹوٹ پڑے اور بھوک میں مزے لے لیکر وہ تمام کھانے نوش جان کر گئے۔ اس کے علاوہ بہت سامال غنیمت بھی ان لوگوں کو ہاتھ لگا۔ جس سے انکی قوت اور بڑھ گئی۔
زہیر بجائے اسکے کہ مسجد کوفہ میں داخل ہو کر اپنی قسم پوری کرے سیدھا بغداد کو چلتا ہوا۔

اور وہاں پہنچکر مارے شرم کے روپوش ہوگیا۔حسن یہ خبر پاکر سخت طیش میں آیا اور اُسکو اپنے پاس بُلاکر غصّہ کی عین حالت میں ایک عصائے آہنی سے اُسکے مُنہ پر ایسی سخت ضرب لگائی کہ اُس بیچارے کی ایک آنکھ بالکل بیکار ہوگئی۔ وہ تو اُسے یکدم قتل کرنا چاہتا تھا مگر لوگوں کے کہنے سننے سے اُسکی کسی نہ کسی طرح جان بخشی کردی گئی۔

یہ تو ادھر کی حالت تھی۔ اُدھر کی یہ کیفیت ہوئی کہ ابوالسرایا مظفر و منصور اموال غنیمت سے لدا پھندا عباسیوں کے بہت سے سر نیزوں پر رکھے بڑی شان و شوکت سے شہر میں داخل ہوا۔ اُسنے شہر کوفہ میں داخل ہوتے ہی فضل ابن عباس عباسی کو کہ کوفہ کا حاکم تھا پیغام دیا کہ یا تو ہماری بیعت قبول کرو یا لڑائی کے لیے تیار رہو۔ فضل میں تاب مقابلہ بھی نہ تھی ناچار اپنے ہمراہیوں سمیت شہر سے نکل کر بیرون شہر ایک قصر میں متحصّن ہوا۔ ابوالسرایا نے وہاں پہنچکر اُس کے بہت سے ہمراہیوں کو تہ تیغ کیا۔ باقی سب لوگ فضل کے ہمراہ بغداد بھاگ گئے۔ ابوالسرایا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قصرِ ہبیرہ میں داخل ہوا۔ اور فضل عباسی کے بیش بہا اور انمول مال و متاع کو جی بھر بھر کر لوٹا۔ اور فتحیاب ہوکر پھر کوفہ میں واپس آیا۔

ابوالسرایا کی دوسری لڑائی

جب حسن ابن سہل کو زہیر کے معاملات کی خبر ملی اور فضل ابن عباس کی سرگزشت بھی اُس کو معلوم ہوئی تو اُس نے عبدوس ابن عبدالصمد کو پہلے سے بھی زیادہ ساز و سامان دیکر ابوالسرایا کی مہم پر مقرر کیا۔ ہزیمت یافتہ لشکر کے ماورا ہزار سوار اور تین ہزار پیادے تازہ دم اُسکے ہمراہ کیے۔

عبدوس بڑے کر و فر سے نکلا اور راستہ بھر میں بار بار قسمیں کھا کھا کر کہتا تھا کہ میں بازار کوفہ میں قتل عام کرونگا۔ مخالف کے ہمراہیوں کو تہ تیغ کرونگا۔ اُن کے بال بچّے اسیر کرکے بغداد میں بھیجدیے جائینگے۔ مگر غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ عبدوس خود اس جنگ میں مارا گیا۔ ابوالسرایا اور اُس کے دو غلام یسار اور ابوالترابس اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تین طرف سے اُسکے لشکر کو گھیر لیا۔ اور اسقدر اُنکو تنگ کیا کہ اُن میں سے کثیر التعداد لوگ تو دریائے فرات میں گر کر غرق ہوگئے۔

ابوالسرایا نے اپنی شجاعت و دلیری کے اظہار میں اپنے سر سے اپنا خود اُٹھالیا تھا اور چلا چلا کر

باآواز بلند کہتا تھا کہ میں ہوں ابوالسرایا نیستان بنی شیبان کا شیر۔ یہ کہکر اُسنے ایکبار ایسا سنگین حملہ کیا کہ عبدوس کے لشکر میں تاب قرار باقی نہ رہی۔ سب نے پیٹھ پھیر دی۔ عبدوس بھی انہیں بھاگنے والوں کے ساتھ بھاگا۔ ابوالسرایا نے پہنچکر عبدوس کے سر پر ایسی تلوار لگائی کہ وہ خود واستخوان کاٹ کر مغز تک اُتر آئی۔ اور عبدوس وہیں گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ ابوالسرایا کے ہمراہیوں نے بغداد کی فوج کا تمام مال واسباب لوٹ لیا۔

مگر افسوس۔ اس زرین فتح نے ابوالسرایا کو ایسا مسرور نہ کیا جیسا وہ جانتا تھا۔ اس لڑائی سے ایک دن پہلے محمد ابن طباطبا بیمار پڑ چکے تھے۔ اس لڑائی کے ختم ہوتے ہی اُنہوں نے بھی قضا کی۔ انکی وفات سے کوفیوں کے دل بیٹھ گئے اور اُنکی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔

ملا مجلسی علیہ الرحمۃ والغفران بحار الانوار میں یاسر خادم جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی زبانی تحریر فرماتے ہیں کہ یاسر نے خواب میں دیکھا کہ ایک پنجرے میں سترہ ۱۷ شیشے رکھے ہوئے ہیں۔ ناگاہ کسی صدمہ پہنچنے سے وہ پنجرہ گر پڑا اور وہ شیشے چکنا چور ہو گئے۔ یاسر کا بیان ہے کہ میں نے اپنا یہ خواب حضرت امام موسی رضا علیہ السلام سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرا خواب درست ہے تو عنقریب میرے اہلبیت میں ایک شخص خروج کریگا اور سترہ ۱۷ روز حکومت کرکے فوت ہو جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ محمد ابن ابراہیم نے ابوالسرایا کے ساتھ کوفہ میں خروج کیا اور سترہ روز گزرنے پر دنیا سے رحلت کی۔

جن دنوں محمد مرحوم کوفہ میں مقیم تھے۔ ایک روز اُنہوں نے دیکھا کہ کچھ حمال خرموں کے گٹھے سروں پر رکھے ایک راستہ سے لیجا رہے ہیں اور ایک پیرزن اُنکے پیچھے پیچھے دوڑی جاتی ہے۔ جہاں کہیں خرمے کا کوئی ریزہ گرتا ہے وہ اُسے اُٹھا لیتی ہے اور اپنی میلی کچیلی ردا میں لپیٹ لیتی ہے۔ محمد نے آثار شرافت اُسکے چہرہ سے ہویدا اور آشکارا پائے اور اُس سے پوچھا کہ تو یہ کام کیوں کرتی ہے۔ اُسنے کہا میں ایک بیوہ بیکس ہوں۔ کوئی ذریعہ معاش کا نہیں رکھتی۔ میری چند بیٹیاں صغیر السن ہیں۔ میرا یہی کام ہے کہ جو دانہ اس طرح ہاتھ آتا ہے اُسے لیجا کر اُنکو کھلاتی اور آپ کھاتی ہوں۔ یہ سنکر محمد نے بیساختہ رو دیا اور کہا انت واللہ واشباھک تخرجونی غدا حتی تسفک دمی قسم خدا کی تمہیں ایسے لوگوں کی خاطر میں کل خروج کرونگا اور مارا جاؤنگا۔ ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ اسکی صبح کو دسویں جمادی الاول ۱۹۹ سنہ ہجری کوفہ میں محمد سے بیعت واقع ہوئی اور اُنہوں نے اُسی دن خروج کیا۔

محمد ابن زید کی کوفہ میں امارت

محمد ابن ابراہیم نے وصیت کی تھی کہ ان کے بعد علی ابن عبید اللہ مسند حکومت پر بٹھلائے جائیں مگر اُنھوں نے اپنے زہد و تقوے اور طہارت کی وجہ سے اسکو قبول نہ کیا۔ ناچار زمام حکومت محمد ابن زید حضرت زید شہید کے پوتے ایک جوان بلکہ لڑکے کے ہاتھ میں دی گئی جو ہر چند جرات و شجاعت میں یگانۂ روزگار تھے مگر پھر بھی کم سنی کی وجہ سے جیسا چاہیے اپنا رعب وداب دلوں پر نہ بٹھا سکے۔

بہرکیف۔ اب ابو السرایا نے ملکی انتظام شروع کئے۔ مکہ۔ مدینہ۔ بصرہ۔ یمن وغیرہ وغیرہ ملکوں اور شہروں پر حاکم اور قاضی مقرر کئے گئے۔ اور بھیجے گئے۔ ازانجملہ اسمٰعیل ابن علی ابن اسمٰعیل ابن جعفر صادق علیہ السلام کو کوفہ کی خاص امارت ملی۔ ابراہیم ابن موسی الکاظم علیہ السلام یمن کی امارت کے لئے منتخب ہوئے۔ انکے دوسرے بھائی زید ابن موسیٰ جو زید النار کہے جاتے تھے ملک اہواز پر تعینات ہوئے حسن افطس حکومت مکہ پر مامور ہوئے۔ جتنے کہ اس سال مراسم حج بھی انہیں کے اہتمام میں ادا کئے گئے۔ یہ جملہ عمال اپنے اپنے مقام معینہ پر جاکر قابض ہوگئے اور فتح نامے جابجا سے محمد ابن زید کے پاس پہنچتے تھے۔ اہل شام اور اہل جزیرہ نے عریضے بھیجے کہ ہم لوگ بھی منتظر ہیں کوئی امیر مقرر کرکے بھیجا جاوے۔ سب اُسکی اطاعت کرینگے۔

حسن ابن سہل عراق۔ یمن وغیرہ کی یہ پُرآشوبی دیکھکر سخت پریشان ہوا اور اپنی متواتر شکست سے اُس کے حواس جاتے رہے۔ آخرکار اُس نے ہرثمہ ابن اعین کو ابو السرایا کی مہم کے لئے تجویز کیا۔ مگر باایںہمہ اُس کے بلانے پر جرأت نہ کرسکا۔ اور اُسکی وجہ وہی آپس کی کشیدگی اور کبیدگی تھی جو حسن اور ہرثمہ کے درمیان ابتدا ہی سے واقع تھی۔ مامون نے حسن کو بغداد کی امارت بھی دی تھی اور یہاں کی فوج کی سپہ سالاری بھی۔ ہرثمہ کی ناراضی کا باعث ایک اُسکی یہ بھی حق تلفی تھی۔

بہرحال۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ حسن نے اپنی ندامت سے زیادہ اس موقع کی ضرورت پر نظر کرکے آخرکار ہرثمہ کو طلبی کا خط لکھا۔ ہرثمہ نے جب اس خط کو پڑھا تو اپنی قدیم رنجش کے باعث جواب میں اُس کو لکھ بھیجا کہ میں اب ضعیف ہوگیا اور میرے تمام قوے کمزور ہوگئے۔ موجودہ حالتوں میں میرے لئے کسی طرح مہمات جنگی کی دشوار اور مشکل خدمات مناسب وقت اور مصلحت نہیں ہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب مجھ سے جوان اور طاقتور لوگ آرام وراحت سے بسر کریں اور اپنے اپنے مقام استراحت پر بیٹھے رہیں۔

حسن نے ہرثمہ کا جواب پڑھا مگر اُسکی تعریضانہ تحریر پر اسوقت کوئی اعتنا نہیں کی اور اُسی وقت اپنے ایک دوسرے معتمد کی معرفت اُسکی خدمت میں دوسرا خط لکھا۔ اور اُس میں اپنی طرف سے بہت کچھ عذر خواہی اور معافی کے مضامین قلمبند کیے۔ ہرثمہ کو جب حسن کا یہ خط ملا تو اُس نے اُسکی عذر خواہیوں سے زیادہ مامون کی بہی خواہیوں کو مدنظر رکھکر فوراً اپنے مقام حلوان سے اُٹھکر بغداد میں داخل ہوا۔ اور یہاں پہنچکر وہ ابوالسرایا کے مقابلہ کا پورا بند وبست کر کے عراق کی طرف روانہ ہوا۔

ابوالسّرایا کی شکست

نہر صرصر پر جانبین سے مقابلہ کی نوبت ٹھیری۔ ابوالسرایا پر اپنے قدیم افسر ہرثمہ کا کچھ ایسا رعب چھایا کہ وہ اُس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ ٹھیرا۔ اور اُسکی فوج سے پوری شکست اُٹھا کر بھاگ نکلا۔ اور شہر کوفہ میں جاکر جا چھپا اور وہاں سے محمد ابن زید کو ہمراہ لیتا ہوا علاقۂ سوس کی طرف چلتا ہوا۔ ہرثمہ نے اُسکا تعاقب تو کیا مگر پا نہ سکا۔ مگر حسن کے ایک دوسرے افسر نے جسکا نام حسین ابن علی الباریعیسے تھا سوس میں ابوالسرایا سے پورا مقابلہ کیا۔ اور اُسکو پوری شکست پہنچا کر ابوالسرایا اور محمد دونوں کو گرفتار کیا اور پھر دونوں کے سر کاٹ کر مامون کے پاس بھیجدیے۔ (طبری)۔ اور انکی لاشوں کو بغداد میں حسن کے پاس بھیجدیا حسن نے عبرت خلائق کی خاص غرض سے ان لاشوں کو بغداد کے پُل کے دونوں جانب لٹکا دیا۔

حسین افطس امیر مکہ کی سرگزشت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ابوالسرایا نے انکو امارت مکہ پر مامور کر کے بھیجا تھا۔ طبری کے اسناد کی مطابق یہ تنہا مکہ میں بھیجے گئے تھے۔ بلکہ مکہ کا انتظام یوں کیا گیا تھا کہ یہاں کی امارت تو محمد ابن داؤد حسنی سے متعلق تھی اور امارت حاج کا منصب حسین افطس سے تعلق کیا گیا تھا۔ بہرحال۔ یہ دونوں حضرات ہوں یا ایک مکہ معظمہ میں پہنچکر اپنی اپنی خدمات کو خاطر خواہ انجام دینے لگے۔ ہرثمہ نے جب ابوالسرایا کے معاملات کو خاتمہ تک پہنچا لیا تو اُس نے ابواسحٰق معتصم کو جو مامون کے بعد خلیفہ ہوا حجاز کی اصلاح کے لئے روانہ کیا۔ اسحٰق پہلے مکہ میں آیا اور بہت جلد یہاں کے معاملات درست کر لئے۔ اس کے جلد کامیاب ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ مکہ کی رعایا حسین افطس کی ظالمانہ رفتار و کردار سے سخت عاجز تھی حسین افطس کے یہ سلوک کچھ بیرونی لوگوں کے ساتھ ہی نہیں تھے بلکہ اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی انکی بیمروتی اور ظلم و تعدی

کی یہی حالت پائی جاتی ہے۔
انکی آخری سرگزشت یہ ہے کہ جب مکہ کے لوگ ان سے عاجز آکر برگشتہ ہوگئے تو انکے ہمراہیوں نے انکے بیٹے علی کو انکا قائم کیا۔ اور محمد ابن جعفر ابن محمد کو انکا معاون بنایا۔ یہ محمد سادات سے نہیں تھے۔ اب سنئے۔ جب ابراہیم کو یمن میں مکہ کی بدنظمیوں کی خبر لگی تو اُسنے یمن سے مکہ کی تسخیر کا قصد کیا۔ جب ابراہیم مکہ پہنچے تو محمد اور علی ابن الحسین نے ان سے مقابلہ کیا۔ ابھی خانہ جنگی ہو ہی رہی تھی کہ اسحٰق ابن داؤد جو پہلے سے یمن کا عامل تھا موقع پاکر اور ابو اسحٰق مستعصم کے ہمراہ ہوکر جو بغداد کی فوج لئے ہوئے آرہا تھا اُن کے سروں پر آ دھمکا۔ کسی نہ کسی طرح ان لوگوں نے عباسیوں سے مقابلہ کیا مگر نتیجہ یہ نکلا کہ محمد ابن جعفر کی آنکھ میں تیر لگا۔ تیر کے کھاتے ہی وہ بھاگا اُسکے بھاگتے ہی ابراہیم کے تمامی ہمراہی چلتے ہوگئے۔ محمد بن جعفر کا بیٹا لڑائی میں مارا گیا۔ اور محمد خود جدہ میں گرفتار کیا گیا۔ اور ابو اسحٰق کے پاس مکہ میں بھیجدیا گیا۔ یہاں اسکے ہاتھ پاؤں باندھے گئے اور گٹھری کی صورت بناکر مسجد الحرام کے دروازے پر ڈالدیا گیا۔ اور تاوقتیکہ اُسنے مامون اور مامون کے بعد ابو اسحٰق مستعصم کی خلافت نہ تسلیم کرلی اور ان دونوں کی بیعت کا اقرار نہ کرلیا وہ نہ چھوڑا گیا۔
جب مکہ کی عام شورش تمام ہوگئی تو اسحٰق ابن داؤد عباسی کو بدستور سابق مکہ کی امارت تفویض کردی گئی۔ اُس نے یمن میں ابراہیم کی تنبیہ اور ترتیب معاملات کی فکر کی۔ یہاں کے ملکی انتظام کو درست کرکے ابو اسحٰق مستعصم نے اپنی ہمراہی فوج کو یمن کی طرف روانہ کیا۔

ابراہیم کے معاملات

ابراہیم مکہ میں عباسیوں سے ہزیمت اُٹھاکر پھر یمن میں چلے آئے مستعصم کی فرستادہ فوج جب مکہ سے یمن میں پہنچی تو ابراہیم نے اپنے اعوان و انصار کو بھی اُسکے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ جانبین سے مقابلہ ہوا۔ ابراہیم کو شکست ہوئی۔ اور اس میں بہت بنی عقیل ابن ابیطالب کی اولاد کام آئی۔ ابراہیم یمن سے نکل کر ادھر اُدھر روپوش ہوگئے اور ایک مدت تک پریشانی اور خانہ بدوشی کی حالت میں بسر کرتے رہے۔ آخرکار جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے انکے لئے مامون سے امان طلب کرلی تب انکی جان بچی۔

زید کے واقعات

ابو السرایا نے انکو بصرہ کی امارت پر نامزد کیا تھا اور انہوں نے بصرہ پہنچکر عباسیوں کے مکانات

اور باغات و اراضیات جہاں تک پائے سب جلا دئے۔ اسی وجہ سے لوگ انہیں زید النار کہنے لگے۔ ابوالسرایا کے قتل ہونے پر یہ روپوش ہوگئے۔ مگر طبری کا بیان ہے کہ حسن کی امارت کی وجہ سے جو بغداد میں فساد اور بدامنی پھیلی تو بغداد کے خودسر اور خودمختار امرا نے اُس طائف الملوکی کے زمانہ میں زید کو بلا کر تین دن تک بغداد کے تخت امارت پر بٹھلایا۔ مگر چوتھے روز پھر اس انتظام کو درہم برہم کر دیا۔ اسکی پوری کیفیت فساد بغداد کے آیندہ حالات سے ظاہر ہوگی۔

زید روپوش ہوگئے۔ یہاں تک معلوم ہو چکا حسن ابن سہل کے جاسوسوں نے تبلاش بسیار نکالا اور اُنہیں قتل کرنا چاہا۔ مگر حجاج ابن خثیمہ نے وہی حکایت جعفر برمکی اور ہارون الرشید والی جو محمد ابن محمد کی نسبت گزری تھی مثال میں پیش کر کے انکے قتل کو ملتوی رکھا اور زید کو صحیح و سلامت مامون کے پاس بھجدیا۔ جب زید مامون کے پاس آئے تو اُسنے پوچھا کہ آپنے اپنے بنی اعمام کے گھر جلا دئے مگر اپنے اصلی دشمن بنی امیہ۔ ثقیف۔ باہلہ اور آل زیاد کے گھروں سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔ زید خوش طبع اور ظریف تھے۔ بولے اے امیر انشاء اللہ دوبارہ وہاں جاؤنگا تو دشمنوں کے گھروں کو جلاؤنگا۔ مامون ہنسنے لگا۔

زید کو مامون نے پھر جناب موسی رضا علیہ السلام کے پاس بھیجکر یہ کہلا بھیجا کہ انکے بارے میں آپ مختار ہیں۔ جو چاہیں حکم فرمائیں۔ اصل میں زید کے یہ مظالم آپ کو بھی ناگوار گزرے تھے۔ جب زید حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے اپنا منہ اُنکی طرف سے پھیر لیا۔ زید نے یہ دیکھکر عرض کی کہ میں ہوں زید ابن موسی۔ آپ کا بھائی۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ سلسلۂ اخوت وہیں تک ہے جبتک کہ معصیت خدا میں داخل نہو۔ اے زید تمکو عوام کوفہ کا یہ کہنا کہ ذریات فاطمہ علیہا السلام آتش جہنم سے آزاد ہیں دھوکا نہ دے۔ وہاں ذریت سے اولاد شکمی جناب امام حسن و امام حسین علیہما السلام صرف مراد ہیں۔ اور کوئی دوسرا نہیں۔ آیندہ نسلوں میں اب جو جیسا کریگا وہ ویسا پائیگا۔ کیا تمہارے نزدیک جائز ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام شب و روز جانکاہ عبادتیں کریں۔ اور تم عصیان و نافرمانی خدا کی کرو اور دونوں کو حق تعالے بہشت بریں میں ایک جا جمع کرے۔ اگر ایسا ہی ہو تو تم خدا کے نزدیک جناب امام موسی کاظم علیہ السلام سے زیادہ مکرم ٹھہرو گے۔ پس تمہارا یہ خیال تمام غلط و باطل ہے۔ اے زید یاد کرو قول حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام کا لمحسننا كفلان من الاجر ولمسيئنا ضعفان من العذاب ہمارے نیک لوگوں کے لئے دوہرا ثواب مقرر ہے ویسا ہی اُنکے نافرمانوں کو الضاعف عذاب بھی ہوگا۔ اس وعظ و پند کے بعد

حضرت نے زید کو رہا کیا اور وہ آخر خلافت متوکل تک زندہ تھے۔ اس وقت سامرے میں رحلت فرمائی۔

دارالخلافت بغداد کے بار دیگر فساد

بغداد کے پہلے فساد جو اوپر لکھے گئے ہیں وہ امین کی کمزوری اور ناقابلیت کے باعث سے تھے۔ مگر یہ فساد جسکی کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے وہ مامون کے مقرر کردہ امیر حسن ابن سہل کی نا اہلیت کی وجہ سے قائم ہوا۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ سابق بدامنی اور پرآشوبی بنی عباس کی خودکردہ امور تھے۔ جنکے لئے کوئی علاج مفید نہیں ہوسکتا تھا۔ ان امور میں بغداد کے مفسد اور اشتعال انگیز امراء و اراکین دولت بھی اُنکے پورے شریک تھے۔ یہ امرا ہمیشہ اپنے ہمسر اور ہم پلہ دوسرے امیر کی قوت گھٹانے اور ثروت مٹانے کی غرض سے ایسے ہی ایسے مخالفانہ امور پیش کیا کرتے تھے۔ جن لوگوں نے ان واقعات کو غور اور استیعاب سے پڑھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں سلطنت کا بند بند جدا ہو رہا تھا۔ شاہی سلسلہ میں نہ کسی کو کسی سے ربط باقی تھا اور نہ امرا کے دائرہ میں ایک کو دوسرے کے ساتھ کوئی لطف۔ حسن ابن سہل ہرثمہ ابن اعین سے رنجیدہ تھا۔ اور ہرثمہ حسن سے ملول۔ ربیع کو حمید ابن الحمید طوسی سے کبیدگی تھی۔ تو حمید کو ربیع سے کاوش۔ غرض جو تھا۔ ایک دوسرے سے تنا ہوا کھنچا ہوا دکھلائی دیتا تھا۔ مخالفت اور نا اتفاقی کا ایک عام قانون دربار شاہی میں چاروں طرف نافذ تھا۔ اور کوئی ان خرابیوں کا مٹانے والا اور ان برائیوں کا اُٹھانے والا نہیں تھا۔ اور کیونکر ہوتا۔ باہم اصلاح و آشتی اور ہمدردی کے خیال تو اُس وقت پیدا ہوتے ہیں جب خودغرضی اور نفسانیت دلوں سے اُٹھ جاتی ہے۔ برخلاف اسکے یہاں تو ہر شخص بذات خاص خودغرضی کا پتلا اور نفسانیت کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ پھر وہ باخود باہم اتفاق اور اصلاح و رفاہ کی فکر کرتے تو کیسے۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم موجودہ فسادات بغداد کی روئداد لکھتے ہیں۔ یہاں تک اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حسن ابن فضل کو بغداد کی امارت اور سپہ سالاری دونوں جلیل القدر عہدے ایکبار ملے تھے۔ یہاں کی رعایا میں اس سے سخت ناراضی پھیلی اول تو بلاد اسلامیہ کی تمام رعایا عموماً وزارت کے عہدے پر اُسی کو پسند کرتی ہے جو عرب کی شریف ترین نسل سے ہو۔ ساتھ ہی خاندان برامکہ کے عروج و اقتدار کے زمانہ میں اگرچہ ان لوگوں کو انکی وزارت کے مسئلہ پر خلیفہ عصر سے اعتراض کی جرأت نہ ہوئی مگر اس میں بھی ذرا شبہ نہیں ہے کہ وہ دل ہی دل میں آل برمک کی طرف سے برابر غبار رکھتے رہے اور آخرکار بادشاہ سے ان کے خلاف میں ایسے ایسے جوڑ لگائے کہ ہارون الرشید نے ان کا یوں

استیصال کر ہی دیا۔ جعفر تو جان سے مارا گیا۔ اور یحییٰ قید خانہ کے حوالہ کیا گیا۔

مامون کے موجودہ زمانہ میں فضل ابن سہل کو وزارت کا عہدہ ملا جو یحییٰ برمکی کا بالکل ساختہ و پرداختہ مشہور تھا۔ مگر چونکہ فضل کی وزارت کو عرب کے ممالک سے کوئی تعلق نہیں تھا اس لئے بغداد کی رعایا نے اُسپر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور بات بھی ایسی ہی تھی۔ حقیقت میں عرب کی رعایا کو عجم کے ملکی انتظام پر اعتراض کرنے کا کوئی خاص حق حاصل نہیں تھا۔ مگر جب امین کی قسمت کا ملک بھی مامون کے ہاتھ لگا تو اُسنے فضل کی تحریک سے۔ بغداد کی امارت اُسکے بھائی حسن کو عنایت کی اور امارت کے ساتھ سپہ سالاری کے عہدے کا بھی اضافہ کیا۔

مامون کا یہ انتظام ممالک عرب کی رعایا کی سخت ناراضی کا سبب ہوا۔ اور رعایا سے لیکر دار الخلافت کے تمام ملکی۔ مالی اور فوجی افسر تک حسن کی امارت کی مخالفت پر متفق ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنی متفقہ قوت سے حسن کو ایسا مجبور کیا کہ وہ بغداد سے اُٹھکر واسط میں مقیم ہوا۔ وہاں بھی نہ رہ سکا تو بصرہ میں جا گزیں ہوا۔ جب وہاں بھی اطمینان کی خاطر خواہ صورت نہیں دیکھی تو نہروان میں سکونت پذیر ہوا۔ اسی پریشانی اور غیر اطمینانی میں اُس نے علی ابن ہشام کو اپنی طرف سے بغداد کا امیر مقرر کر کے بھیجا۔ علی نے دار الخلافت بغداد میں پہنچکر اپنی امارت کا اعلان تو کیا مگر کوئی امیر اُس کے پاس نہ پھٹکا اُسنے آہستہ آہستہ فوج جمع کرنی شروع کی۔ تھوڑے بہت لوگ جمع بھی ہوئے۔ مگر ان لوگوں نے چھ چھ مہینے کی تنخواہیں پیشگی مانگیں۔ علی ابن ہشام نے حسن کو لکھ بھیجا۔ اُس نے جواب دیا کہ رقم مطلوبہ عقب سے بھیجدی جائیگی۔ مگر نہ پہنچی۔ علی ان فاقہ مست سپاہیوں کو سنبھالے رہا۔ مگر جب اُس کی وعدے کو دوسرا مہینہ گزرا تو ان لوگوں نے علی پر اپنی تنخواہوں کا سخت تقاضہ کیا۔ یہاں تو نام کو پھوٹی کوڑی تک پاس نہیں تھی۔ دی کیا جاتی۔ علی نے آخر کار اپنی بار انکو اس شرط پر پھیر ٹالا کہ اگر حسن یہ رقم نہیں بھیجیگا تو میں تمہاری تنخواہوں کی صفائی اپنے پاس سے کر دونگا۔

اسی اثناء میں زید ابن حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام جو بصرہ میں علی ابن سعید کی حراست میں قید تھے۔ قید خانہ سے کسی طرح نکل آئے۔ اور ابو السرایا کے بھائی عبداللہ کے ہمراہ اُس اطراف میں پھر اپنی حکومت کا رنگ جمانے لگے۔ مگر علی ابن ہشام نے ایک فوج تیار کر کے فوراً انکے دفعیہ کے لئے بھیجدی۔ اس فوج نے عبداللہ کو شکست دی۔ اور زید کو گرفتار کر کے علی ابن ہشام کے پاس بغداد میں لائے۔ علی نے پھر زید کو قید کر دیا۔

اب سنئے کہ یہ فوج حریف کو پسپا کر کے اپنے حسن خدمات پر اور نازاں ہو کر اپنی تنخواہ کی وصولی کے

تقاضے پر تقاضے کرنے لگی اور اگر پہلے نہیں تو اب اپنے لمبے چوڑے حقوق خدمات دکھانے لگی۔ علی
ابن ہشام نے ہر چند انکو اب کی بار بھی ٹالنا چاہا مگر ابکی بار یہ نہ مانے۔ سچ ہے تو سپاہی، وہ بھی فاقہ مست
ایکبار سب کے سب چلا اٹھے اور سب نے ایک دفعہ اور یکدم بغاوت کا علم بلند کر دیا اور قیدخانہ
توڑ کر زید کو چھوڑ دیا۔ ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ جن لوگوں نے گرفتار کیا انہیں نے چھوڑا
زید تو بدستور سابق قیدخانہ سے نکل کر پھر ادھر ادھر روپوش ہو گئے۔ فوج باغی نے علی ابن ہشام کو
امارت سے معزول کر کے کسی جدید امیر کو مسند امارت پر بٹھلانا چاہا۔ آخرکار ان سب کا اتفاق
زید کی امارت پر ہوا۔ تو پھر زید کی تلاش ہوئی۔ آخرکار بڑے تجسس و تلاش سے انکا پتا لگایا گیا۔
اور تخت امارت پر لا کے بٹھایا۔ اور اپنا امیر بنایا۔ مگر پھر تین ہی روز کے بعد بنی عباس کی تحریک اور
تائید سے انکی رائیں بدل گئیں۔ انہوں نے زید کی موجودگی میں منصور ابن مہدی سے قبول خلافت
کے لئے استدعا کی۔ مگر منصور ایک مدبر جہاندیدہ اور گرم و سرد زمانہ چشیدہ مامون کا چچا۔ اول تو
انہوں نے امر امارت سے قطعی انکار کیا۔ مگر جب ان لوگوں کا بہت اصرار دیکھا تو انہوں نے صاف صاف
لفظوں میں کہدیا کہ اول تو مامون کی موجودگی میں ہیں کیا کوئی شخص اس جلیل عہدہ کا مستحق نہیں
ہو سکتا۔ اگر بخیال اصلاح و ترتیب نظام ملکی اور رفع فساد موجودہ و آئندہ میں اس امر کو قبول کیا
کر لوں تو اس شرط کے ساتھ البتہ قبول و منظور کر سکتا ہوں کہ میں امارت کی تمام خدمات انجام تو
دیتا رہونگا مگر خطبہ، سکہ، نشان شاہی میں مامون ہی کا نام اور اسی کا شعر قائم رہیگا۔ منصور کی یہ
عاقبت اندیشی اور حسن تدبیر بہت بڑی قابل قدر تھی
الغرض فوج کے لوگوں نے بھی اسے منظور کر لیا۔ اور منصور کو بھی بغداد کی امارت مل گئی۔ اور زید پھر
ویسے کے ویسے ہی قید کے حوالے کئے گئے۔ جب حسن ابن سہل کو ان امور کی خبر مقام مرو میں ملی
تو وہ رستے سے بہت جلد روانہ ہو کر مدائن آیا اور مدائن سے واسط پہنچا۔ مگر وہاں سے آگے بڑھنے کی
جرأت نہ کر سکا۔ منصور نے مسند امارت پر قدم رکھتے ہی فضل ابن ربیع کو اپنا وزیر بنایا۔ اس کے بعد
منصور نے محمد ابن خالد کو حسن ابن سہل کے مقابلہ کے لئے بھیجا مگر وہ ناکامیاب رہا۔ اور میدان جنگ
سے زخمی واپس آکر بغداد میں مر گیا۔ بغدادیوں نے محمد کے بھتیجے عیسیٰ کو لشکر کی امارت دی۔ اور اس کی
ماتحتی میں پھر حسن سے مقابلہ کیا۔ حسن نے حمید کو عیسیٰ کی مدافعت پر متعین کیا۔ اب کی بار بھی بغدادی
پسپا کر دئے گئے۔ مگر با ایں ہمہ۔ چاہئے اب بھی۔ بغدادیوں میں حسن کی قبول امارت پر آمادگی ہو جانا تھا
خلافت کے متعلق اخلاص و اتحاد کا مادہ پیدا ہوا ہی نہیں۔ نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ مگر جب لوگ مجبور ہو گئے تو

رہتے گئے اُنکی جھنجھلاہٹ اور غیظ و غضب اور بڑھتا گیا۔ چنانچہ ایکی بار پھر واپس آنے پر ان لوگوں نے آپس میں یہ عہد و میثاق مستحکم کر لئے کہ چاہے کچھ ہو جائے ہم حسن سے یونہیں مقابلہ پر مقابلہ کرتے چلے جائینگے اور حتے المقدور ان گبرزادوں (فضل و حسن) کی امارت کو کبھی نہیں قبول کرینگے۔ اور اگر مامون ان دونوں کو منصب امارت و وزارت سے علیحدہ نہ کریگا تو ہم اُسکی خلافت اور امارت سے بھی انکار کرینگے ان امور پر کافی طور سے اتفاق کر کے وہ سب کے سب منصور کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابن جازم کو ہمارا سپہ سالار بنا کر ہمکو حسن کے مقابلہ پر شہر واسط کی طرف بھیجدے کہ ہم اُس سے اپنی متواتر شکستوں کا معاوضہ ایکبار لے لیں۔ منصور نے ابن جازم کو اُنکے ہمراہ کر دیا۔ یہ لوگ ابھی تہیۂ سفر میں تھے کہ حمید طوسی اپنی دس ہزار فوج جرار کے ساتھ انکے سر پر آ دھمکا۔ اس فوج کے پہنچتے ہی شہر میں چاروں طرف غوغا مچگیا۔ شہر کے اوباشوں اور بدمعاشوں کی بن پڑی۔ وہ شہر کے متمول باشندوں اور تاجروں کے مال و متاع کی لوٹ پر تل گئے۔ اور جی بھر بھر کر اہل شہر کو لوٹنے لگے۔ وہ ان امور میں امین کے وقت ہی سے مشاق اور شہرۂ آفاق ہو رہے تھے۔ خوب اچھی طرح ٹٹول ٹٹول کر مالداروں کی تھیلیاں کاٹیں۔ بڑھوں پر چھریاں ماریں۔ یہانتک کہ لونڈی غلاموں کو بھی اشیائے منقولہ سمجھکر دن دہاڑے پکڑ لیا اور اپنا عین المال بنا کر بازار میں بیچا۔ بغداد کی فوج یا وہاں کا موجودہ امیر ان مفسدوں کا کوئی انسداد نہ کر سکا۔ اگرچہ اکثر شہر کے امن پسند اور اصلاح طلب امرا نے ان ڈاکوؤں کو قتل و غارت سے حتے المقدور باز رکھنا چاہا مگر وہ نہ ماننے والے تھے۔ نہ مانے۔ اور یہ فتنہ کو فساد روز بروز ترقی کرتا چلا گیا۔ طبری صفحہ ۱۰۰۶ جلد ۳

حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام اور مامون کی طلبی

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ بغداد اور اُس کے گرد و نواح میں تمام بد نظمی پھیلی ہوئی تھی اور اسکا سلسلہ عراق سے پھیلتا ہوا عراق۔ حجاز۔ یمن۔ اہواز اور دیلم کے علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔ ان تمام مفسدوں کا باعث ان تمام خرابیوں کا سبب عموماً حسن ابن سہل کی امارت معلوم ہوتی ہے اور اسکی امارت سے عام ناراضی کا سبب بنی عباس اور امرا و رؤسائے بغداد کی نفرت ثابت ہوتی ہے

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ منصور کے وقت سے بنی عباس میں ولیعہدی کے رد و بدل کی بنا پر نہایت سخت نفاق اور اختلاف پھیلا ہوا تھا۔ اُن میں فرقہ بندی ہو گئی تھی اور یہ فرقہ بندی رفتہ رفتہ ایسی بڑھی کہ آخر میں بغاوت سے پھر بغاوت ہو گئی۔ اور ان میں آہستہ آہستہ اتنی قوت آ گئی کہ آخر الامر انہوں نے دار الخلافت کی فوج کو اپنی سازش میں لا کر غریب امین کو تخت خلافت سے اتار دیا تھا

سلسلۂ عباسیہ میں یہ پہلا موقع پایا جاتا ہے کہ ایک فرمانروا تخت حکومت سے باختیار اغیار معزول اور منتزع کیا جاتا ہے:

تعجب سے تعجب اور حیرت سے حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں کے لئے جو عہدنامہ تحریر کیا تھا اُسپر کیسے کیسے تجربہ کار اور منتخب روزگار مدبرین کی معتدبہ جماعت نے رات دن اپنی دماغی کوششیں صرف کی تھیں۔ اُس کے ایک ایک لفظ کیا ایک ایک حرف کو بڑے حزم واحتیاط اور کامل غور وتامل سے دیکھا بھالا اور جانچا پرتالا تھا۔ مگر بخلاف اُنکی امیدوں کے جو اس کے استقلال و استقرار کی نسبت اُن کے دلوں سے لگی ہوئی تھیں۔ یہ عہدنامہ چار برس سے زیادہ نہ ٹھیر سکا اگر انسان کے دیدۂ بصیرت کشادہ ہوں تو وہ صرف اسی کی مثال کو دیکھکر پورے طور سے سمجھ لے کہ انسان کی تدبیر کی یہ صورت ہوتی ہے اور مشیت کے ارادۂ تقدیر کی یہ شان ہوتی ہے۔ جل جلالہ وعم نوالہ۔

مامون کے عہد میں بنی عباسیوں کی مخالفت

ہماری اس ابتدائی تحریر سے یہاں تک تو معلوم ہو چکا ہے کہ امین کے وقت ہی سے بنی عباسیوں کو کاروبار ملکی میں پوری مداخلت اور غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ رعایا اور جنگی افسر انکے زیر اثر آچکے تھے۔ انکی قوتیں اس سبب سے روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ اختیارات ترقی کرتے جاتے تھے۔ حوصلے کشادہ ہوتے جاتے تھے۔ اور ہمتیں وسیع ہوتی جاتی تھیں۔

امین کے واقعہ کو خاتمہ تک پہنچا کر اب یہ لوگ حسن ابن سہل کے پیچھے پڑے اور فوج کو اپنی سازش اور قابو میں لاکر جو جو مفسدے ان سے ظہور میں آئے وہ پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بیان ہو چکے حسن ابن سہل کی امارت سے مخالف ہونے کی بہت بڑی وجہ انکے لئے یہ ہوئی کہ مدت سے یہ لوگ دَرپردہ اُسی گروہ میں شامل تھے جو مامون کے بادشاہ ہونے کے مسئلہ میں امین کو ترجیح دیتا تھا۔ اور خلیفۂ اسلامی ہونے کے معیار اور اوصاف کے لئے اُس کو عربی الاصل اور ہاشمی النسل ہونا ضروری اور لازمی سمجھتے تھے۔ یہ معاملہ ہارون کے زمانہ ہی میں پیش ہوا تھا اور اس میں شک نہیں کہ ہارون بھی انکی شرائط کے اغراض اور انکے معاہدہ کے مقاصد کو خوب سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ عرصہ تک اسکو زیر تجویز رکھے رہا۔ آخرکار زبیدہ کے فیصلہ نے اسکے اضطرار وانتشار کو دور کر دیا اور عہدنامہ شاہی جس طرح اوپر لکھا گیا ہے۔ تعمیل ہوگیا۔ جہاں تک تاریخوں سے تلاش کیا گیا ہے اس تقسیم ممالک کا موجد فریدون ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس کے بعد اسکی تقسیم کا بھی وہی نتیجہ نکلا جو والدوں کی تقسیم کا ہمارے ہندوستان میں عالمگیر نے بھی یہی تدبیر کی مگر معظم شاہ اور شجاع میں جیسی گہری تھی

وہ آخر کار استحکام سلطنت کے خلاف بالکل زوال مملکت کا باعث ثابت ہوئی۔
اگرچہ یہ عہدنامہ بھی عباسیوں کے اُس گروہ کے خلاف ٹھیرا جو امین کو مامون پر ترجیح دیتے تھے مگر وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بالکل خاموش ہو گئے اور کوئی فوری تحریک اسکے متعلق پیش نہ کر سکے پھر اسکے بعد جیسا کہ تاریخی مشاہدے سے ظاہر ہوتا ہے امین کے حالات میں روز بروز ضعف اور اضمحلال آتا گیا۔ اور بخلاف اسکے مامون کے کاروبار اور اوج و وقار میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی۔ اسوجہ سے یہ لوگ مامون کی مخالفت پر کچھ بھی جرأت نہ کر سکے۔ اور اپنے اپنے مقام پر بالکل خموش بیٹھے رہے۔ مگر امین نے جب اپنے بیٹے موسٰے کی بیعت کی تجویز پیش کی۔ تو اس کے لئے بھی عباسی گروہ میں ایک جدید اختلاف پیدا ہوا۔ مگر تاہم وہ اپنی اس قدیم تجویز تک کہ خلیفہ کو عربی الاصل ہونا چاہیئے باہم متفق تھے۔ ان میں موجودہ اختلاف جو تھا وہ اسی قدر کہ اُن میں سے اکثر لوگ ایسے تھے جو خلاف معاہدہ اور نقض عہد ہونیکے باعث موسٰے ابن امین کی بیعت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اور مامون کی جگہ موسٰے کو خلیفہ بنانا اس لئے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ ہارون نے اپنے ہی وقت میں امین کے بعد مامون کے خلیفہ ہونے کا بذات خاص اقرار کر لیا تھا اور خود امین سے بھی اُسکے بعد مامون کے خلیفہ بنائے جانے کا اقرار لے لیا تھا۔ پھر ایسے مکمل اور مسلسل عہد و میثاق کی موجودگی میں وہ کسی قسم کے اختلاف و انحراف کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔
بہرحال۔ امین کے حالات تو دریا کی سیل تھے۔ آئے اور نکل گئے۔ چار ہی برس میں سلطنت بھی ملی اور چلی بھی گئی۔ اس لئے ان لوگوں کے پورے خیالات نہیں معلوم ہوئے۔ اور نہ اُنکی تجویزوں کا صحیح اندازہ مل سکا۔ مگر ہاں۔ امین سے۔ اگرچہ وہ بالکل خوشنود اور رضامند نہیں تھے مگر تاہم حسن ابن سہل کی ان ظالمانہ کارروائیوں پر جو اُس نے امین کے ساتھ ظاہر کی تھیں نہایت برہم تھے۔ کیونکہ ہرثمہ کی کوششوں سے امین کی معافی کی اُنہیں کامل امید تھی۔ مگر یہاں یہ امیدیں کرتے رہے وہاں حسن نے طاہر کے حکم سے عین راستہ میں پہنچکر امین کے رشتۂ حیات ہی کو منقطع کر دیا۔ حسن کی یہی حرکت عباسیوں کو نہایت بُری معلوم ہوئی۔ چونکہ فوج اور رعایا دونوں اُنکے زیر اثر آ چکے تھے اس لئے حسن کی یہ جابرانہ حرکت فوج اور رعایا کی بھی عام رنجش کا باعث ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا۔ فوج الغرض جملہ بنی عباسیوں نے عراق و حجاز کو حسن کی مخالفت پر مستعد کر دیا۔ اور اندرونی اور بیرونی تمام ذرائع سے حسن کی عملی تدبیروں کو نظام ملکی کی ترتیب اور درستی کے لئے کاربند ہونے نہ دیا۔ جیسا کہ ملک کی عام پرآشوبی اور بدنظمی کے حالات میں اوپر بیان کیا گیا۔

قاعدہ کی بات ہے۔ جیسے جیسے حسن ابن سہل کے انتظام درہم وبرہم ہوتے گئے ویسے ویسے اُسکا غصہ اور طیش بڑھتا گیا۔ اگرچہ وہ عاجز اور بے قابو ہوکر بغداد سے کوفہ چلا آیا۔ مگر تاہم وہ اپنے مخالف کی سیاست سے غافل نہیں تھا۔ اور یہ بھی ایسے ضدی اور ہٹ دھرم تھے کہ کسی وقت اور کسی حالت میں اُس کے جواب سے ہٹتے نہیں تھے۔ مگر اُن کو اور اُن کے ساتھ ملکی رعایا کو یہ امید بھی ضرور لگی تھی کہ ملک کی موجودہ بدنظمی اور رعایا کی پریشانی دیکھکر کبھی تو مامون چونکیگا۔ اور حسن سے اُسکی کیفیت طلب کریگا۔ مگر اُنکی امیدوں کے خلاف یہاں کیا کچھ نہوگیا۔ مگر مامون کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہونے پائی۔ اور اُسنے ان امور کی طرف توجہ کرنا تو درکنار کبھی حسن سے جھوٹوں کوئی بات بھی نہیں پوچھی۔ یہ حالت دیکھکر انکے خیالات مامون کی طرف سے بھی بدل گئے۔ اور یہ یقین کرکے کہ مامون فضل اور حسن دونوں بھائیوں کا غلام اور بندۂ بیدام بنا ہوا ہے۔ اس لئے وہ ان امور کے متعلق حسن سے کوئی بازپرس نہیں کرسکتا بالکل مایوس ہوگئے۔ اور مامون کی اطاعت سے سرتابی کا اظہار کرنے لگے۔ یہانتک کہ منصور ابن مہدی کو خودسر اور خودمختار خلیفۂ عصر بناکر تخت پر بٹھلا ہی دیا۔

کیا حقیقت میں مامون غافل تھا؟

اب رہا یہ امر کہ مامون نے ان تمام خرابیوں کو سن سنکر اور دیکھ دیکھکر انکی اصلاح کی کوئی فکر نہیں کی کیا حقیقت میں اُسکو ان امور کی مطلق اطلاع نہیں ہوتی تھی۔ یا مامون خود ایسا فطرتی غافل اور خلقی کاہل پیدا ہوا تھا کہ ان امور کا کوئی خیال نہیں کرتا تھا۔ نہیں وہ فطرتی غافل نہیں تھا۔ مگر غافل بنا دیا گیا تھا اور حقیقت میں اُس کو ان امور کی مطلق اطلاع نہیں ہوتی تھی۔ دار الخلافت کی فوج اور رعایا کا یہ خیال ضرور صحیح تھا اور وہ اگر حسن کا نہیں تو فضل کا ضرور بندۂ بیدام اور غلام بنا ہوا تھا۔ فی الواقع مامون فضل کا ایسا ہی مطیع اور فرمانبردار شیفتہ اور فریفتہ ہو رہا تھا کہ کوئی کام بغیر اُسکے استمزاج اور استرضا کے نہیں کرتا تھا۔ کچھ ملکی۔ مالی اور فوجی معاملات ہی میں مامون پر فضل کی فوقیت اختیاری اور غلبہ کی یہ کیفیت نہیں تھی۔ بلکہ اُس کے اندرونی اور خانگی امور میں بھی اُس کو ایسے ہی اختیار حاصل تھے۔ اور مامون پر کیا منحصر ہے۔ دربار سے لیکر محل تک فضل کی کسی بچے تک اور کسی تدبیر میں کسی کو مداخلت و مخالفت کی مجال باقی نہیں تھی۔ ان امور کی حقیقت میں اُسکو کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ اور وہ بدانتظامیاں ان بدنظمیوں کے متعلق ایک حرف بھی نہیں جانتا تھا۔ اسلام کی تاریخیں عام طور سے بیان کر رہی ہیں کہ حسن ابن سہل نے ان امور کی کیفیت کبھی مامون کو نہیں لکھی۔ کیونکہ وہ تو سمجھتا تھا کہ ایسی خبروں سے ہماری خدمات میں بٹہ لگ جائیگا اور

ہماری امارت کے ساتھ بھائی کی وزارت پر بھی دھبہ آئیگا حسن ان امور کے متعلق جو لکھتا تھا وہ اپنے بھائی فضل کو۔ اور فضل بھی اپنی اور اُسکی بدنامی کے خیال سے ان تمام مراسلات کو اپنے مقام پر داب دیتا تھا۔ اور ان میں سے کسی امر کی خبر مامون کو نہیں کرتا تھا۔ اور اپنی اس رازداری میں اتنی احتیاط کرتا تھا کہ ممالک مغربی کے اخبار اور پرچے جو دفتر شاہی میں بھیجے جاتے تھے دارالخلافت میں پہنچنے سے پہلے پہلے راستہ ہی میں چاک کر ڈالے جاتے تھے۔ نہیں تو دفتر وزارت میں پہنچتے ہی فوراً ضائع کر دئے جاتے تھے اس اعتبار سے مامون کی لاعلمی اور عدم واقفیت ان بدنظمیوں کے متعلق نہایت صحیح اور درست تھی۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی

مامون کی امارت اور خصوصاً اُسکے مغربی قلمرو کا عضو عضو جسے وہ ابھی حال میں بزور شمشیر اپنے ممالک محروسہ میں ملا چکا تھا۔ بدنظمی اور بدامنی کے ہاتھوں سخت ہیجان اور آفت میں گرفتار تھا۔ نہ اُس کے علاج کا کوئی دردمند تھا اور نہ کوئی ان امور کا مصلح۔ جو تھے وہ اپنی فکر اور دھندے میں۔ اس لئے ہم کیا کوئی شخص تاریخ سے صحیح مذاق رکھنے والا مامون کی سلطنت کے ان ایام کو کبھی مطمئن نہیں کہہ سکتا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان امور کے لئے اُسپر غفلت کا الزام لگانا بھی بیجا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ امر صحیح اور بالکل صحیح ہے کہ وہ ان معاملات سے بالکل ناواقف اور لاعلم تھا۔ اور اُسکو ان امور کی ذرا بھی خبر نہیں تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ مگر بایں ہمہ اُسکی نسبت جو اعتراض صحیح ہوسکتا ہے۔ اور جو الزام قائم ہوسکتا ہے وہ صرف فضل کو خود مختار بناکر اُسکی جگہ پر خود اُسکا مطیع و فرمانبردار بن جانا ہے۔ اور یہ امر مامون کے ایسے عاقل اور عاقبت اندیش فرمانروا کی حسن تدبیر سے کوسوں دور معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال فضل بھی باوجود اتنے فضل و کمال کے ایسا بے بصیرت اور بے عقل نہیں تھا کہ وہ ان معاملات کو ہمیشہ ایسے ہی پوشیدگی کے عالم میں رکھتا۔ جب اُسنے دیکھ لیا کہ اب یہ امور اپنے انتہائی درجہ تک پہنچ گئے تو اُس نے ان امور کا کچھ جستہ جستہ حال اُس کے گوشگزار کر دیا۔ اور ان معاملات کو کچھ ایسے پیرایہ میں ادا کیا جس سے حسن ابن سہل کی طرف غفلت اور ناقابلیت کا اعتراض بھی قائم نہ ہونے پایا بلکہ اپنی جادو بیانی سے ان تمام شورشوں کو حجاز و عراق کے مختلف قوم اور قبیلوں کی خودسری اور آزادی کا باعث بتلایا۔ اور ان امور میں سادات کی پُرجوشیوں کو انکی قوت اور جرأت کا اصلی سبب قرار دیا۔ فضل نے یہ ساری روداد لکھکر آخر میں مامون سے یہ استدعا کی کہ

اب صلاح وقت اور ضرورت زمانہ اسی کی مقتضی ہے کہ اس وقت ملکی۔ مالی اور فوجی۔ غرض تمام صیغوں کی ترتیب اور اصلاح کو مد نظر رکھکر وہ اصول اختیار کرنا چاہیے جس سے ان تمام آفتوں کا ایکبار دفعیہ ہوجاوے۔ اب ان تمام ضرورتوں کے لئے اس سے بہتر دوسرا طریقہ مفید کارنہیں ہوسکتا کہ دولت موجودہ کی ولیعہدی کے لئے اہلبیت طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مقدس دائرے میں سے ایک ایسے قابل۔ کامل۔ جامع الصفات اور حاوی الشرائط بزرگ کو نامزد کیا جاوے جسکے فضائل ومناقب اور شرف و مراتب میں کسی کو کوئی کلام اور عذر کا موقع نہو اور اُس کے خصائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ کے اعتبار سے اُس کی ذات ایسی یکتا اور بیعدیل ثابت ہوتی ہو کہ پھر کسی اور کو اُس کی ذات پر ترجیح نہ دی جاسکے۔ ایسے برگزیدہ صفات بزرگوار کے تعلق سے رعایا اور سادات دونوں فرقوں کی پرجوشی ٹھنڈی پڑجائے گی۔ رعایا تو ایسے صاحب کمال اور بیمثال بزرگ کو عہدۂ ولیعہدی پر ممتاز پاکر فوراً اطاعت کے سر جھکا دیگی۔ اسی طرح سادات بھی جب اپنے مبارک طبقہ کے ایسے فرد اعلےٰ اور جوہر یکتا کو تمام بلاد اسلامیہ کا فرمانروا دیکھینگے تو سوائے اظہار اطاعت اور اختیار عقیدت کے اور کوئی امر خلاف اُن سے عمل میں نہ آئیگا۔ اس تدبیر سے بیک وقت جانبین کی شکایتیں رفع ہوجائینگی اور نظم ونسق ملکی جو اتنی مدت سے سخت بیچانی کی حالت میں گرفتار ہیں ترتیب اور تنظیم کے راستوں میں آجائینگے۔ اور انہیں کے متعلق ملکی۔ مالی اور جنگی صیغوں میں جتنی خرابیاں موجود ہیں وہ یکقلم سوقوف ہوجائیں گی۔

مامون نے دیر تک فضل ابن سہل کی اس تقریر کو نہایت غور اور خوض سے لفظ بلفظ اور حرف بحرف سُنا۔ اور کیوں نہ سُنتا۔ اگر سچ پوچھو تو اُسکو اپنے ابتدائے حکومت سے لیکر اسوقت تک یہی تو ایک موقع ملا ہے جس میں اُس سے مشورت طلب کی گئی ہے۔ مامون نے اس مشورہ کو سُنکر فوراً اُسے عملی صورت میں لائے جانے کا حکم دیا۔

مامون بھی کوئی معمولی آدمی تو تھا ہی نہیں۔ وہ پھر بھی بادشاہ تھا اور بخلاف اور بادشاہوں کے عقل وشعور۔ فہم ودانش اور استعداد وجامعیت میں زیادہ قابلیت رکھتا تھا اُس لئے اُسنے فضل کی تحریک پر اپنی طرف سے اتنی جلدی بازی اور گھبراہٹ بھی نہیں کی کہ ادھر منہ سے نکلا اور اُدھر بے سمجھے بوجھے اور بے سوچے اور بے غور کئے اس کے ایسے باریک اور اہم امر کو فوراً انجام بھی کردیتا۔ نہیں اُسنے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اُسنے اس مسئلہ پر مہینوں غور کیا اور نتیجہ

تدبیروں پر تدبیریں اور تجویزوں پر تجویزیں سوچتا رہا۔ اور ان امور کی تمام گزشتہ اور آیندہ حالتوں کو پیش نظر رکھکر اُن کو اپنی تجویزوں سے مطابق کرتا رہا۔ اپنی ان تجویزوں میں سب سے پہلے جس دشواری سے مامون کو سامنا کرنا ہوا وہ بنی عباس کی مخالفت تھی۔ کیونکہ انکی فرقہ بندی۔ نا اتفاقی اور پوشیدہ کارروائیاں سب اُسکے ذہن نشین ہو رہی تھیں۔ اور امین کے زمانہ سے لیکر اسوقت تک ان لوگوں نے جیسے جیسے رنگ بدلے وہ سب اُس کی آنکھوں کے سامنے گزرے۔ اس لئے مامون نے سب سے پہلے انہیں کی اصلاح کو ضروری اور مقدم سمجھا۔

مامون قبل اس کے کہ فضل کی رائے کے مطابق ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مطہر و مقدس دائرے سے کسی بزرگ کو منتخب کرے اُس نے پہلے انہیں لوگوں (بنی عباس) میں اپنے مطلوب کی تلاش کی اور بنی عباس کے موجودہ لوگوں میں۔ جنکی تعداد بقول صاحب روضۃ الصفا تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی ایک ایک شخص کی نسبت غور کیا اور سوچا۔ مگر اپنے تمام سلسلہ میں کسی کو اس امر عظیم کے شایاں اور سزاوار نہ پایا۔

مامون کی غایت عاقبت بینی اور دوراندیشی نے ان امور میں محض اپنے ارادہ۔ خیال اور اپنی ہی تجویز پر اکتفا نہیں کی۔ اُسنے سوچا کہ مینے جو کچھ اُن کے ناقابل انتخاب ہونے کے متعلق تجویز کیا ہے وہ اُنکو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اس صورت میں یہ زبانی دلائل اور خیالی قرائن اُنکے لئے تشفی دہ اور تسکین بخش نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ضرور ہے کہ انتخاب ولیعہد کا موجودہ مسئلہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اُن کے سامنے پیش کیا جاوے کہ پھر وہ آیندہ اس میں کوئی عذر اور کوئی اعتراض نہ قائم کر سکیں۔

اس مفید ضرورت کو مدنظر رکھکر مامون نے تمام بنی عباس کے نام خط لکھے جانے کا حکم دیا حکم کی دیر تھی۔ عاملان ملکی کے ذریعہ سے بہت جلد تمام ممالک محروسہ کے عباسیوں کی تعداد اور اُن کے متعلق تمام احوال اور ذاتی اوصاف حاکم شہر یا قاضی دیہ کے مہر و دستخط سے مرتب ہو کر دار الخلافت میں پہنچ گئے۔ جب یہ طومار پیش ہوا تو مامون نے پھر بار دیگر ہر فرد پر بکمال غور و خوض سے غور کیا اور ایک عرصہ تک ایک ایک کے اوصاف و اطوار پر نظر ڈالتا رہا۔ مگر آخر میں تیس ہزار کامل نفوس میں مامون نے ایک نفس واحد کو بھی امر ولیعہدی کے قابل اور شایاں نہ سمجھا۔

جب بنی عباس کی تلاش سے فراغت ہوئی تو سادات کے طبقہ میں بھی اُسکی تلاش اور فکر نے عرصہ تک ایسے ہی چکر پر چکر لگائے اور ان حضرات میں بھی کوئی بزرگ اُسکے مقصود کے

موافق نہ نکلا۔ اور سوائے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے اور کوئی مقدس بزرگوار سادات میں امر ولیعہدی کے سزاوار اور لائق نہ معلوم ہوا تو مامون نے فضل سے اپنی تجویز بیان کر دی۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کا انتخاب فضل نے کیا یا خود مامون نے؟

بعض تاریخیں بتلاتی ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو فضل نے ولیعہدی کے لئے تجویز کیا اور مامون سے کہکر اپنی اس تجویز کو صرف منظور کرا لیا۔ ہم نے جہاں تک اس امر کو تحقیق کیا ہے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ یہ امر خود مامون کی ذاتی تجویز ہے۔ چنانچہ اُس کا اپنا قول اسکی تصدیق کرتا ہے جیسا کہ وہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے محامد و اوصاف کو اپنے باپ ہارون کی زبانی نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اُسی دن سے آپ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ چنانچہ علوم کاظمیہ میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھا گیا۔ اس کے علاوہ۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے اظہار محامد اور فضائل میں کثیر التعداد اقوال تمام کتب اسلامی میں موجود ہیں۔ جو آیندہ واقعات سے اپنے اپنے مقام پر معلوم ہونگے۔ مامون کے خاص اقرار اور دیگر قرائن سے پورے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مامون آپکے محامد و اوصاف سے پورا واقف تھا۔ اور ان امور سے اُسکی عدم واقفیت اور لاعلمی کی کوئی وجہ نہیں بتلائی جا سکتی۔ یہ صحیح ہے اور بالکل صحیح ہے کہ مامون کو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں قبل سے کوئی تعلق اور کوئی رسوخ حاصل نہیں تھا۔ کیونکہ مامون بغداد میں تھا اور آپ مدینہ میں۔ پھر مجالست اور مکالمت کا کوئی موقع جانبین کو نہ مل سکا جو معرفت کلی کا باعث قرار دیا جاوے۔ تو اس سے یہ ضرور نہیں ہوتا کہ اگر کسی کو نہ دیکھا جاوے اور اُس سے ہمکلام ہونیکا اتفاق بھی نہ پایا جاوے تو اُس کے اوصاف و محامد بھی نہ معلوم ہو سکیں۔ اور اُسکی قابلیت۔ استعداد اور جامعیت کی بھی اطلاع نہو سکے۔ یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اور نہ کوئی عقل والا اسے قبول کر سکتا ہے۔ بخلاف اسکے مامون جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ذاتی اوصاف سے خوب واقف تھا۔ اس لئے مامون نے بذات خاص انکو منتخب کیا۔ باقی رہا یہ امر کہ فضل بھی مامون کی اس تحریک و تجویز میں شروع سے آخر تک شریک ضرور تھا اسکو ہم بھی مانتے ہیں۔ واقعی بات یہ ہے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے اوصاف و محامد کی عام قبولیت اپنے انتہا اور کمال کے درجہ تک خود اتنی پہنچی ہوئی تھی کہ اس مسئلہ پر غور کرتے وقت جس طرح مامون کے دل میں آپ کا نام نامی آیا اُسی طرح فضل کے ذہن میں بھی۔ اور جب دونوں شخصوں کو اپنی تجویزوں کے ظاہر کرنیکا وقت آیا تو دونوں نے بیک وقت آپ ہی کا نام لیا۔ اس وجہ سے مامون کا مخصوص نام زد کرنا بھی

ویسا ہی صحیح مانا جا سکتا ہے جیسا فضل کا انتخاب کرنا درست کہا جاتا ہے۔ باقی رہا مورخین کا اختلاف وہ محض معمولی ہے۔ بات یہ ہے۔ جسکو جیسے اسناد ملے اُسنے اُسپر اعتبار کرکے تحریر کر دیا۔ اور اسکے لئے وہ جواب دہ اور ملزم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ تاریخ طبری کی عبارت سے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے انتخاب کا مسئلہ دونوں کے متفقہ غور و فکر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ وہو ہذا۔

خبرہائے بغداد بمامون نمیرسید و فضل بن سہل بسیارے ازوے می پوشید۔ ہر می گفت کہ علویان ایں ہمہ می کنند۔ و در ہر شہر علوی برخاستہ است۔ و خویشتن را دعوت میکنند۔ و نمی گفت کہ ایں ہمہ از بہر حسن می کنند۔ کہ او را بخواہند۔ مامون گفت حالا چہ باید کردن۔ و با ایشاں چہ تدبیر بعمل باید آوردن۔ آخر ایشاں باینجا افتادند کہ یک تن از علوی را بگیرند مردے پارسا و باعلم کہ او را بحق تشناسد۔ و مامون او را بخراسان بیاورد۔ و عہد خویش و خلافت پس از خویش او را بدہد تا علویان بدانند کہ پس از خلافت از فرزندان عباس رضی اللہ عنہ بیرون شدہ و بعلویان افتادہ تا ایشان بیارامند۔ و برایں علویان گرد آیند بحضرت مامون و علویان ہر یک را بجائے خویش بنشانند۔ پس بنگریست کہ ایں کار کرا شاید۔ مرا۔ ابن زید النار را برادرے بود علی علیہ السلام و از ہمہ علویان کسی ازوے داناتر و پارساتر نبودے و او پسرزادۂ حضرت جعفر صادق علیہ السلام بود۔ و نسب او ہمچنیں بود کہ علی ابن موسےٰ ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن علی علیہم السلام و او را پسرے بود کہ نام وے محمد ابن علی ابن موسےٰ علیہم السلام (حضرت امام محمد تقی علیہ السلام) بود۔ ہمچنیں باعلم و دانش۔ پس مامون با فضل تدبیر کرد کہ او را سبغداد بیاورند تا مامون او را ولیعہد خویش کند و مذہب شیعہ اندر میان خلائق پیدا کند۔ طبری صفحہ ۸۷۷۔

فاضل مؤرخ کے اس فقرہ سے کہ "آخر ایشاں باینجا افتادند کہ یک تن از علویان بگیرند" ثابت ہوگیا کہ سادات کی ولیعہدی کا مسئلہ فضل اور مامون دونوں کی متفقہ تجویزوں کا نتیجہ تھا۔ اور آگے چل کر دوسرے فقرے سے کہ "مامون با فضل تدبیر کرد کہ او را (حضرت امام موسی رضا علیہ السلام را) ببغداد بیاورند تا او را ولیعہد خویش کند" سے ظاہر ہوگیا کہ مامون نے فضل سے صلاح لیکر جناب امام موسی رضا کو بغداد میں بلا کر ولیعہد بنائے جانے کا حکم کیا۔

صاحب روضۃ الصفا بھی ایسا ہی لکھتے ہیں۔ انکی عبارت یہ ہے۔ بعد از تدبیر و تامل بسیار قرعۂ اختیار بامام عالیمقدار حضرت علی ابن موسی الرضا علیہ السلام افتاد" ان دونوں معتبر تاریخی اسانید سے ہمارے دعوے کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔

کیا فضل ابن سہل شیعہ تھا؟

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ چونکہ فضل شیعہ تھا۔ اس لئے اُسنے مامون کو اپنی عقیدت اور خلوص کے تقاضہ سے آپ ہی کے نامزد کیئے جانے اور ولیعہد بنائے جانے کے لئے صلاح دی۔ ایسا خیال محض لغو ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے فضل کا شیعہ ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔ ہم فضل کی حقیقت مذہب کے متعلق لکھ آئے ہیں کہ اس کی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا حال کسی کے ساتھ تحقیق نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر ہوتا ہے تو آل برامکہ کے ساتھ۔ جنکا کلیتًا ساختہ و پرداختہ تھا چنانچہ اسکی شیعیت کی تردید میں جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

وان الفضل ابن سهل لم يزل معاديا مبغضا له كارها لامره لانه كان من صنائع آل برمك

فضل ابن سہل ہمیشہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کا مخالف اور دشمن بنا رہا ہے اور آپکی ترقی سے کراہت رکھتا تھا کیونکہ وہ تو آل برمک کا ساختہ و پرداختہ تھا۔

جب ایک شیعہ عالم کسی مرد شیعہ کی تصدیق نہ کرے تو کسی غیر شیعہ کی تصدیق اُسکی شیعیت کی تحقیق کے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔ ابن اثیر۔ طبری۔ ابو الفدا اور روضۃ الصفا میں تحریر ہے کہ فضل کی غفلت اور فروگزاشت پر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے مامون کو پورے طور سے متنبہ کیا تھا۔ اور ملک کی تمام بے چینیوں کو اُسی کی غفلت اور استمالت کا نتیجہ بتلایا تھا بلکہ اپنے بیان کی تصدیق اور اُسکی فروگزاشتوں کی تحقیق میں اکثر معززین اسلام کی گواہیاں گزرانی تھیں۔ اگر فضل شیعہ ہوتا تو آپ اُسکے امور خلاف کی اصلاح خود فرماتے اور اُسکے قصوروں کو مامون کے کانوں تک پہنچنے دیتے۔ اور قبل اسکے کہ وہ شاہی عتاب میں گرفتار ہوتا اُسکی تمام فروگزاشتوں کو آپ درست کر دیتے۔ یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ آپکی عقیدت اور اتباع سے باہر تھا اور وہ ہرگز شیعہ نہیں تھا۔ ہم اکثر ابنائے زمانہ کو اس عام غلط فہمی میں گرفتار پاتے ہیں اور وہ حضرات بعض غیر مفید اور ضعیف الاسناد واقعات دیکھکر اکثر لوگوں کو فورًا شیعہ کہدیتے ہیں۔ اگر وہ اُنکے احوال میں ذرا بھی غور و تامل سے کام لیں تو اُنہیں اپنی رائیں فورًا واپس لینی ہونگی۔ یحیےٰ۔ جعفر۔ فضل ابن یحیےٰ بلکہ قریب قریب تمام آل برمک اور ایسے ہی فضل ابن سہل اور حسن ابن سہل ان تمام لوگوں پر شیعہ ہونیکا گمان کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تشیع کے دائرہ سے یہ تمام حضرات کوسوں دور ہیں۔ نہ برامکہ شیعہ تھے۔ نہ فضل ابن سہل وغیرہ۔ برامکہ کی اصلیت تو کسی قدر ہم علوم کاظمیہ میں لکھ آئے ہیں۔ اُنکے کامل الاسلام ہونے کی تصدیق تو ہو ہی نہیں سکتی شیعہ ہونا تو ان کا کوسوں دور ہے یہی

فضل اور حسن وغیرہما کی بھی کیفیت ہے۔ سہل کا خاندان کا خاندان برمک کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ اور اسلام کی تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ فضل ابن سہل نے یحییٰ برمکی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اسی ایک بیعت کے معاملہ سے فضل اور یحییٰ دونوں حضرات کی کامل الایمانی کی حقیقت معلوم ہوگئی برامکہ کو شریعت اسلامی میں کونسا اعزاز اور امتیاز حاصل تھا جو یہ مسلمانوں سے اپنی بیعت لیتے تھے۔ نہیں معلوم کہ یہ کس شریعت کے امام کس زمانہ میں تسلیم کیے گئے اور کس طریقت کے مرشد اور شیخ الطائفہ قرار دئے گئے۔ اور انکا پانچواں یا چھٹا مصلا الحسن کعبہ میں تیار کیا گیا۔

ان حالات سے معلوم ہوگیا کہ برامکہ اسلام کے تمام شرعی آثار اور دینی معیار کو محض معمولی اور برائے نام سمجھتے تھے۔ اسی طرح فضل نے بھی اسے ایک روزمرہ کا معمولی کام سمجھکر کسی عالم دین یا حاکم شریعت کی تلاش نہیں کی۔ اور اپنی زر پرستی اور شکم پرستی کے تقاضہ سے جو اسکا پیٹ بھرتا تھا۔ اُسی کے سامنے اپنی بیعت کا ہاتھ بھی پھیلا دیا۔

اگر حقیقت حال دریافت کی جاوے تو ہم صاف صاف لفظوں میں لکھے دیتے ہیں کہ ان لوگوں کا حقیقت میں کوئی مذہب نہیں تھا۔ اگر اُن کا کوئی مذہب تھا تو دنیا طلبی۔ اور اگر اُن کی کوئی شریعت تھی تو ضرورت وقتی۔ جو ہمارے موجودہ زمانہ کی عام اصطلاح میں پوالیسی (Policy) کے لفظ انگریزی سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔

چونکہ دنیا اور دنیا کی دولت اس وقت اسلامی سلاطین سے متعلق تھی۔ اور اُسکی تحصیل کی تمام ذرائع اُنکی خوشنودی اور اطاعت پر منحصر تھے۔ اس لیے ان لوگوں نے ظاہری طور پر تھوڑا بہت اسلام کا اقرار بھی کیا۔ ورنہ اگر دنیا کا تعلق اس وقت مسلمان بادشاہوں کے ساتھ نہ ہوتا اور اُن کے ذریعہ سے ان کی دنیا طلبی کی خواہشیں پوری ہونیوالی نہ ثابت ہوتیں تو یہ اقرار کیسا اسلام کا نام بھی زبان سے نہ لیتے یہ تو ہر حال اور ہر زمانہ میں اُسی طرف جھکتے جدھر دنیا ہوتی۔ خدا پرستی چھوڑ کر دولت پرستی ان کا فطرتی شعار تھا۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ پھر ہم کو ان لوگوں سے کسی خلاف فطرت امر کی کب امید رکھنی چاہیئے۔

ان لوگوں نے جو کچھ کیا۔ یا اسلام کے متعلق جو کچھ انکے اخبار و آثار میں یادگار پایا جاتا ہے وہ تمام امور سلطان وقت کی خوشنودی اور رعایا کی رضامندی حاصل کرنے کے عام اصول پر مبنی تھے۔ ان معاملات کے اظہار کو ہم اُنکی امرا پرستی کی ایک حسن تدبیر سمجھتے ہیں اور بس۔ نہ یہ اسلام کی طرف اُنکی عقیدت تھی۔ نہ خلوص اور نہ ارادت۔ اور اگر ہوں بھی تو وہی وقتی ضرورتیں اور موقع کی احتیاج۔

"اُسکا بنیا سودا کرے"۔ جن کو وہ صرف اپنی موجودہ ثروت و اقتدار کے قائم اور برقرار کرنیکی غرض سے عمل میں لائے۔ ورنہ وہ کہاں اور اسلام کے شرعی آثار اور دینی ایثار کہاں۔ این خیال است و محال است و جنوں۔

ہمارے ابنائے زمانہ کو ان لوگوں کے شیعہ ہونے کا جو اکثر شبہہ ہو جایا کرتا ہے۔ اور فضل ابن یحیٰے اور فضل ابن سہل کو وہ خصوصاً شیعہ سمجھ لیتے ہیں۔ اُسکا اصلی باعث یہ ہے کہ ہارون کے وقت سے لیکر مامون کے نصف ایام حکومت تک فضل ابن ربیع۔ دارالحکومت بغداد میں وزارت کے عظیم الشان منصب پر ممتاز رہا۔ وہ شیعہ تھا۔ اور ضرور شیعہ تھا۔ ہارون نے کئی بار فضل کے قتل کا قصد بھی کیا۔ مگر اُسکی جامعیت اور استعداد اور اُسکا اعتبار اُسکے آگے اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ہارون اُسکے قتل کرنے کی تجویز کو عملی صورت میں نہ لا سکا۔ فضل ابن ربیع منصور کے وقت سے مشیر سلطنت تھا۔ اور حجاب سلطانی کے معزز عہدے پر ممتاز تھا۔ اور عباسیوں کے ملکی، مالی اور فوجی، غرض تمام امور میں پیش پیش تھا۔ اس لئے عباسیوں کے اخبار و آثار میں جس کثرت سے آل برمک اور اولاد سہل کے نام پائے جاتے ہیں اُسی افراط سے نظام ملکی کے ہر صیغہ میں فضل ابن ربیع کا نام بھی دیکھا جاتا ہے۔ تاریخوں کے دیکھنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ ایک ہارون کے زمانہ میں فضل ابن یحیٰے بھی موجود تھا اور فضل ابن ربیع بھی۔ ان وجہوں سے یہ صحیح اور یقینی امر ہے کہ ایک نام ہونے نے ہمارے ابنائے زمانہ کو موجودہ شبہہ میں ڈالدیا ہے۔ اور فضل ابن ربیع کے شیعہ ہونے کو کتابوں میں لکھا ہوا پاکر انہوں نے فضل ابن یحیٰے اور فضل ابن سہل کو بھی ایسا ہی سمجھ لیا۔ چونکہ تاریخ کی کتابوں میں حدیث اور رجال کی کتابوں کی طرح نام ابنیت کی قید کے ساتھ نہیں لکھے جاتے اس لئے ان لوگوں نے ایک فضل ابن ربیع کی نسبت شیعہ ہونا معلوم کرکے تمام دنیا بھر کے فضل کو خواہ مخواہ شیعہ بنالیا۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے متعلق تمام ضروری باتیں

بہرحال۔ اس جملہ معترضہ کو تمام کرکے اب ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ مامون نے باوجود اسکے کہ اُسکے اسلاف اور تمامی اُسکا برخاندان کو سادات کے ساتھ ایک خاص عداوت تھی اور یہ مبارک سلسلہ ہمیشہ سے اُن کے مظالم اور شدائد کے زیر اثر چلا آرہا تھا۔ منصور نے اسکے تباہ و برباد کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہ ظاہر ہے مہدی اور ہادی نے جو سلوک کئے وہ معلوم ہیں۔ ہارون نے جیسی جیسی تکلیفیں پہنچائیں وہ دنیا کو ابھی یاد ہیں۔ پھر مامون نے اپنے اسلاف کے خلاف جناب

امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ اسوقت اپنے اخلاص و عقیدت کی جو جو خدمات ظاہر کیں وہ آخر کس اصول پر سمجھی جائینگی۔

واقعات کے اعتبار سے تو ہم اس قسم کے مضامین کو اپنی موجودہ التزام تالیف اور ترتیب مضامین کے خلاف سمجھتے ہیں مگر ضرورت کلام اور مناسبت مقام مجبور کر رہی ہے کہ ہم آپ کی ولیعہدی کے متعلق تمام جزئیات اور کلیات کو اصل واقعات کے بیان کرنے سے پہلے لکھدیں۔ تاکہ اسکے متعلق جو جو غلط فہمیاں عام طور سے عالمگیر ہو رہی ہیں اور مختلف اقسام کے شبہات اور بے بنیاد خیالات جو اسکے متعلق پیدا ہو رہے ہیں۔ اور خصوصاً اس زمانہ کی خام تحقیقات کے طبقہ میں اس مسئلہ کی وجہ سے جو بے چینی پھیلی ہوئی ہے وہ سب ایک بار رفع ہو جاوے۔

ہم ان امور کے سلسلہ میں پہلے مامون کی اُن مجبوریوں کو بیان کرتے ہیں جنکی وجہ سے اُس نے اپنے اسلاف کی سیرت کے خلاف حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو اپنا ولیعہد مقرر کیا۔ ہم اپنے ناظرین کو اپنی اُس تحریر کا حوالہ دیتے ہیں اور اُنہیں یاد دلاتے ہیں کہ سلسلہ عباسیہ میں ولیعہدی کا مسئلہ برابر تغیر پذیر اور ایک سخت امر خطرناک ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ جس سے ہزاروں مفسدے پیدا ہوئے اور شاہی خانوادے میں سخت اختلاف قائم ہوا۔ اور ایک دوسرے کا طرفدار بنکر خاندان عباسیہ میں فرقہ بندی ہو گئی۔ جیسا کہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہوا

ان تمام امور کو مد نظر رکھکر مامون پہلے ہی سے اپنی ولیعہدی کے مسئلہ میں سخت متردد اور متفکر ہو رہا تھا۔ اور وہ بنی عباسیوں کی موجودہ رفتار و کردار پر اپنے تعمق کی نظر ڈالکر اُن کو اس امر کے شایان اور سزاوار نہیں سمجھتا تھا۔ ان کی طرح اُسکو سادات کی پرجوشیوں نے بھی سخت اضطراب میں ڈال رکھا تھا۔ اور وہ عباسیوں کی پُرآشوبیوں کے اثر سے سادات کی پُرجوشیوں کو ہرگز کم نہیں سمجھتا تھا۔ مامون بالآخر فرمانروا تھا۔ مدبر تھا۔ شعور رکھتا تھا۔ عقل والا تھا۔ اُسکی دربار و صحبت میں بڑے بڑے علماء، فضلاء اور حکماء جمع رہتے تھے۔ اور ہر قسم کے ملکی معاملات اُسکی خدمت میں پیش ہوتے تھے۔ اور فیصل پاتے تھے۔ ان وجوہ سے اُسکی عقل سے اُسکا تجربہ بھی کم نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اور وہ ان معاملات پر کامل غور کر چکا تھا۔ اور اُسکے ساتھ اُسکے تمام درباری عمائد بہ اتحاد رائے صرف کر چکے تھے۔ اور مامون نے بالآخر ان لوگوں کے صلاح و مشورے سے ایک سید کے ولیعہد بنانے کو ایک بنی عباس کے منتخب اور نامزد کئے جانے پر ترجیح دی تھی۔ کیونکہ اس عام پرجوشی کے موجودہ زمانے میں [illegible] سے لیکر حجاز تک جس طرح سادات کا اثر پھیلا ہوا تھا [illegible]

کیونکہ بنی عباس کو سوائے قرابت سلطانی کے اور کوئی ذاتی وجاہت اور عظمت حاصل نہیں تھی
ان کے خلاف سادات میں استحقاق فی الخلافت کے علاوہ تمام ذاتی اور صفاتی عظمت اور
جلالت موجود تھی۔ اس لئے اُن کی اطاعت اور متابعت کے اثر ملک اور رعایا پر جس قوت
اور عجلت سے پڑتے تھے ویسے بنی عباس کے نہیں۔ انکے پاس سوائے سطوت سلطانی کے
اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اسی وجہ سے عباسیوں نے سوائے اس کے کہ قصر شاہی میں بیٹھے بیٹھے اپنی
ہمت وجرأت کے زبانی جمع خرچ لگائیں اور بغداد کی سجی سجائی فوج اور سنہرے لٹکائے آلات
واسلحات پر اپنی مہر لگائیں اور خاص بغداد کی اندرونی رعایا پر اپنی پوشیدہ حکومت کا دورہی
دور سے سکہ جمائیں۔ اپنے ایک قدم بھی باہر نہ نکالے اور کبھی میدان پکڑ کر حریف کے مقابلہ پر
نہ آئے۔ ان کے برعکس سادات نے مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے یمن تک اپنی امارت اور حکومت
کا رنگ جمالیا۔ اور کچھ حجاز ہی پر موقوف نہیں عراق میں بھی ایسی ہی یلغاروں پر یلغاریں کرتی
رہے۔ کوفہ سے بصرہ۔ بصرہ سے واسط اور واسط سے اہواز تک ملک کا ملک ایک کر ڈالا اور
ان مقامات میں علی رؤس الاشہاد اپنی امارت اور سلطنت کا اعلان کیا۔ مصر اور شام والوں
نے دعوت کے خود اپنی طرف سے پیام بھیجے۔ دیکھو روضۃ الصفا اور طبری۔ اس سے بڑھکر انکے
تسلط اور تصرف ملکی کے اور کیا ثبوت ہونگے کہ ۱۹۸ھ ہجری میں کوفہ۔ بصرہ اور واسط میں خطبہ
سے مامون کا نام نکالدیا گیا اور اُسکی جگہ محمد ابن محمد کا نام امیر المومنین کے لقب کے ساتھ داخل
کیا گیا۔ اور تمام رعایا نے اسے قبول کرلیا۔ اور کوئی عذر اور مزاحمت نہیں کی۔
اس میں شک نہیں کہ عباسی بھی فکر امارت میں لگے ہوئے تھے مگر وہ امید وبیم کی حالتوں میں مبتلا
تھے۔ اسلئے وہ اپنے امور کو سادات کی طرح علانیہ ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔ وہ تو کچھ نہ کرسکے اور
سادات نے سب کچھ کرلیا۔ تو ان واقعات کا دیکھنے والا سادات کے معاملات کو عباسیوں
کے امور پر ضرور ترجیح دیگا۔ اور ان کے معاملات کو اُنکے امور سے زیادہ قوی اور پُر اثر سمجھیگا
اسی لئے مامون نے بھی کامل غور اور خوض کے بعد ولیعہدی کے خاص مسئلہ میں سادات کو عباسیوں
پر پوری ترجیح دی تھی۔ اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو چھوڑ کر سادات کے سلسلہ میں اپنے
انتخاب کو قائم کیا تھا۔

کیا مامون شیعہ تھا

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو ولیعہد بنائے جانے کے مسئلہ میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ فضل ابن سہل

نے مامون کو بھی اپنے افراط اخلاص واتحاد سے شیعہ بنالیا تھا اور اُسنے اپنے شیعہ ہونکی رعایت سے آپ کو اپنا ولیعہد بنایا۔ یہ بھی خیال ہی خیال ہے۔ اگر ایسے قیاس کرنے والے حضرات انسان کو صرف زبانی اقرارہی کو اُس کا مذہب تسلیم کرتے ہیں تو پھر کیا ہے۔ مامون بھی شیعہ تھا اور اُس کا باپ ہارون بھی۔ اور ہارون کا باپ ہادی بھی شیعہ تھا اور اُسکا باپ مہدی بھی اور پھر ان سب کا مورث اعلےٰ اور ابوالجدّ منصور دوانیقی عباسی بھی شیعہ تھا۔ کیونکہ ان سبنے اپنے اپنے معاصر ائمہٴ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی علو مرتبت اور عظمت کی تصدیق کی ہے منصور نے تو کُھلے کُھلے لفظوں میں کہدیا کہ ہم اہلبیت میں ایک محدث ہوتا ہے جو جملہ علوم انبیائے مرسلین سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کا وارث ہوتا ہے۔ اور وہ بزرگ ہمارے زمانہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ محمد ابن سکندری کی ایک تعریض کے جواب میں ڈانٹ کر کہا کہ ہم کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاملات میں سحر وغیرہ کا گمان کرنا محض بیجا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ اُن کے پاس وہ اسمائے الہٰی ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے اور جس کے زور سے آپ جو چاہتے تھے کر لیتے تھے۔ اپنے حاجب ربیع سے کہا کہ میں حقیقت میں تجھ سے زیادہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظمت وجلالت کا جاننے والا اور اُن کے مراتب ومدارج کا پہچاننے والا ہوں۔ ان امور کے علاوہ سواداعظم کے جملہ علمائے اعلام کا اسپر اتفاق ہے کہ آپکو صادق کا لقب منصور ہی نے عنایت کیا تھا کیونکہ سب سے پہلے عباسیوں کی سلطنت کی پیشین گوئی آپ ہی نے ارشاد فرمائی تھی۔ اور کہدیا تھا کہ ان لوگوں کا پہلا بادشاہ منصور ہوگا۔

اس کے اتنے متعدد اور متواتر اقرار دیکھکر اور پڑھکر منصور کے شیعہ ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے مگر پھر اس خلوص وعقیدت کے ساتھ ہی منصور کے اُن معاملات پر غور کیا جاوے جو اسنے آپکے ساتھ پیش کئے تو معلوم ہوجائیگا کہ منصور سے بڑھکر آپ کا مخالف اور دشمن بھی کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اور اُس کے اخلاص وعقیدت کے تمام معاملات وقتی حیلے اور رفع ضرورت کے تکلّے تھے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ تو پھر آپ کے مقابلہ میں ابوحنیفہ کوفی کو امام اعظم اور تمام بلادِ اسلامیہ کا قاضی اور مفتی بنانا اور پھر اُسپر بھی بس نہ کرنا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسئلہ پوچھنے والے پر ایک اشرفی جرمانہ کرنا۔ اور ابوحنیفہ کوفی سے مسئلہ پوچھنے والے کو ایک اشرفی انعام دینا کیا معنی۔ ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ ان معاملات کو دیکھکر منصور کے مذ

اقرار وہ اعتقاد اور وہ شیعیت سب رخصت اور الفظ ہو جاتی ہے۔
منصور کو چھوڑئیے۔ مہدی کو لیجیے۔ تو انکی ابتدائی سلطنت میں بھی جیسا کہ ہم عیسیٰ ابن عبداللہ کے واقعہ میں لکھ آئے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ اپنی اخلاص و عقیدت کو اس درجہ اور اس پیمانہ پر دکھلایا کہ انکے شیعہ ہونے میں بھی ہمارے زمانہ کے سہل پسند حضرات کو کوئی دقت اور عذر نہیں ہو سکتا تھا۔ انعام پر انعام دلوائے۔ ہدیے پر ہدیے پیش کئے۔ آپ کے اور آپکے والد ماجد جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے تمام محامد و اوصاف اہل اسلام کے مجمع میں علانیہ بیان کئے۔ اور اُن پر اور اُنکی ذریات پر صلوات بھی بھیجی۔ یہ سب کچھ کیا گیا۔ مگر تھوڑے دن آگے چل کر پھر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد میں بلا کر کامل ایک برس تک قید بھی کر دیا۔ ہاں شورا شوری و باین بے نمکی۔ کہاں وہ جوش عقیدت کہاں یہ عداوت۔ کہاں تو وہ قدر و منزلت کی گئی اور کہاں یہ رسوائی اور ذلت۔ خدا خدا کرکے مشاہدات روحانی سے متنبہ ہوئے اور جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی رہائی پر آمادہ بھی ہوئے تو آپ کی مخلصی کے وقت تک انکی اندرونی خلش اور باطنی کاوش نہ گئی۔ پھر نہ گئی۔ آپ سے پوچھنے لگے کہ آپ میرا اتنا اطمینان فرما دیں کہ آپ مجھ پر یا میرے بعد میری اولاد پر خروج یا فوجکشی تو نہ فرمائینگے۔ آپ نے اپنی امامت کی پوری شان میں ہوکر مہدی کو جواب دیا کہ یہ میری شان نہیں ہے۔ مہدی کو چھوڑیئے ہادی کو دیکھیے۔ تو انکے ابتدائی رنگ میں بھی عقیدت و خلوص کی وہی ظاہری آب و تاب پائی جاتی ہے۔ مگر چھ ہی سات مہینے کے بعد انکا رنگ بھی بالکل پھیکا پڑ گیا۔ اور انہوں نے بھی اپنی یک و نیم سالہ سلطنت کے قلیل زمانہ میں ایک برس قید کی سزا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دے ہی دی۔

ہارون کی سلطنت کے ابتدائی ایام تو سکوت اور خاموشی میں صرف ہوئے جس سے ہر شخص سمجھتا تھا کہ یہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ کوئی مخالفانہ اور بے ادبانہ امر پیش نہیں کر سکتا۔ مگر آگے چلکر اسکی خموشی دبی ہوئی چنگاری ثابت ہوئی۔ اور جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ اسکی عداوت اور خصومت ایسی بڑھی کہ آخر کار اس نے آپکو دائم الحیات حبس دوام میں گھلا گھلا کر مار ہی ڈالا۔

ہارون کے حالات پر جہاں تک غور کیا جاتا ہے وہاں معاملہ ہمیشہ سے نرالا معلوم ہوتا ہے اسکے قبل الوں کی یہ روش تھی کہ وہ اپنی عقیدت کے زمانہ تک ان حضرات کی ظاہری مخالفت سے

ضرور رُکے رہتے تھے۔ اور پھر مخالفت کے وقت میں عقیدت اور خلوص وارادت وغیرہ کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ مگر ہارون کی تلوّن مزاجی اور خفیف الحرکاتی ایسی تھی جو عقیدت اور عداوت دونوں کا اظہار بیک وقت کرتی تھی۔ اُسکی بے حمیتی اور بے شرمی کو آپکی عداوت کے ساتھ ہی آپ کی علو مرتبت اور عظمت کا بھی کامل اعتراف تھا۔ بعض واقعات سے منصور کے انداز بھی ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ منصور مخالفت کے وقت ان حضرات کے فضائل و مراتب کا اشارتاً اور محض خفیہ طور پر اقرار کرتا تھا۔ اور پھر اپنے ایسے اظہار اور اقرار کو ایک خاص حد تک محدود رکھتا تھا۔ مگر ہارون کی روش امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فضائل و مراتب کا تنہا اقرار نہیں کرتی تھی بلکہ اپنے مقابلہ میں آپ کو خلافت کا حقدار۔ امامت کا پورا پورا سزاوار ثابت کرتی تھی۔ اور الفضل ما شہدت بہ الاعداء کی پوری اور سچی تصویر پیش کردیتی تھی۔ جیسا کہ صاحب روضۃ الصفا فصل الخطاب کے اسناد سے ہارون کا قول ذیل کی عبارت میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الرشید فی حق امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام ھٰذا امام الناس وحجۃ اللہ علیٰ خلقہ وخلیفتہ علیٰ عبادھم انا امام الجماعۃ فی الظاھر والغلبۃ والقھر واللہ لاحق بمقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم منی ومن الخلق جمیعاً واللہ لونازعنی فی ھٰذا الامر لاخذن الذی فیہ عیناہ فان الملک عقیم۔

ہارون رشید نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ آپ تمام لوگوں کے امام ہیں اور بندگان خدا کے لئے خدا کی حجت اور خدا کے نائب ہیں۔ ہم لوگوں نے ظاہری طور پر غلبہ اور سطوت کے زور سے جماعت اسلامی کی امامت لے لی ہے ورنہ اصل میں آپ ہی جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم مقام اور جانشین ہونے کے لئے مجھ سے اور تمام دنیا سے زیادہ مستحق اور موزوں ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ اب کیا۔ اگر یہ بھی کوئی عزیز ترین اولاد بھی میرے امر حکومت میں میرے ساتھ مخالفت کرے تو میں اُسکی آنکھیں بھی نکلوالوں۔ کیونکہ ملک دولت عقیم ہے۔

ہارون رشید کا اعتراف ایسا جامع اقرار ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فضائل و مراتب امامت اور خلافت کا اقرار کرتے ہوئے ہارون نے اپنی اُس ضرورت اور احتیاج خاص کو بھی اسی کے ساتھ بیان کردیا جسکی وجہ سے اُس کے اور اس کے تمام بزرگوں کے عقیدتمندانہ اور مخلصانہ تعلقات میں فوری تغیر و تبدل پیدا ہوجایا کرتا تھا۔ اور آخر میں وہ عقیدت اور ارادت خصومت

وعداوت سے بدل جایا کرتی تھی۔
ہارون نے اپنی اس تقریر میں بالکل سچائی سے کام لیا ہے۔ اور حقیقت میں یہ سلطنت حکومت اور دنیاوی دولت و ثروت کے تعلقات ہی تھے جو اس کو اور اس کے بزرگوں کو کسی طرح ان حضرات کی عقیدت اور ارادت پر مستقل اور قائم نہ رکھ سکے۔ جب تک غرور سلطنت اور ضرورت ملکی کا قدم درمیان میں نہیں آتا تھا سب کچھ ہوتا تھا۔ ان حضرات کے ساتھ اخلاص و اتحاد کے اقرار بھی تھے اور انکی عظمت وجلالت کے اعتراف بھی۔ مگر جب شاہی کی شان آئی اور فرمانروائی کی آن۔ تو پھر کچھ بھی نہیں تھا۔ جیساکہ واقعات سے ظاہر ہے۔ اور پھر ایسی حالت میں ہارون اور اس کے قبل کے عباسی سلاطین کو شیعہ کہنا۔ اور انکے تشیع کا اقرار کرنا کسی عقل والے کا تو کام نہوگا۔ مامون کی شیعیت بھی بالکل ایسی ہی تھی جیسے ہم پوری تفصیل کے ساتھ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی شہادت اور مامون کی تحقیق مذہب کے مقاموں پر بیان کرینگے انشاء اللہ۔ مگر اپنے موجودہ سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی غرض سے یہاں اتنا اور لکھے دیتے ہیں کہ مامون کے ظاہری خلوص وعقیدت پر اعتبار کر کے اس کے شیعہ ہونے کا اقرار وہی شخص کریگا جس نے ان واقعات کی تصویر کو ایک رخ سے دیکھا ہوگا۔ ہماری تحقیق میں ان سب کا طریق اور مسلک ایک تھا۔ اور حقیقتاً یہ سب کے سب اپنی ضرورت اور مصلحت کے محکوم اور مطیع تھے۔ اور ہر دم و ہر لحظہ انہیں کے معتقد اور انہیں کے مقلد۔ ان کا مذہب انکا طریق ان کی پولیسی (تدبیر) تھی۔ اگر دنیا میں یہ کسی کے محکوم تھے تو اسی کے "

اتنے قرائن اور دلائل کی موجودگی میں یہ دعوے کہ مامون نے شیعہ ہونے کی رعایت سے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو اپنا ولیعہد بنایا تھا۔ ہرگز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

آخر مامون نے امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو کس ضرورت سے اپنا ولیعہد بنایا

اب رہا یہ امر کہ کس ضرورت سے مامون نے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو اپنا ولیعہد بنایا۔ وہ یہ ہے کہ اول تو ملکی بدنظمیوں کی اصلاحی ضرورتوں نے اس امر پر اسکو ہر طرف سے مجبور کردیا جیساکہ ابھی ابھی اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر اس صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ آگے اسکا یہ خیال مردہ ہوجاتا اور اپنے ممالک محروسہ میں ترقی اور اصلاح کے آثار دیکھکر اس عقیدت کو فراموش کردیا جاتا۔ مگر نہیں مامون کا یہ خیال مردہ نہیں ہوا۔ بلکہ اسکے انعقاد اور تعین میں ایک بہت بڑی اور فوری اور پرزور یادداشت نے اس کے دل میں چٹکی لیکر اسکو خواب غفلت سے

چونکا دیا اور ہوشیار بنا دیا۔ وہ یادداشت کونسی تھی۔ اور مامون کو اُس سے کیا تعلق تھا۔ مامون کی یادداشت حقیقت میں اُسکے اُس وعدے کے متعلق تھی جو اُس نے امین کے معاملہ میں اپنی کامیابی کی نذر کے طور پر خدائے سبحانہ تعالٰے سے کیا تھا۔ اسکی پوری کیفیت ہم عنقریب اپنے سلسلۂ بیان میں لکھتے ہیں۔ مگر ہم اس نذر کی حقیقت سے پہلے اُس کے اسباب کو بیان کرتے ہیں جن لوگوں نے تاریخی واقعات کی دیکھ بھال کی ہے وہ جانتے ہیں کہ امین کا مقابلہ کرنا مامون کے لئے کوئی معمولی اور آسان بات نہیں تھی تاریخی مشاہد بتلا رہے ہیں کہ امین کی قوت مامون سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ فوجی بھی۔ ملکی بھی اور مالی بھی۔ ملک کے سب بڑے بڑے اور زرخیز حصے امین کی قسمت میں آئے تھے۔ جہاں کی رعایا مرفہ الحال قوی اور بہت بڑی دلیر مشہور تھی۔ دارالخلافت کی تعلیم یافتہ فوج بھی امین ہی کے حصّہ میں آئی۔ اور یہ تو اچھی طرح معلوم ہے کہ جیسی دارالخلافت میں ہر طرح سے قوی اور تیار فوج رہتی ہے ویسی بیرونی ممالک میں نہیں رہتی تو یوں بھی مامون کو ایسی قوی اور دلیر فوج مرو میں نہیں ملی جیسی امین کو بیٹھے بٹھلائے بغداد میں ہاتھ لگ گئی۔ ملکی اور فوجی قوت تو یوں بڑھی۔ مالی قوت کی حقیقت یہ ہے کہ بغداد میں تمام سلاطین سابقین کا سرمایہ امین کے ہاتھ لگا۔ اور اس ذخیرہ کے علاوہ ہارون نے قصر سلطانی اور اُسکے تمام مال واسباب کو بھی امین ہی کے نام پر لکھدیا تھا اور ان چیزوں میں سے اپنے کسی بیٹے یا بیٹی کو کچھ بھی نہ دیا۔ اس وجہ سے امین کی مالی قوت بھی مامون کی موجودہ مالی حالت سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی۔ غرضکہ مامون کی کوئی قوت امین کے مقابلہ کے لئے کافی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اسی اثناء میں بھائی بھائی میں ٹھن گئی اور دونوں طرف سے مقابلہ پر آستینیں چڑھ گئیں۔ مامون نے بھی اپنی ہمت پر اعتبار کرکے مقابلہ کا اعلان کر ہی دیا اور طاہر ذوالیمینین کو دس ہزار فوج کے ساتھ عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ غرض یہ تمام امور ہو چکے اور جملہ مراتب طے پا چکے۔ تب مامون کی آنکھیں کھلیں۔ اور اپنے اور بھائی کے فرق مابہ الامتیاز کامل طور سے محسوس ہونے لگے تو اسپر ایسا ہراس طاری ہوا کہ مامون اپنے حواس میں نہ رہا۔ ایسا انتشار اور اضطرار لاحق حال ہوا کہ اُسکی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ ہوش اُڑ گئے اوسان خطا ہو گئے۔ اپنی تباہی اور بربادی کا کامل یقین ہو گیا۔ ناکامی اور بدنامی کی مہیب شکلیں آنکھوں میں دکھلائی دینے لگیں۔ غرضکہ ازسرتاپا مامون پر اضطراب وانتشار کا ایسا عالم طاری ہوا کہ اُسکا اندازہ ہماری تقریر و تحریر سے بالکل باہر ہے۔ تمام دنیا کی قوم وملت کا اسپر اتفاق ہے کہ ایسے ہی ایسے خاص وقتوں میں آدمی کے دل میں خدا کی سچی یاد آتی ہے اور اُسکے دل میں خالص

عقیدت اور پاک ارادت کے احساس پائے جاتے ہیں۔ اس وقت مامون کی بھی یہی حالت تھی اور اُس پر بھی یہی عالم طاری تھا۔ اُس سے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتا تھا۔ آخر کار جیسا کہ خود مامون کا بیان ہے کہ میں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنی دلی تشویش اور قلبی اضطرار کو اپنے کسی ارکان دولت سے نہ کہا۔ بلکہ اس امر میں زیادہ غوض و فکر کو اپنی زیادہ پریشانی کا باعث سمجھا۔ ایک دن اسی عالم میں دربار سے اُٹھا اور محل میں چلا گیا۔ اور اُسی وقت قصر شاہی کے حمام میں جہاں کسی کو میرے سوا نہانے کی اجازت نہیں تھی۔ چلا گیا۔ اور اپنے کسی خواص کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ میری مامور الخدمات کنیزوں نے اپنے کار خدمت انجام دینے کی ضرورت دکھلا کر ہر چند اندر آنے کیلئے مجھ سے اصرار کیا مگر میں نے نہ مانا۔ حمام کے دروازے بند کر کے غسل کرنے لگا۔ جب پورے آداب اور کامل احتیاط سے غسل کر چکا تو میں نے فوراً ایک ایسا پاک و پاکیزہ کپڑے کا جوڑا پہنا جو میری دانست میں میرے تمام موجودہ کپڑوں سے پاک و صاف تھا۔ کپڑے بدل کر میں فوراً اپنے گوشۂ محل میں چلا گیا جہاں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں جا سکتا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے مزید احتیاط کے خیال سے کواڑ بھی بند کر لئے۔ اور فوراً اپنا مصلا بچھا کر پہلے میں نے چار رکعت نماز نہایت خضوع و خشوع (اس وقت ضرور خضوع بھی ہوگا اور خشوع بھی۔ ہم بھی تصدیق کرتے ہیں) سے ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہوا بصد الحاح و زاری جناب باری عز اسمہ کی درگاہ میں امین کے معاملہ میں اپنے کامیاب ہونے کے لئے اس شرط کے ساتھ نذر کی کہ اگر امین کے مقابلہ میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی تو میں اس امر خلافت کو پھر اسکے مرکز اصلی کی طرف پہنچا دونگا۔ اور اُسی دائرے میں پھر لیجاؤنگا جہاں اُس کو خدا اور اُس کے رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رکھا اور پہنچایا تھا۔ لمعۃ الضیا فی عمدۃ اخبار الرضا۔

یہ تھی مامون کی وہ نذر۔ اور یہ تھا اُسکا وہ وعدہ جسکا ذکر ابھی اوپر کے تمہیدی بیان میں کیا گیا۔ اور اسی وعدے کی ایفائے مامون کو سیاسی ضرورتوں کے ساتھ مسئلۂ ولیعہدی کی تجویز کے وقت چونکا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ مامون نے موجودہ وقت میں جو کچھ کیا وہ سچے دل سے ضرور تھا۔ مگر یہ خلوص بھی مامون کا نیا خلوص نہیں تھا۔ منصور نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو قتل کرنے کے ارادے سے بار بار بلا کر رخصت کر دیا۔ اور اسی طرح مہدی اور ہادی نے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کو بلا بلا کر اور سال بھر قید رکھ کر چھوڑ دیا۔ یہ سب اُن لوگوں کی فوری عقیدت کی مثالیں تھیں۔ مگر بجائے اسکے کہ اُن کے خلوص اور عقیدت

کامل ہوں یا راسخ۔ نہیں کبھی نہیں۔ یہ خلوص اور اظہار عقیدت وقتی تھے اور ضرورتی۔ جو اُنکے موجودہ اضطراب وانتشار کی حالتوں کی وجہ سے اُنپر طاری ہوتے تھے۔

مامون کی اس مخلصانہ اور عقیدتمندانہ نذر کی بھی یہی حالت تھی۔ کیونکہ اگر ان میں کمال اور رسوخ ہوتا تو مامون حسب الوعدہ ولیعہدی کیا اپنی پوری امارت جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو سپرد کرکے آپ کنارہ کش ہو جاتا۔ مگر اُسنے ایسا تو نہیں کیا۔ امین کے قتل کئے جانے کے مہینوں بعد جب اُسکو حسن کی ناقابلیت کی وجہ سے مغربی ممالک کی پر آشوبی اور بدنظمی کی تحقیق خبر مل چکی تو سیاست و تدبیر کی ضرورتوں سے ایفائے نذر کے کچھ ایسے خیال سے نہیں۔ بادشاہ اور وزیر نے ملکر امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی پر اتفاق کیا۔ ہاں مامون نے ع چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار اپنی ملکی ضرورتوں کی تعمیل کے ساتھ ہی اپنی نذر بھی کسی قدر پوری کی۔ اگر اتفاق وقت سے ملکی ضرورت کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو ہم گمان کرتے ہیں کہ مامون کبھی اپنی اس وعدہ وفائی کی طرف توجہ نہ کرتا۔ ہماری اتنی طول وطویل اور پرتفصیل بحث سے صرف یہی مقصود تھا کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کی بنا کو مامون اور فضل ابن سہل کے تشیع پر قائم کرنا محض نادانی اور صریح غلط بیانی ہے۔ حقیقت حال وہی ہے جو اوپر لکھی گئی۔ اور ضرورت اصلی وہی ہے جو سابق میں بیان کی گئی۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام امر ولیعہدی کو کیسا سمجھتے تھے؟

اپنی موجودہ بحث کو ختم کرکے اب ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جب حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی پر جملہ وزراء اور امراء مامون کا اتفاق ہو گیا تو مامون کی طرف سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی طلبی میں خط پر خط لکھے گئے۔ مگر آپ نے ان خطوں کے جواب کی طرف کوئی اعتنا نہیں فرمائی۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ اس کے جواب میں ہم اپنے ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام مامون کی اس طلبی اور استدعائے ولیعہدی کو بالکل ویسا ہی سمجھتے تھے جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ابو مسلم اور ابو سلمہ خلال کی عرضداشت اور انکی قبول خلافت کی درخواست کو جانتے تھے۔

جب ان مراسلات سے کشود کار ہوتے نہیں دیکھی تو مامون نے اپنے وزرائے دولت کی اتفاق رائے سے اپنے ماموں رجاء ابن ضحاک کو جو اُس کے تمام اعزہ اور اقربا میں بہت عزیز اور قابل قدر تھا اپنے دیگر مخصوصین اور ارباب اعتماد ویقین کے ہمراہ ایک مخصوص استدعا کے ساتھ روانہ کیا اور چونکہ مراسلات کے معاملات سے مامون کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ امر ولیعہدی کو اپنے لئے باختیار

یا باعث اعزاز مطلق نہیں سمجھتے۔ اور اپنی طرف سے اسپر کسی مسرت یا مفاخرت کا اظہار کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے مامون کو خوف لگا ہوا تھا کہ شاید میرے فرستادہ لوگوں کی جماعت سے آنکھ بچا کر آپ راستہ سے علیحدہ ہو جائیں اور پھر مجھ تک نہ پہنچیں تو پھر میرے لئے اور قباحت کا باعث ہوگا۔ اس لئے اُس نے رجاء ابن ضحاک کو سخت تاکید کر دی تھی کہ وہ ہر دم و ہر لحظہ سفر اور قیام دونوں حالتوں میں آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور کسی وقت ایک حالت کے لئے بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے۔ اور ہر طرح سے آپ کی کامل حفاظت کرے۔ اور تاوقتیکہ آپکو مرو میں نہ پہنچا لے کسی وقت آپ کو اپنے پاس سے جُدا نہ کرے۔

اگر مامون کے تشیع پر ایمان لانے والے حضرات کچھ بھی عقل سے بہرہ ور ہونگے وہ یہیں سے سمجھ لینگے کہ مامون کی طرف سے ولیعہدی کے معاملات میں یہیں سے شبہات شروع ہوگئے مامون کی یہ احتیاط۔ یہ انتظام اور اُسکی یہ متواتر تاکیدیں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ اُسکے خلوص اور عقیدت کے سراسر منافی ثابت ہو رہی ہیں۔ اگر حقیقت میں مامون شیعہ ہوتا اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں اُسے رسوخ ہوتا تو وہ کبھی ایسی خفیف الحرکاتی کو اپنے امام کی طرف منسوب نہ کرتا۔ اور اُنکی ذات مجمع البرکات سے ایسے لغویات کی کبھی امید نہ رکھتا۔ یہیں سے اُس کے خلوص اور راسخ العقیدگی کی پوری حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

رجاء ابن ضحاک کا بیان ہے کہ مامون کی تاکید کے مطابق میں مدینہ سے لیکر مرو تک کی مسافت بعیدہ میں برابر آپ کی رکاب میں حاضر رہا۔ خدائے سبحانہ تعالے کی قسم۔ ایسا متقی ایسا پرہیزگار اور ایسا خدا کا ہر وقت یاد کرنے والا۔ اور ہر دم و ہر لحظہ اپنے جملہ امور میں خدا سے ڈرنیوالا میں نے نہیں دیکھا۔ جس شہر میں منزل گزیں ہوتے تھے وہاں کے باشندے دوڑ کر آتے عام اس سے کہ وہ آپ کی معرفت کلی رکھتے ہوں یا نہیں۔ اور آپ کی زیارت سے مشرف ہوکر اپنے دین و یقین کی بابت سوالات کرتے اور آپ بکمال اخلاق و اشفاق اُنکے سوالوں کا جواب دیتے اور احادیث جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اسناد اور واسطہ سے بیان کرکے اُنکی کامل تسکین فرما دیتے تھے۔

ابن ابی ضحاک کا ناقل ہے کہ جب میں آپ کو لیکر مرو میں داخل ہوا تو میں نے یہ تمام حال رُشد و ہدایت اپنے علم و کرامت جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مامون سے بیان کر دیا۔ اُس نے یہ تمام روداد

سنکر کہا کہ اے پسر ابی ضحاک۔ اصل میں وہ جہان میں سب سے بہتر اور علم معرفت، تقوےٰ اور طہارت میں سب لوگوں سے افضل اور اولے تر ہیں۔ مگر تم ان باتوں کا ذکر واذکار کسی سے نہ کرنا۔ کیونکہ میری یہ خواہش ہے کہ اُنکے فضائل ومناقب دنیا کو جو کچھ معلوم ہوں وہ میرے ہی ذریعہ اور میری ہی زبان سے۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی

بہرحال۔ رجاء بہت بڑی امیدوں کے ساتھ آستانہ امامت پہ حاضر ہوا۔ اور شاہی شقہ اور سلطانی تحائف خدمت اقدس میں پیش کئے۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے قبل اسکے کہ اُس خریطہ سلطانی کو کھولا یا اُن تحائف کی طرف کوئی توجہ فرمائی۔ پہلے اپنے مہمانوں کی خاطر ومدارت کے اہتمام اُسی پیمانہ پر فرمائے جو تمام عرب میں آل ہاشم کا مخصوص حصّہ قرار پاچکا تھا۔ جب اُنکی ضیافت کے اہتمام سے فراغت ہو چکی تو آپ نے مامون کے خط کو کھول کر پڑھا۔ اور فوراً ارشاد فرمایا اے ابی ضحاک انسان ارادۂ تقدیر سے مجبور ہے۔ اس وقت تک میں نے اس امر خاص پر اپنی کوئی رغبت اور اپنا کوئی رجحان نہیں دکھلایا۔ مگر میرا یہ فعل سلطان وقت کو پسند نہ آیا تو خیر۔ رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ۔ میں خدا پر توکّل کرکے تمہارے ساتھ چلنے پر تیار ہوں۔

غرض اُسی وقت سے آپ اپنے اہتمام سفر میں مصروف ہوئے۔ اور سفر کی تمام ضروریات کو مہیا کرکے سنہ ۲۰۰ ہجری میں آپ نے مدینہ منوّرہ سے ہمیشہ کے لئے کوچ فرمایا۔ اس سفر میں تین سو آدمیوں کی جماعت ہمراہ رکاب تھی۔ جناب امام ابوجعفر محمد تقی علیہ السلام کا سن مبارک اس وقت ۷ برس کا ثابت ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ میں جس شئے کے ساتھ آپ کو سب سے زیادہ دلبستگی تھی وہ روضۂ جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا جس سے جدا ہونا آپ کے لئے ازحد شاق تھا۔ محوّل شیبانی نے وداع روضہ اقدس جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری کیفیت اپنی چشم دید بیان کی ہے جسے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

شیبانی کی زبانی مرقوم ہے کہ جب وہ ناگوار وقت پہنچ گیا کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام اپنے جد بزرگوار جناب احمد مختار صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس سے ہمیشہ کے لئے وداع ہوں تو میں نے دیکھا کہ آپ بیتابانہ اندر جاتے ہیں اور باآلہ وآہ روضۂ طیبہ سے رخصت ہوتے ہیں اور ظلمہ امّت کی شکایت کرتے ہیں۔ پھر باہر آکر گریہ وبکا فرماتے ہیں اور پھر اندر واپس جاتے ہیں۔

آپ نے چند بار ایسا ہی کیا تو مجھ سے یہ دیکھکر نہ رہا گیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام دیکر ارشاد کیا کہ اے محول میں اپنے جدّ امجد سلام اللہ علیہ من رب الا مجد کے مرقد سے جبراً جدا کیا جا تا ہوں۔ اس کے بعد مجھے یہاں آنا نصیب نہوگا۔ اور اسی مسافرت اور غریب الوطنی میں میری جان جائیگی۔ اور ہارون الرشید کی قبر کے نزدیک میں دفن کیا جاؤنگا۔
شیبانی کا بیان ہے کہ اس وقت آپ کا قلق و اضطراب دیکھکر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بھی آپکے ہمراہ رکاب ہولیا اور ساتھ ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ مرو سے لوٹتے وقت جیسا کہ ارشاد فرمایا بمقام طوس پر پہنچکر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اور ہارون رشید کی قبر کے پاس مدفون کئے گئے۔
ایک دوسری روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ رخصت کے وقت حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ تمام خویش واقربا کو جمع کر کے بکمال حسرت و افسوس فرمایا کہ مجھ کو آج ایسا سفر درپیش ہونیوالا ہے جس سے معاودت کی قطعاً امید نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی صدائے نالۂ و شیون ہر مرد و زن بلند ہوئی اور تمام بیت الشرف میں کہرام مچگیا۔ دولتسرائے عالی امام غریب الغربا علیہ التحیۃ والثنا کی تقریب رخصت سے ماتمکدہ بن گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ بارہ ہزار دینار سرخ میرے تمام اعزہ اور اقارب پر تقسیم کر دئیے جائیں۔ اس تقسیم کے بعد آپ تشریف لے گئے

خانۂ کعبہ سے آخری رخصت

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ مدینہ سے پہلے خانۂ کعبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی شریک تھے۔ اُمیہ ابن علی ناقل ہیں کہ وداع بیت اللہ میں جس کے بعد آپکو طواف کعبہ پھر نصیب نہیں ہوا اور وہاں سے آپ بخیر مرو کی طرف تشریف لے گئے میں آپ کی رکاب میں ہمراہ تھا اور ابوجعفر امام محمد تقی علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے حضرت نے بیت اللہ کو وداع فرمایا۔ اور بعد طواف مقام ابراہیم علےٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام کے پاس جا کر نماز پڑھنے لگے۔ اُس وقت آپ کا غلام موفق نامی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنی گردن پر سوار کئے طواف کرا رہا تھا۔ طواف کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اُسکی گردن سے اُتر کر ایک حجرہ میں جا بیٹھے۔ دعائیں پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ یہ دیکھکر موفق نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اب یہاں سے آپ تشریف لے چلیں۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے نہایت اندوہگیں چہرہ سے فرمایا۔ میں نہ جاؤنگا۔ موفق مجبور ہو کر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ابو جعفر جواد علیہ السلام حجرے میں بیٹھے مشغول آہ و بکا ہیں اور

کسی طرح وہاں سے نہیں اُٹھتے۔ یہ سنکر آپ وہاں سے اُٹھے۔ اور اپنے فرزند دلبند کے پاس آئے اور بکمال ملاطفت ارشاد فرمایا کہ میرے پیارے اُٹھو۔ یہاں سے چلو۔ امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں یہاں سے کیسے اُٹھوں جب آپ یہاں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہے ہیں۔ فرمایا۔ اے میرے حبیب۔ قضائے خدا پر راضی رہو۔ کیا کرنا ہے۔ یہ سنکر جناب ابوجعفر علیہ السلام وہاں سے اُٹھے اور اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ بیت اللہ مقدس سے مرخص ہوئے۔

کیوں نہو۔ یہ وہی مقدس طبقہ ہے جو اہلبیت کے مبارک لقب سے مخصوص طور پر آجتک مشہور ہے۔ اور یہ وہی نفوس عالیہ ہیں جو حجۃ اللہ فی الارض اور آیۃ اللہ فی العٰلمین کے مبارک خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ضرور تھا کہ یہ ذوات مقدسہ اپنے تمام متعلقین سے رخصت ہونے سے پہلے ان شعائر اللہ اور ان عتبات عالیات سے بھی رخصت ہولیں۔ کیونکہ انکی خبرگیری اور محافظت انہیں حضرات کی ذات ستودہ آیات سے وابستہ تھی۔ جن حضرات نے سیرت اہلبیت علیہم السلام کو بالاستیعاب دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ سفر کی ناگزیر مجبوریوں سے ان حضرات کو جب سامنا ہوا ہے تو اُن بزرگواروں نے ان مقامات عالیات کو وداع کرتے وقت اپنی طرف سے ایسے ہی حزن و ملال کا اظہار کیا ہے۔ جناب خامس آل عبا شہید کربلا علیہ التحیۃ والثنا کے وداع ہونے کے حالات کسکو معلوم نہیں۔ جناب امام موسی کاظم علیہ السلام کے رخصت ہونے کے واقعات سے کسکو اطلاع نہیں ہے۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے سفر کے حالات

باعتبار روایت اوّل حضرت امام موسی رضا علیہ السلام مدینہ سے رجب سنہ ۲۰۰ ہجری میں مرو کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے کوفہ اور قم کی سیدھی راہ چھوڑ کر بصرہ اور اہواز کا غیر متعارف راستہ اختیار کیا۔ آپ نے یہ راہ اپنی رائے سے نہیں بلکہ امرائے مامونی کی تجویز سے بمجبوری اختیار کی تھی۔ اُن کی غرض اس راہ سے آپ کو لیجانے کی یہ تھی کہ اگر آپ کوفہ اور قم کے راستہ سے تشریف لیجاتے تو شیعیان کوفہ اور قم اور عموماً تمام عقیدتمندان فارس سے عام مرجوعہ اور پرجوشی کا قوی احتمال لگا ہوا تھا۔ ہمارے ناظرین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسئلہ ولیعہدی کے متعلق یہ دوسرا شبہہ ہے۔ جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ اس سفر میں محمد ابن اسلم طوسی کجاوہ میں آپ کا رفیق تھا۔ اور اسحٰق ابن راہویہ آپکے ناقہ کی مہار پکڑے تھے۔ اب ہم اس سفر میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کا خاص خاص مقام پر نزول اجلال

اور وہاں کے متعلق ضروری حالات کتاب لمعۃ الضیا فی عمدۃ اخبار الرضا علیہ التحیۃ والثنا کے اسناد سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

شہر نیشاپور میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کا نزول

شہر نیشاپور میں جس شان دشکوہ سے آپ کا ورود میمنت آمود ہوا اُسکا حال صاحب کشف الغمہ نے تاریخ بغداد سے لکھا ہے۔ اور کچھ خطیب بغدادی ہی پر موقوف نہیں۔ سواد اعظم کے بڑے بڑے محدثین اور مورخین نے اُسکو اپنی اپنی تالیف میں رقم فرمایا ہے۔ ازانجملہ علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں۔ امام قندوزی بلخی نے ینابیع المودۃ میں۔ خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں۔ ملا عبدالرحمن جامی نے شواہد النبوۃ میں اور شیخ فریدالدین عطار نے حلیۃ الاولیا میں اور خاوندشاہ ہروی نے تاریخ روضۃ الصفا جلد سوم میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ یہ حالات لکھے ہیں۔ اُن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ کی مقدس سواری شہر نیشاپور کے قریب پہنچی تو جملہ علماء و فضلاء شہر نے بیرون شہر حاضر ہوکر آپ کا رسم استقبال ادا کیا۔ داخل شہر ہوئے تو تمام خورد و بزرگ شوق زیارت ہمایونی میں اُمنڈ آئے۔ موکب عالی جب مربعہ شہر (چوک) میں پہنچا تو ہجوم خلائق سے زمین پر کھڑے ہونے کی جگہ باقی نہیں تھی۔ اُس وقت جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام قاطر پر سوار تھے۔ جسکا تمام ساز و سامان نقرئی تھا۔ قاطر پر عماری تھی اور اُس عماری میں وہ حجت باری رونق افروز تھا۔ عماری کے دونوں طرف خز کے پردے چھوٹے ہوئے تھے۔ اُس وقت امام المحدثین حافظ ابوزرعہ رازی اور محمد ابن اسلم طوسی آگے آگے اور اُن کے پیچھے اہل علم و حدیث کی ایک بیشمار جماعت حاضر خدمت ہوئی اور باین کلمات حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے خطاب کیا کہ ایھا السید السادۃ ایھا الامام الائمۃ ایھا السلالۃ الطاھرۃ الرضیۃ ایھا الخلاصۃ الزکیۃ النبویۃ۔ اے جمیع سادات کے سردار۔ اور تمام اماموں کے امام۔ اے سلسلۂ پاکیزہ و رضیہ کے خلاصہ۔ اور اے پاکیزگان و عالیمقامان زمانہ کے منتخب روزگار۔ آپ کو اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کا واسطہ اور اپنے اجداد معصومین و مکرمین علیہم التحیۃ والثنا الی یوم الدین کا صدقہ ہم کو اپنے دیدار میمنت آثار سے محروم نہ فرمایئے اور کوئی حدیث اپنے جد امجد حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ الطاہرین کی احادیث سے بواسطہ اپنے آبائے معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ارشاد فرمایئے کہ باعث خیر و برکت دنیا و آخرت ہو۔

باختلاف اندک علامہ ابن حجر صورت واقعہ کو ذیل کی عبارت میں تحریر کرتے ہیں۔

لما دخل نیشاپور کما فی تاریخها وشق سوقها وعلیه مظلة لا یری من ورائها تعرض له الحفظان ابو زرعة الرازی ومحمد ابن اسلم طوسی ومعهما من طلبة العلم والحدیث لا یحصی فتضرعا الیه بریهم وجهه ویروی لهم حدیثا عن اٰبائه علیهم السلام۔

جب جناب امام موسی رضا علیہ السلام نیشاپور میں تشریف لے گئے تو زائرین کے اژدہام سے راستہ چلنا دشوار تھا۔ آپ قاطر پر سوار تھے۔ اور آپ کے اوپر چھاتا لگا ہوا تھا جسکی وجہ سے لوگ آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ابو زرعہ رازی اور محمد ابن اسلم طوسی اُس زمانہ کے مشہور حافظان حدیث نے آگے بڑھکر باگ تھام لی۔ طالب العلم اور محدثین کی جماعت کثیر ان دونوں کے ہمراہ تھی جو شمار میں نہیں آسکتی تھی۔ دونوں بزرگوں نے نہایت عجز سے عرض کی کہ حضور لوگوں کو اپنے جمال باکمال سے مشرف فرمائیں۔ اور اپنے آبائے کرام سے کوئی حدیث سنائیں اس وقت محمد ابن رافع۔ احمد ابن حارث۔ یحییٰ ابن یحییٰ اور اسحٰق ابن راہویہ نے آپ کے قاطر کی باگ تھام لی تھی۔ ان کی استدعا سنکر آپ نے سواری روکدی جانے کے لیے اشارہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ حجاب اُٹھا دئے جائیں۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ حاضرین نے جونہیں وہ نورانی چہرہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشے کا دیکھا۔ سینوں میں دل بیتاب ہو گئے۔ دو زلفیں روئے انور پر مانند گیسوئے مشکبوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹی ہوئی تھیں۔ کسی کو یارائے ضبط باقی نہیں رہا۔ وہ سب کے سب بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بہتوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے کچھ زمین پر گر کر لوٹنے لگے بعض سواری کے گرد و پیش گھومتے تھے۔ اور مرکب اقدس کی زین ولجام چومتے تھے۔ اور عماری پر بوسہ دینے کے لئے گردنیں بلند کرتے تھے۔ اکثر موکب عالی کے قدم چومنے کے اشتیاق میں دراننہ بڑھے چلے آتے تھے۔ غرضکہ عجیب طرح کا ولولہ تھا کہ جمال باکمال کے دیکھنے سے کسی کو سیری نہیں ہوتی تھی ٹکٹکی لگائے رخ انور کی طرف نگراں تھے۔ یہانتک کہ دوپہر دن نکل آیا اور اُن کے موجودہ شوق وتمنا کی پرجوشیوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اُسوقت علماء، فضلاء اور فقہاء کی جماعت نے آواز بلند پکار پکار کر کہا کہ معاشر المسلمین ذرا خاموش رہو اور فرزند رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزار کا باعث نہ ہو۔ بارے اُس شور وغل میں کچھ کمی آئی تو بصد نوائے دلنواز امام عراق وحجاز نے اسطرح پر حدیث پڑھنی شروع فرمائی کہ حسب تصریح صاحب تاریخ نیشاپور عدد من المحابر اربع عشرون الفا سوی الدوی۔ چوبیس ہزار

قلمدان سوائے دوات مفرد کے شمار کئے گئے تھے۔ جو الفاظ حدیث شریف قلمبند کرنے کو حاضر کئے گئے تھے۔ ابو زرعہ اور محمد ابن اسلم طوسی مستملی کی خدمات انجام دیتے تھے۔ کہ جو کلمہ زبان مبارک سے نکلتا اُسے باواز بلند پکار کر کہدیتے کہ دور کے لوگ بھی سنلیں۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ذیل کی حدیث شروع فرمائی۔

حدثنی ابی موسیٰ ابن جعفر الکاظم قال حدثنی ابی جعفر محمد الصادق قال حدثنی ابی محمد ابن علی قال حدثنی ابی علی ابن الحسین زین العابدین قال حدثنی ابی الحسین الشہید بکربلا قال حدثنی ابی علی ابن ابیطالب قال حدثنی اخی وابن عمی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال حدثنی جبریل علیہ السلام قال سمعت رب العزت یقول انی انا اللہ لا الٰہ الا اللہ انا واحدی عبادی فاعبدونی ولیعلم من یقی منکم بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ مخلصا انہ قد دخل فی حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی۔

نقل کیا مجھ سے میرے پدر بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اور نقل کیا اُن سے اُن کے پدر عالیمقدار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اور نقل کیا اُن سے اُنکے پدر عالیمقدار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اور نقل کیا اُن سے اُن کے پدر عالیمقدار حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین علیہما السلام نے اور نقل کیا اُن سے اُنکے پدر عالیمقدار حضرت امام حسین شہید کربلا علیہ السلام نے اور نقل کیا اُن سے اُنکے پدر بزرگوار حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہما السلام نے اور نقل کیا اُن سے اُن کے برادر عالیمقدار اور ابن عم جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور نقل کیا اُن سے حضرت جبریل علیہ السلام نے اور سنا اُنہوں نے درگاہ رب العزت سے کہ فرمایا حضرت رب العٰلمین نے کہ میں ہوں خدا اور کوئی میرے سوا معبود نہیں ہے۔ اے میرے بندو! میری عبادت کرو۔ اور یہ یقین کرلو کہ جو شخص میری وحدانیت کی شہادت دیگا پورے اخلاص کے ساتھ وہ گویا میرے حصن حصین میں داخل ہوگا۔ اور جو میرے حصن میں داخل ہوگا وہ میرے عذاب سے امن میں ہوگا۔ حاضرین نے عرض کی کہ اخلاص شہادت کیونکر حاصل ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ اطاعت خدا و رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبت ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے۔ اور بروایت دیگر فرمایا بشرطہا وشروطہا وانا من شروطہا شہادت وحدانیت عذاب الٰہی سے نجات کا باعث توضرور ہے مگر اپنی شرائط کے ساتھ۔ اور میں اُن شرطوں میں سے ایک شرط ہوں۔

قال احمد ابن حنبل لو قری هذا الاسناد علی مجنون لافاق من جنونه۔
احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ وہ اسناد طاہرہ ہیں کہ اگر دیوانہ پر پڑھی جائیں تو بیشک اُس کے جنون میں افاقہ ہو جائیگا۔
اُستاد ابوالقاسم قشیری کہتے ہیں کہ یہ حدیث انہیں اسناد کے ساتھ امرار سامانہ سے ایک کو پہنچی تو اُسنے اسکو آب زر سے لکھوایا اور وصیت کی کہ میرے بعد اسکو میرے کفن کے ساتھ رکھدیں مرنے کے بعد لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ چند روز کے بعد اُسے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کہا کہ مجھ کو لا الہ الا اللہ کے کہنے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے اور حدیث مذکور کا احترام کرکے آب زر سے لکھوانے کے باعث بخشدیا۔ اسی وجہ سے محدثین اسلام اس اسناد کو سلسلۃ الذہب کے لقب سے آج تک یاد کرتے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں اور امام قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ فی القربیٰ میں بھی قریب قریب یہی عبارت درج کی ہے۔ فمن شاء فلیرجع الیہما۔

شہر نیشاپور میں آجتک آپکا یادگار

شہر نیشاپور کے اس محلہ میں جسے غزنی کہتے ہیں۔ ایک شخص مسمیٰ پسندہ کے گھر میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام قیام فرما ہوئے۔ اسی وجہ سے اس شخص کا نام پسندہ ہوا۔ آپ کے قیام کے وقت حضرت نے مکان کے ایک سمت ایک دانہ بادام بویا کہ پھوٹ کر شاخ و برگ لایا۔ اور شجر بارور ہوگیا۔ ہر سال اُس میں پھل آتے تھے اور تمام لوگ اُس سے نفع اُٹھاتے تھے۔ اور میوہ ہونے کے علاوہ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اس میں روحانی تاثیرات بھی عطا فرمائی تھیں اس کا پھل بیماروں کو کھلاتے تھے وہ شفا پاجاتے تھے۔ عسر ولادت میں عورتوں کو آسانی اور سہولیت ہوتی تھی۔ درد چشم والے آنکھوں پر لگاتے اچھے ہوجاتے تھے۔ مریض چوپایوں کے بدن پر لگاتے اور پھیرتے۔ وہ صحیح و تندرست ہوجاتے۔ غرضکہ ہر طرح سے نفع کی باتیں اُس سے ظاہر ہوتی تھیں۔
پسندہ کے بعد اُس کے بیٹے ابو عمر نے وہ تمام و کمال درخت کاٹ ڈالا۔ اُسکا تمام مال و متاع جو عزم ہزار دینار کے قریب تھا تباہ و برباد ہوگیا۔ ابو عمر کے بعد اُس کے دو بیٹے ہوئے ابوالقاسم اور ابوالصادق۔ ان دونوں نے وہاں پر بیس ہزار کی لاگت سے مکان اُٹھایا تو اسی درخت بادام

کی باقیماندہ جڑیں بھی زمین سے نکلوا دیں ۔ سال ہی بھر کے اندر وہ دونوں کے دونوں بہت تکلیفیں جھیل جھیل کر مر گئے۔

اسی محلۂ غزونی میں ایک حمام اور حمام کے قریب ایک چشمۂ آب تھا۔ جو ایک عرصہ سے خشک ہو گیا تھا۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اُس سے پانی نکلوایا تو وہ چشمہ ازسر نو جوش زن ہو گیا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ اُس میں پانی ہو گیا۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے جوش زن کے قریب ایک حوض بنوا دیا جس میں کئی زینے نیچے اُتر کر حوض و چشمہ تک پہنچتے ہیں۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام خود اُس میں اُترے اور آبِ چشمہ سے غسل فرمایا۔ پھر اوپر تشریف لا کر حوض کے کنارے پر نماز پڑھی اُسی روز سے معمول ہو گیا کہ جو وہاں آتا ہے اُس حوض میں آتا ہے اور مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ وہ حمام گرمابۂ جناب امام رضا علیہ السلام اور وہ چشمہ چشمۂ رضاؑ اور وہ حوض حوض کاہلان کے نام سے اب تک مشہور نزدیک و دور ہے۔ حمام اور حوض چشمہ کی نسبت تو ظاہر ہے۔ حوض کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص غسل کے لئے حوض میں اُترا۔ اور اپنی کمر سے تھیلی کھولکر ایک طاق میں رکھدی۔ وہ غسل کرنے لگا۔ جب نہا چکا تو تھیلی اُٹھانا بھول گیا۔ باہر نکل آیا۔ نماز پڑھی۔ اور اپنے قافلہ کے ہمراہی کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف حج کرنے چلا گیا۔ واپس ہوا تو پھر چشمہ میں غسل کرنے چلا۔ مگر دروازہ بند پایا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ حوض کے طاق میں ایک سانپ بیٹھا رہتا ہے جس کے خوف سے لوگ اندر نہیں جاتے۔ تو اُس نے کہا کہ مجھے کوئی خوف نہیں۔ پھر وہ دروازہ کھولکر اندر گیا تو سانپ کو تو نہ پایا۔ مگر اُس کی تھیلی اُسی طاق میں ویسی کی ویسی ہی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے جا کر اُٹھالی۔ یہ دیکھ کر حاضرین ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ اور جی ہی جی میں کہنے لگے کہ ہم لوگ تو حقیقت میں بڑے کاہل نکلے کہ آج تک سانپ کے خیال سے اندر نہ گئے۔ اگر جاتے تو یہ تھیلی کی تھیلی ہاتھ آ جاتی۔ اُسی وقت سے یہ حوض حوض کاہلان کے نام سے موسوم ہوا۔

شہر خراسان میں نزول اجلال

ابو الصلت ہروی ناقل ہیں کہ اثنائے سفر خراسان میں جب حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی سواری قریۂ حمراء کے قریب پہنچی۔ تو دن ڈھل چکا تھا۔ ظہر کا فریضہ ادا کرنے کے قصد سے سواری سے اُترے اور تجدید وضو کے لئے پانی مانگا۔ عرض کی گئی کہ پانی موجود نہیں ہے۔ ایک پتھر وہاں پڑا تھا۔ اُسے اُٹھایا۔ اُسکے نیچے سے تھوڑی سی مٹی اپنے دستِ مبارک سے ہٹائی فوراً بحکمِ محکم اعجاز نما تھا۔ بحمد اللہ ایک چشمۂ آب جوش زن ہوا۔ آپ نے اور آپ کے تمام ہمراہیوں نے اُس سے

وضو کیا اور نماز با جماعت ادا کی۔ اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ اس چشمہ کا ہنوز اثر باقی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک شخص نے وہاں پر نہر نکالی اور اس چشمہ کا پانی نہر میں لیا اور زراعت کی تھوڑے عرصہ میں وہ چشمہ بند ہو گیا۔ جب وہ مزرعہ آب ہو گیا تو پھر سر راہ وہ چشمہ نمودار ہوا اور وہ ابھی تک جاری ہے اور چشمۂ جناب امام رضا علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

شہر خراسان میں اس مرتبہ زیادہ قیام فرمانا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں کے حالات زیادہ نہیں مل سکے۔ ہاں یہاں کے قیام کے متعلق ایک شخص کا علاج البتہ مشہور ہے جسکی خلاصہ کیفیت یہ ہے کہ ایک قافلہ خراسان سے کرمان کو جا رہا تھا راستہ میں قزاق آپڑے۔ تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ ایک شخص کو مالدار جانکر پکڑ لے گئے۔ طرح طرح کی ایذائیں دیتے رہے۔ آخر وہ بہت سا مال فدیہ میں دیکر رہا ہوا۔ اس شخص کے ہاتھ کو باندھکر برف میں کھڑا کر دیا تھا۔ اور اسکے منہ میں برف ٹھونستے جاتے تھے۔ ایک عورت نے ترس کھا کر رات کو چپکے سے کھولدیا۔ وہ بھاگ کر جانبر تو ہوا لیکن اسکا منہ برف کی برودت سے بگڑ چکا تھا۔ اور زبان سے اچھی طرح بولا بھی نہیں جاتا تھا۔ خراسان پہنچا تو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی آمد آمد کا چرچا تھا۔ ایک روز خواب میں اُس نے دیکھا کہ حضرت تشریف لائے ہیں اور اُس نے آپ کی خدمت میں اپنے مرض موجودہ کی شکایت عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زیرہ۔ سعتر۔ نمک۔ تینوں ہموزن لو اور کوٹ کر منہ میں رکھلو جب خواب سے بیدار ہوا تو اسے کچھ اسکا خیال نہ رہا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام تشریف لائے تو منزل رباط پر شرفیاب ملازمت ہوا۔ اور اپنا حال عرض کیا۔ ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تو خود دوا بتلادی تھی۔ اُسے عمل میں کیوں نہیں لاتا۔ اُس نے عرض کی کہ زبان مبارک سے مکرر سننے کا مشتاق ہوں۔ ارشاد ہوا کہ نمک سعتر اور زیرہ۔ تینوں ہموزن لو اور کوٹ کر منہ میں رکھلو۔ اسکا استعمال کرنا تھا کہ اُسکا منہ بھی درست ہو گیا اور زبان بھی۔ ابو حامد ثعالبی ناقل ہیں کہ ابو احمد عبداللہ نے مجھ سے کہا کہ میں نے بچشم خود اُس شخص کو دیکھا اور اُس نے یہ تمام کیفیت اپنی زبان سے مجھ سے بیان کی۔ ماخذ

شہر طوس میں نزول

شہر طوس میں نزول اجلال ہوا تو اُس پہاڑ سے جس سے تراش کر کے ظروف وغیرہ بناتے ہیں کمر لگا کر کھڑے ہوئے اور اُن ظروف اور اُس پہاڑ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ پھر حکم دیا کہ میرے لئے دیگچیاں

بھی اسی پتھر کی بنائی جائیں اور انہیں میں آج رات کا کھانا پکایا جاوے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ آپ بہت خفیف الاکل اور قلیل المطعم تھے۔ حسب الارشاد خادموں نے رات کا کھانا انہیں برتنوں میں تیار کیا۔ دعائے مبارک کی برکت سے اس پہاڑ کی نرمی پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ اور افراط سے برتن بنائے جانے لگے۔ بالآخر شہر طوس والے بفخریہ کہتے تھے کہ ہمارے واسطے خدا تعالےٰ نے اس پتھر کو ایسا نرم کر دیا ہے جیسا حضرت داؤد علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کیلئے لوہے کو نرم کیا تھا۔ یہاں سے روانہ ہو کر سناباد میں قیام ہوا۔

قریہ سناباد میں نزول

قریہ سناباد میں پہنچکر اس محلہ میں تشریف فرما ہوئے جسے قریہ نوخان کہتے ہیں اور وہ حمید ابن قحطبہ سے متعلق تھا۔ آج کل جو شہر مقدس کا ایک دروازہ نوخان کے نام سے مشہور ہے ظاہر ہے کہ اُسکا نام اسی قریہ کی رعایت سے رکھا گیا ہے۔ نوخان میں لباس مبارک اُتار کر دیا گیا کہ اُسکو دھو ڈالیں۔ لباس کی جیب میں کنیز حمید کو ایک کاغذ ملا جسپر یہ دعا تحریر تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بسم اللہ انی اعوذ بالرحمٰن منك ان کنت تقیا او غیر تقی اخذت باللہ السمیع البصیر علی سمعك وبصرك لا سلطٰن لك علی ولا علی سمعی ولا علی بصری ولا علی شعری ولا علی بشری ولا علی لحمی ولا علی دمی ولا علی مخی ولا علی عصبی ولا علی عظامی ولا علی اھلی ولا علی ما رزقنی ربی سترت بینی وبینك بستر النبوۃ الذی استتر بہ انبیاء اللہ من سلطان الفراعنۃ جبرئیل عن یمینی ومیکائیل عن یساری واسرافیل من ورائی ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امامی واللہ مطلع علی یمنعك منی ویمنع الشیطان عنی۔ اللھم لا یغلب جھلہ اناتك ان یفزنی ویستخفنی اللھم الیك التجاءت اللھم الیك التجاءت اللھم الیك التجاءت۔

میں خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتا ہوں عام اس سے کہ میں نیکوکار ہوں یا نہوں۔ اور میں اپنے خدائے سمیع و بصیر کو اپنا مالک قرار دیتا ہوں ایسی حالت میں کہ سوائے اس کے اور کوئی مجھ پر مالک نہیں ہے۔ اور نہ کوئی میری آنکھوں اور نہ کوئی میرے بالوں اور نہ کوئی میرے گوشت کا اور نہ کوئی میرے خون کا اور نہ کوئی میرے مغز کا اور نہ کوئی میرے پٹھوں کا اور نہ کوئی میری ہڈیوں کا اور نہ کوئی میرے گھر بار کا اور نہ کوئی میری اُن تمام اشیاء کا جو خدا نے مجھے عنایت فرمائی ہیں سوائے خدا کے۔ مالک و مختار ہے۔ خدایا میں نے آپکو تیرے درمیان اس

حجاب میں پوشیدہ کرتا ہوں جس میں تمام انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین ظالم بادشاہوں کے ظلم سے پوشیدہ ہوئے ہیں۔ ایسی حالتوں میں کہ جبریل میرے داہنے ہوں اور میکائیل میرے بائیں طرف اور اسرافیل میرے پیچھے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پیشوا ہیں خدائے سبحانہ تعالےٰ اُن تمام امور سے مطلع ہے جو وہ میرے لئے منع کر چکا ہے۔ اور وہ شیطان کو میرے تسلط سے بھی منع کر سکتا ہے۔ پروردگارا تیرے علم کو اُسکی جہالت مغلوب نہیں کر سکتی پس تو میری مدد فرما۔ اور مجھ کو پوشیدہ کرلے۔ پروردگارا میں تجھی سے التجا کرتا ہوں۔ پروردگارا میں تجھی سے التجا کرتا ہوں۔ پروردگارا میں تجھی سے التجا کرتا ہوں۔"

حمید نے عرض کی یہ دعا کیسی ہے۔ فرمایا یہ حرز ہے جسے میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ اس کا خواص یہ ہے کہ جس کے پاس یہ حرز موجود ہو اُسکو تمام آفات و مکروہات سے امان ملتی ہے اور وہ شر شیطان سے پناہ میں رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ حرز حمید کو عنایت فرمایا۔

پھر آپ قبۂ ہارون میں داخل ہوئے اور اُسکی قبر سے قبلہ کی طرف خط کھینچکر بتلایا کہ میں یہاں دفن کیا جاؤنگا۔ اور عنقریب یہ مقام میرے شیعوں اور میرے دوستوں کی آمد و رفت کا مقام ہوگا اُن میں سے جو کوئی میری زیارت کو آئیگا اور مجھ پر سلام بھیجیگا۔ رحمت و مغفرت جناب باری عزاسمہ ہماری شفاعت کے باعث اُس کے لئے واجب ہوگی۔ پھر آپنے روبقبلہ ہوکر وہاں چند رکعت نماز پڑھی اور دیر تک دعائیں پڑھتے رہے۔ پھر سجدۂ شکر ادا کرکے فارغ ہوئے اور قیامگاہ کو واپس آئے۔

دارالخلافت مرو میں نزول

تاریخ معجم البلدان وغیرہ میں مذکور ہے کہ شہر مرو یا شاہجہان اُن شہروں میں سے ہے جن کو سکندر ذوالقرنین نے بنایا تھا۔ چنانچہ ذوالقرنین کا پائے تخت بھی یہی شہر بتلایا جاتا ہے سکندر کے بعد خراسان کے اکثر بادشاہوں نے بھی اسی کو اپنا دارالحکومت اختیار کیا تھا۔ اس کی خوش اسلوبی اور آب وہوا کی خوشگواری کی وجہ سے اسکا نام روح الملک یعنی جان شاہ پڑ گیا تھا۔ من بعد طول زمان اور کثرت استعمال سے یہ لفظ اُلٹ کر شاہجہان ہوا۔ اور شہر مرو شاہجہان کے نام سے مشہور ہوا۔

الغرض جب یہ مبارک قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا شہر مرو سے بالکل قریب پہنچا تو مامون نے شرائط اکرام اُس عمدۂ انام کے ادا کئے۔ اور مع ارکان دولت واعیان درگاہ سلطانی دور تک شہر سے نکل کر

آپ کے آداب استقبال بجا لایا۔ اور دست بوسی کے بعد اپنے ہمراہ آپ کو شہر میں لایا اور بہت کچھ سرور و مسرت کے مراسم کے اظہار کیے۔ ایک قصر عالی میں جو تمام آرائشوں سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ آپ کو علیحدہ اُتارا۔ اور دیگر سادات کو جو آپ کے ہمراہ تھے۔ دوسرے مکان میں جگہ دی گئی یہ تفریق و تخصیص ظاہر میں تو اعزاز و امتیاز خاص بتلا رہے ہیں مگر باطن میں یہ بھی بہت بڑا راز اور بہت قوی حسن تدبیر تھی۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السّلام سے استدعائے ولیعہدی

بہر حال۔ جب دو تین روز میں کسل سفر اور بڑے مراحل کی زحمتیں دور ہو چکیں اور جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام مطمئن ہو لئے تو ایک دن آپ کو اپنے پاس خلوت میں بلا کر آپ کے بلائے جانے کی اصل غرض ان الفاظ میں عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا علم و فضل آپ کا ورع و تقوےٰ اور اطاعت خدا بہمہ کیا۔ ساری دنیا پر منکشف ہے۔ بیشک آپ مجھ سے بہمہ صفات امر خلافت کے زیادہ مستحق اور سزاوار ہیں مسند خلافت کو قبول کیجئے۔ اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے تخت امارت کو زیب و زینت دیجئے۔

مامون کی استدعا کے جواب میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ تمام فخر و بزرگی خدائے رب العالمین کے لئے شایان اور سزاوار ہے۔ اور عقلائے زمانہ تعلقات دنیا سے خاصکر اس لئے احتیاط اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کو اسکے شر اور مفسدے سے محفوظ رکھیں۔ دنیا کی حرام چیزوں سے اس وجہ سے پرہیز کرتے ہیں کہ اپنے اس پرہیز کے سبب سے نعمات الٰہی پر فائز ہوں۔ دنیا میں تواضع اور انکسار اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ اس کے سبب سے لوگوں کی ذاتی قدر و منزلت اور زیادہ ہوتی ہے اور اُنکے مراتب و مدارج میں نمایاں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے۔

مامون نے یہ مسلسل اور مدلّل تقریر معجز تاثیر سنکر بکمال منت و سماجت عرض کی کہ اب تو میں اپنا عزم بالجزم کر چکا ہوں کہ میں امر خلافت سے دست بردار ہو کر آپ کو اس امر پر منصوب بنا دوں اور خود بھی آپ سے بیعت کر نیکا شرف حاصل کرونگا۔ اس کے جواب میں آپ نے اپنے کمال استغنا اور سیر نفسی سے ارشاد فرمایا اے امیر۔ اگر یہ خلافت تمہاری ہے ان معنیوں میں کہ حضرت واہب العطایا نے اسکا خلعت تمہیں پنہایا ہے تو اُسکے عطیہ کو اپنے بدن سے اُتار نا اور دوسرے کو پہنانا کب روا ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ تمہاری چیز نہیں ہے اور یہ ایا مالی ہے تو

تم غیر کو دیدینے کے کیسے مستحق ہو سکتے ہو۔

صاحبان بصیرت۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے اسی ایک بلیغ جامع اور بالغ فقرۂ جواب سے آپکے فضل و کمال کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون نے آپکو صرف ولیعہدی ہی کے لیئے تنہا نامزد نہیں کیا تھا۔ اور آپ سے استدعا نہیں کی تھی بلکہ آپ سے مسلّم خلافت اختیار کر لینے کی استدعا کی تھی۔

ہمارے بعض ابنائے زمانہ نے اسی بنا پر مامون کو خالص شیعہ تسلیم کر لیا ہے۔ مگر ہمنے جہانتک اس واقعہ کی تحقیق کی ہے یہ واقعہ مؤیدان مامون کی جودت طبع کا ایک نادر اضافہ ہے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ بات جتنی تھی وہ اتنی ہی ہے کہ مامون نے صرف آپ کی ولیعہدی کی تجویز کی تھی اور اس وقت بھی تنہا اسی کی درخواست کی تھی۔ مگر جن امرا پرستوں نے حکومت پرستی کو اپنے عقائد کا جزو مسلم سمجھکر اسکو اپنا دینی شعار بنا لیا ہے۔ وہ اپنی ناجائز خوشامد اور بیجا تملق کی رعایت سے اپنے ممدوح کے اوصاف و محامد میں ایسے ہی اضافات سے کام لیتے ہیں۔ اس ترک خلافت والے مضمون کو بھی انکی طباعی کا ایک ضمیمہ سمجھنا چاہیے اور کچھ نہیں۔ لفظ خلافت نے زیادہ تر عام لوگوں کو اس شبہہ میں ڈالدیا ہے۔ کیونکہ وہ خلافت سے امر حکومت مراد لیتے ہیں جیساکہ عام اصطلاح میں جاری ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے خلافت یہاں اپنے لغوی معنیوں میں مستعمل ہے جس سے استخلاف مراد ہے۔ طبری جو اسی زمانہ کا بہت بڑا معتبر اور مستند مورخ ہے اپنی تاریخ اخبار الملوک والرسل کے دفتر چہارم میں اس واقعہ کو ذیل کے الفاظ میں تحریر کرتا ہے:۔

پس مامون خال خود رجا ابن ابی ضحاک را و نیز خادمے را کہ نامش یوماسر بود از مرو بہ بغداد (مدینہ) فرستاد۔ تا حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہما السلام را بیاوردند و بہ مرو مذہب شیعہ پدید کرد۔ و گفت از پس خلیفتی علیؑ را بود۔ و بر وے ستم روا نیست۔ و بنی امیہ بر فرزندان و اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بنی عباس ستم کردند۔ و حق مر ایشان را بود۔ من خویشتن را خلع نتوانم کرد ولیکن خلافت از پس خویش علی ابن موسے علیہ السلام را دادم از پس او محمد ابن علی علیہما السلام را۔

اتنے بڑے مشہور اور معتبر کی تحریر سے تو اس اضافہ کی حقیقت کھل گئی۔ تاریخی مشاہد کے علاوہ اصلی قرائن بھی اسکے خلاف ثابت کر رہے ہیں۔ اور وہ یوں ہیں کہ اگر مامون شیعہ تھا اور اس وجہ سے وہ امر خلافت کے لئے اپنے کو مستحق اور دعویدار نہیں سمجھتا تھا اور اس وقت سے جناب علی ابن موسیٰ علیہما السلام کو واپس کرنا چاہتا تھا تو اس بیان سے پہلے ہمکو یہ بتانا

چاہیے کہ مامون کب سے شیعہ ہوا اور کس زمانہ سے اُس نے تشیع کو قبول کیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ وہ پہلے ہی سے ان عقائد اور اصول پر قائم تھا تو یہ خیال محض غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ قدیم سے ان اصول پر قائم تھا تو اُسکو اپنے باپ ہارون ہی سے ابتدا میں خلافت ملنے کے وقت سخت انکار کرنا چاہیئے تھا۔ اور تفویض امارت کے موقع پر معویہ ابن یزید ابن معویہ کیطرح صاف صاف لفظوں میں کہدینا چاہیئے تھا کہ یہ امور ہمارے حقوق کبھی نہیں ہوسکتے۔ اسکے اصلی حقدار اور جائز مستحق حضرت امام موسی رضا علیہ السلام ہیں۔ حالانکہ مامون نے اُس وقت یا اُس کے بعد کبھی اپنے ان عقائد کا اشارتًا و کنایتًا بھی اظہار نہیں کیا۔ پھر کس طرح اعتبار کیا جاوے کہ مامون اصول شیعہ پر قائم تھا۔ جنکے اصول عقائد آیۂ وافی ہدایہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِاَنْفُسِہِمْ سے بالکل مستنبط ہیں۔ حصول خلافت سے لیکر امین کے معاملات تک تو اُسکے واقعات میں ان امور کا کہیں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا۔ ہاں جب امین کے معاملات میں اُسکو تردد ہوا اور چاروں طرف سے مایوسی اور محرومی نے اُسے گھیر لیا تو اُس نے فطرت انسانی کے محض تقاضہ سے خدائے عزاسمہ کی درگاہ میں نذر کی جیساکہ اوپر لکھا گیا۔

اصول شیعیت سے یہ نذر بھی صحیح نہیں تھی۔ کیونکہ اصل خلافت ہی مامون کی نہیں تھی۔ پھر انکے نزدیک اُسکے چلے جانے پر مامون کا یہ انتشار اور اضطرار کیا۔ اُسکی بقا کے لئے دعائیں کیوں مانگی جائیں۔ اور اُسکے قائم رکھنے کی تمنائیں کیوں کی جائیں۔ مگر نہیں جیسا مامون کے شیعہ ہونیکا خیال موہوم ہے ویسے ہی اُسکی مسلم خلافت واپس دینے کا گمان بھی کمزور۔ اور اصل میں اُس کے یہ تمام امور اُسکی ملکی تدبیر پر موقوف تھے۔ اسی ولیعہدی کے متعلق اپنی تدبیروں کے جیسے جیسے نیرنگ اُس نے دکھلائے اُن کو ہم اُن کے اصلی مقامات پر قلمبند کرینگے۔

علاوہ بریں جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ مامون کو خلافت تو امین کے بعد ملی۔ اس میں کوئی کلام نہیں امین کی بے انتہا قوتوں کے خوف سے مامون سخت مضطرب الحال ہورہا تھا اور اپنی اُسی حالت میں اُس نے یہ نذر کی۔ یہانتک یہ واقعہ بہت درست اور ہرطرح سے معتبر ہے۔ مگر حیرت اور سخت تعجب ہے تو یہ کہ جب مامون خاصکر ایسے اصول کا پابند بتلایا جاتا ہے جس میں امر خلافت سوائے امام منصوص من اللہ کے اور کسی دوسرے کا حق ہو ہی نہیں سکتا۔ تو پھر وہ اپنے امام زمان کے مخصوص حقوق کا غاصب بنکر اپنی موجودہ خطا

اور جرم کا پورا علم رکھکر اپنی دولت و امارت مغصوبہ کی حفاظت و حراست کا اتنا متمنی اور مستدعی کیوں ہے۔ کہ خاص طور پر اُسکے قائم اور برقرار رہنے کے لئے خدا سے دعائیں مانگتا ہے۔ حالانکہ کوئی غیر لئے نہیں لیتا۔ آپ برابر کا بھائی ہے۔ دولت کہیں باہر نہیں جاتی۔ کسی دوسرے خاندان یا سلسلہ میں منتقل نہیں ہوتی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس گھر سے اُس گھر اور اس دروازے سے اُس دروازے۔ مگر تاہم۔ مامون کو قرار نہیں۔ صبر نہیں۔ بھائی کیا آتا ہے۔ دشمن آتا ہے۔ دولت کیا جاتی ہے۔ جان جاتی ہے۔ پھر دولت بھی کیسی جسکو وہ ہمیشہ اپنی نہیں بلکہ غیر کی ملکیت اور حقیت سمجھتا ہے۔ اور اُسپر اپنا موجودہ قبضہ عرفاً اور مجازاً نہیں بلکہ شرعاً اور اعتقاداً محض غصبی طور پر تسلیم کرتا ہے۔ اگر مامون حقیقت میں شیعہ تھا تو خدا سے اس شرط کے ساتھ نذر کرنا کہ "اگر میں امین کے مقابلہ میں کامیاب ہوا تو میں اسکو (امر خلافت کو) اسکے مرکز اصلی کی طرف منعطف کر دونگا"۔ کیا معنی؟ یہ شرط تو اُس کی شیعیت کے منافی ہے۔ اگر واقعی وہ شیعہ تھا تو باپ کے بعد اپنی قسمت کا ملک پاتے ہی وہ تمام ممالک جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام اپنے زمانہ کے امام کے سپرد کر کے امین کو اطلاع کر دینی چاہیے تھی کہ میرے اعتقاد میں اس امر خلافت پر نہ میرا قبضہ جائز ہو سکتا ہے نہ آپ کا۔ پھر وقوع نزاع کے وقت بھی اُسی ایسی لکھ بھیجنا چاہیئے تھا کہ میں آپ کے مقابلہ کا مخاطب اور مجیب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آپ کا مقابل وہ بزرگ ہے جو امر خلافت کا اصلی حقدار اور جائز مستحق ہے۔ جس کو میں نے اپنا تمام ملک واپس دیدیا ہے۔ اب آپ جانیں اور وہ۔ مجھ سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں۔

اگر مامون نے ایسا کیا ہوتا تو البتہ ہم کو اس امر کے تسلیم کرنے کا موقع ملتا کہ مامون نے اپنے شیعہ ہونے کی اصلیت کو عملی طور پر دکھلایا۔ اور اُس کے اصول پر اپنی طرف سے پابندی ثابت کی مگر نہیں۔ یہاں تو ان امیدوں کے خلاف اُسکی شرائط بتلا رہے ہیں کہ اگرچہ اُسکے قلب میں وقتی اضطرار اور خوف وہراس کی وجہ سے نور حقیقت کی کسی قدر عارضی روشنی ہوئی۔ مگر افسوس اُس نے اُس نور کے اعلان اور اظہار کو تو اپنے حفظ سلطنت کی شرائط کے ساتھ محدود کر دیا۔ تو پھر ایسی حالت میں تو اُسکا خلوص پورا اور اُسکا ایمان کامل کیسے کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت حال وہی ہے جو تاریخ طبری کے اسناد سے اوپر لکھی گئی۔ اور نیز ان قرائن سے ثابت کی گئی۔ مامون نہ شیعہ تھا اور نہ اُسنے خلافت بالمسلّم اختیار کرنے کے لئے آپ سے استدعا کی تھی۔ یہ سب مورخین اور محدثین کے ذاتی اضافات ہیں۔ جو اُس وقت سے لیکر اس زمانہ تک کی کتابوں میں

برابر نقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں نہ اسکی کوئی اصل ہے اور نہ حقیقت۔ ہاں
اس میں کلام نہیں ہوسکتا جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ فطرتی طور پر مامون کے دل میں اسکے
موجودہ اضطراب اور انتشار نے تحقیق حق کے احساس وادراک ضرور پیدا کردئیے تھے اور یہ
قدرت کے نظام تھے۔ اب مامون کا یہ کام تھا کہ اُس پر اپنے خلوص اور راسخ العقیدگی سے
قائم رہتا۔ ہدایت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ عمل بندہ سے تعلق ہے۔
جہاں تک ان امور کا تفحص اور تجسس کیا جاتا ہے۔ تمام اندرونی اور بیرونی واقعات ثابت
کررہے ہیں کہ جب تک مامون کے دل میں تحقیق حق کے احساس اور ادراک قائم رہے وہ انکے
اشارہ اور تحریک سے اپنے خلوص اور عقیدت کا اظہار بھی اُسی پیمانہ پر کرتا رہا اور جیسے جیسے اُسکے
دل سے انکے اثر زائل ہوتے گئے اُس کے موجودہ خلوص اور عقیدت میں بھی کمی آتی گئی۔
جیساکہ بہت جلد انشاء اللہ المستعان اسکی پوری کیفیت اپنے سلسلۂ بیان میں مندرج کرینگے۔

مامون اور جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے گفتگو

بہرحال ہم اوپر کے مضمون کو اپنی موجودہ ضرورت کے مطابق بیان کرکے اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر
آجاتے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں تحریر کرتے ہیں۔

وجرت فی ذلک مخاطبات کثیرۃ والح علیہ المامون مرۃ بعد اخری وفی کلھا یأبی وقال
بالعبودیۃ للہ افتخر وبالزھد فی الدنیا ارجوا الرفعۃ عند اللہ تعالیٰ وکلما الح علیہ یقول
اللھم لا عھد الا عھدک ولا ولایۃ الا من قبلک توفقنی لاقامۃ دینک واحیاء سنۃ
نبیک فانک نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

ان امور کی نسبت حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام اور مامون میں مختلف اقسام کے کلام ہوتے رہے
اور مامون اسکے لئے ایک استدعا پر دوسری استدعا کرتا رہا۔ لیکن آپ اُسکی تمام استدعا پر انکاری
جواب دیتے گئے اور ارشاد کرتے گئے کہ میں اپنے بندۂ خدا ہونے کی شان کو اپنے لئے ہزار افتخار
کا باعث سمجھتا ہوں۔ اور علائق دنیا کے ترک کو اپنے علو مرتبت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ مگر مامون
کچھ نہیں سنتا تھا۔ اور اصرار پر اصرار کئے جاتا تھا۔ اور حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام درگاہ رب
العلمین میں اپنے دونوں ہاتھ بلند فرماکر بار بار یہ دعا ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی عہدہ سوائے تیرے
عہدۂ عطا کردہ کے نہیں ہے۔ اور کوئی ولایت سوائے تیری ولایت کے نہیں ہے۔ پروردگار
تو مجھ کو اپنے دین پر قائم رہنے اور تیرے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو جاری اور زندہ کرنے کی

توفیق عنایت فرما۔ کیونکہ تو سب مالکوں سے بہتر مالک اور سب مددگاروں سے بہتر مددگار ہے۔
تاریخ وسیر کے متفقہ بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ استدعائے مامون کے ایجاب و قبول میں کئی دن گزر گئے۔ اور جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی طرف سے منظوری کا کوئی حکم نہیں دیا گیا چنانچہ انہیں ایام میں ایک دن فضل ابن سہل نے مامون کے پاس آکر کہا کہ سخت تعجب ہے اور یہ کہکر وہ خاموش ہوگیا۔ حاضرین مجلس نے اس استعجاب کا اُس سے سبب دریافت کیا تو اُسنے کہا کہ اس سے بڑھکر تعجب کی اور کونسی بات ہوگی کہ امیر المومنین مامون۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے آگے خلافت پیش کرتے ہیں۔ وہ اُسکو اپنے لئے بار جانتے ہیں اور قبول نہیں کرتے۔ خدا کی قسم میں نے آج تک سلطنت اور بادشاہی کو ایسا ذلیل و خوار ہوتے نہیں دیکھا جیسا کہ ان دنوں اپنی آنکھوں سے آپ دیکھ رہا ہوں۔ امیر المومنین بھی اپنے سر سے اُسے آپ ٹالیں۔ اور حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام بھی اُسے اپنے پاس سے نکالیں حقیقت میں ع این خلافت نشد کہ آفت شد۔

قبول امارت پر مامون کا متواتر اصرار

بہر حال اسکے متعلق آیندہ حالات جسطرح فریقین کی کتب سیر و تواریخ میں لکھے ہیں۔ یہ ہیں کہ مامون نے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں قبول خلافت کے لئے ہر چند کوشش کی مگر مفید کار نہوئی۔ آخر الامر ناچار ہوکر مامون نے ایک دن پھر اُن کو اپنی خلوت میں بلاکر کہا کہ اگر امر خلافت قبول نہیں کیا جاتا تو میری ولیعہدی قبول فرمائی جاوے۔ اسکے جواب میں کھُل کھُل کر صاف صاف لفظوں میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اسناد سے معلوم ہوا ہے کہ یہ امر تمام نہوگا۔ اور میں تم سے پہلے تمام ہو جاؤنگا مجھ کو زہر دغا سے شہید کرینگے۔ ملائکہ ارض و سما میری غربت پر روئینگے اور اسی غربت کے عالم میں میں تیرے باپ ہارون کی قبر کے قریب مدفون کیا جاؤنگا۔ یہ سُنکر مامون کہنے لگا یہ کسکا مقدور ہے کہ میری زندگی میں ایسی جرأت کرے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ اگر مناسب وقت سمجھتا تو میں اسی وقت اپنے قاتل کا نام بھی تجھے بتلا دیتا مگر میں قبل از وقوع کسی واقعہ کے اظہار کو شعار عقل نہیں جانتا۔
اب تو اپنے اُسکے متواتر اصرار پر اصرار اور آپ کے بار بار انکار پر انکار دیکھکر مامون کی سطوت سلطانی اور حمیت خسروانی بھی حرکت میں آئی۔ اور اُس نے کسی قدر چین بجبیں ہوکر کہا کہ آپکا مقصود اصلی

اور مطلوب دلی یہ ہے کہ میرے اصرار پر اصرار اور آپ کے انکار پر انکار دیکھکر دنیا اور اہل دنیا کی نگاہوں میں آپ کے زہد، استغنا، توکل اور ترک علائق کی کامل شہرت ہو۔ اور میرے ذاتی عجز اور طبیعت کی کمزوری ثابت ہو۔

مامون کے شیعہ بتلانے والے حضرات کہاں ہیں۔ آئیں اور دیکھیں کہ عقیدت اور خلوص کے تمام قدیم رنگ باتوں ہی باتوں میں کیسے جلد بدل گئے کہ جب تک اپنے موجودہ منصب سلطانی کا خیال درمیان میں نہیں آیا تھا خلوص بھی تھا اور عقیدت بھی۔ اور جہاں اسکا خیال آیا پھر کچھ بھی نہیں۔ انانیت کے وہی انداز نکلنے لگے جو حکومت وخسروانی کی خاص نشانی ہوتے ہیں۔ اگر مامون اصل میں شیعہ تھا اور آداب امامت کے تمام طریقے جانتا تھا تو آپکے متواتر انکار کو فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ مصلحت امام سمجھکر خاموش رہجاتا۔ اور ایسی کھلی کھلی اور صاف صاف تعریض جس سے امام کی خودنمائی۔ خودغرضی ثابت ہوتی ہے قول امام علیہ السلام پر نہ کرتا۔ حالانکہ سال ہی بھر کے بعد جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے رحلت فرمائی تو اُسکو آپ کے کلام کی صداقت اور نیز وہ مصلحت جس کے سبب آپ انکار فرما رہے تھے معلوم ہو گئی۔ اور نیز وہ تغیر جو آگے چل کر اُسکے طرز عمل سے ظاہر ہوتے گئے وہ بھی امام علیہ السلام کے اس انکار اور حسن تدبیر کو اُس کے سامنے ظاہر اور ثابت کرتے گئے۔ یہ مامون کا تیسرا شبہہ تھا جو اس امر خاص کے متعلق اُسکے دل میں پیدا ہوا۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے ولیعہدی کس حالت میں قبول کی؟

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ مامون کی اس مخالفانہ تعریض کے جواب میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ اے امیر میں نے اپنی تمام عمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا حصول دنیا کے لئے محض ظاہری طور پر دنیا سے نفرت کرنا میرا شیوہ نہیں۔ لیکن ان امور کی تکرار اور بار بار اصرار سے جو تیرا خاص مقصود ہے وہ میں البتہ تیرے مُنہ پر کہے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ تیرا مقصد اس اصرار سے یہی ہے کہ لوگ کہینگے کہ علی ابن موسے علیہما السلام حقیقت میں تارک دنیا نہیں تھے بلکہ خود دنیا نے ایک خاص مدت تک انہیں چھوڑ رکھا تھا۔ مگر پھر بعد مرور ایام جب دنیا نے اُن کی طرف رجوع کیا تو پھر بکمال رغبت وخواہش یہ اُس میں آلودہ ہو گئے۔

مامون اب تو اپنی تعریض کا پورا جواب پا کر پہلے سے بھی زیادہ برہم ہوا۔ اور اپنی صولت سلطانی اور شوکت خسروانی کی پوری شان دکھلا کر کہا کہ آپ برابر میری اتنی منت وسماجت اور استدعا والتجا پر ابھی تک انکار کرتے جاتے ہیں۔ اور میری موجودہ سطوت سے ذرا نہیں ڈرتے ہیں آپ کو

یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ میری ولیعہدی کو قبول نہ فرمائینگے اور انکار پر انکار کرتے جائینگے تو میں تحقیر و تذلیل سلطنت کے جرم میں آپ کو قتل کر ڈالونگا۔ اُسکا یہ جواب سُننا تھا کہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر سابق انتشار واضطرار کے خلاف اطمینان اور تسکین کے آثار نمایاں اور آشکار ہونے لگے اور آپ نے نہایت نرمی اور آہستگی سے ارشاد فرمایا کہ اس امر کی یہ صورت پہنچگئی۔ اور واقعی جب یہ معاملات ان حدود تک پہنچ گئے تو مجھے اب تیری استدعا قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ اب میرا انکار میری ہلاکت کا باعث ثابت ہوگا اس لئے آیۂ وافی ہدایہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی تعمیل مجھپر واجب ہوگئی۔ میں تیری ولیعہدی کو تو قبول کرتا ہوں مگر ان شرائط پر کہ میں کاروبار سلطنت میں کوئی دخل نہ دونگا۔ نہ کسی کو معزول کرونگا اور نہ کسی کو مامور۔ نہ کسی آئین ملکی کو تبدیل کرونگا اور نہ کسی قواعد مالی کو متغیر۔ ہاں ان امور کی مداخلت سے علیحدہ رہکر تجھ کو اُن تمام امور ملکی میں جن میں تجھ کو میرے مشورے کی ضرورت ہوا کریگی۔ جو حکم خدا اور شریعت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اور مصلحت وقت کے موافق ہوگی۔ مشورہ دیا کرونگا۔

مامون نے یہ شرائط قبول کرلئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ پروردگار۔ تو جانتا ہے کہ اس امر کو میں نے محض بمجبوری۔ ناچاری اور قتل ہونیکے خوف سے قبول کیا ہے۔ خداوندا۔ تو میرے اس فعل پر مجھسے بھی اُسی طرح کوئی مواخذہ نہ فرمائیو جسطرح جناب یوسف اور حضرت دانیال علے نبینا وآلہ وعلیہما السّلام سے ان معاملات کے متعلق کوئی باز پرس نہیں فرمائی جائیگی۔ پھر اس کے بعد بار دیگر آپ نے یہ کلمات دعائیہ ارشاد فرمائے۔

اللّٰھمّ لا عھد الا عھدک ولا ولایۃ الا قبلک فوفّقنی الاقامۃ دینک واحیاء سنّۃ نبیّک فانّک نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

کوئی عہد سوائے تیرے عہد کے اور کوئی ولایت سوائے تیری ولایت کے نہیں ہے۔ تو مجھے اپنے دین پر قائم رہنے اور اپنے نبی صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنّت زندہ کرنے کی راہوں پر مستقل رہنے کی توفیق عنایت فرما۔

خواجہ محمد پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب میں آپکے یہ شرائط تسلیم کرتے ہوئے یہ تحریر کرتے ہیں۔

ثم الح المامون الحاحا کثیرا فقبل ولایۃ العھد وھوباک وحزین علی شرط ان لا ینصب احدا معزولا ولا یعزل احدا منصوبا۔

مامون نے ولیعہدی کے عوض کرنے میں جب بہت منّت اور الحاح کی تو حضرت امام موسیٰ رضا

علیہ السلام نے اس حالت میں کہ آپ نہایت محزون وملول تھے۔ اور روتے جاتے تھے۔ اس شرط پر امر ولیعہدی کو قبول فرمایا کہ میں کسی شخص معین کو نہ معزول کرونگا اور نہ کسی شخص معزول کو مامور

ان شرائط سے اس ولیعہدی کی کیا مقدار باقی رہتی ہے۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی قبول کرنے کی نسبت فریقین کے علماء اور مؤرخین عموماً یہی شرائط تحریر کرتے ہیں۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام پر اعتراض کرنے والے اور آپکی قبول ولیعہدی کو حصول دولت کے اغراض بتلانے والے ان مضامین کو پڑھکر دیکھ لیں کہ اس ولیعہدی کے موجودہ شرائط کے مقابلہ میں اسکی مقدار اور اسکی شان کتنی ثابت ہوتی ہے۔ انہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کسی محدث یا کسی مؤرخ کی ذاتی رائے اور خاص مختار نہیں ہے بلکہ یہ اقوال ہیں جنکو خود حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنی ولیعہدی کی مثال اور حقیقت حال میں ارشاد فرمایا ہے۔

جن لوگوں نے آثار واخبار قدیمہ پر عبور حاصل کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ بخت نصر نے جناب دانیال علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو اپنی وزارت قبول کرنے کے لئے ایسا ہی مجبور کیا تھا۔ اور عزیز مصر نے بھی حضرت یوسف علے نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو علم تعبیر الرویا میں کامل پاکر اپنی ولیعہدی کے لئے اسی طرح منتخب اور نامزد کیا تھا۔ جناب موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اس ولیعہدی کی نسبت اگر زیادہ غور کیا جاوے تو ثابت ہوجاویگا کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی اُن دونوں بزرگواروں کی حکومت وامارت سے زیادہ محدود تھی۔ کیونکہ نظام ملکی کے متعلق جو شرائط آپ نے قبول امارت کے ساتھ لگائی تھی وہ اوپر لکھے گئے ہیں۔ وہ شرائط ان دونوں حضرات کے ساتھ مطلق نہیں تھے۔ اُنکے اختیارات ویسے ہی وسیع اور عام تھے جیسے تمام ولیعہدان اور وزراء سلطنت کے ہوا کرتے ہیں۔ مگر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنی ولیعہدی اور نیابت کو اُن اختیارات کے ساتھ قبول کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور اپنی آزادی اور خود مختاری کو کسی طرح پسند نہیں فرمایا۔ اسکی کوئی وجہ بھی تھی۔ کوئی باعث بھی تھا۔

جہاں تک ان واقعات پر غور کیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان شرائط کی وجہ بھی ہے اور باعث بھی وہ یہ ہے کہ مامون کے زمانہ میں امارت وحکومت کے متمنی اور خواستگار مملکت کے ہر گوشہ سے پیدا ہو رہے تھے۔ امارت پسندی۔ خود مختاری اہل زمانہ کا خاص مذاق ہو رہی تھی

کسی خاص قوم اور فرقہ تک یہ خیال محدود نہیں تھے۔ بلکہ یہ رفتار عالمگیر ہو رہی تھی۔ ایسی حالت میں اگر آپ اپنی امارت اور حکومت کو باوجودیکہ خود امیر عصر کی طرف سے بصد منت و سماجت دی جارہی تھی اور صاف صاف طرح سے امیر وقت آپ کو اس امر کے قبول فرمانے کے لئے مجبور کر رہا تھا۔ بغیر سمجھے بوجھے اور غور کرے یکبارگی قبول فرما لیتے۔ اور انہیں لوگوں کے ایسا اپنی رغبت اور میلان بھی دکھلاتے۔ تو پھر اُن کے ارادوں کی خواہشوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا۔ اور ہر شخص آپ کو بھی ان امور کا متمنی اور خواہشمندوں سے سمجھتا۔ جیساکہ وہ لوگ سمجھے جاتے تھے اور اس امر سے آپ کے استغنا۔ کریم النظری اور سیر نفسی پر اس لئے بھی زیادہ اعتراض ہونے لگتے۔ جب ان حدود و قیود کے ساتھ ایسی مجبوری کی حالتوں میں جب آپکی ولیعہدی کا مسئلہ کوتہ بینان زمانہ کے اعتراضوں سے خالی نہ بچا تو پھر ایسی حالت میں انکے اعتراضوں کی افراط اور کثرت کی کیا کیفیت ہوتی زمانہ کے اہل تدبیر۔ جو تمدن و تدبیر میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے ان شرائط اور قیود کو اپنی ولیعہدی کا لازمہ قرار دیکر اپنی حسن تدبیر مصلحت بینی اور مآل اندیشی کی سیاسی دنیامیں بہت بڑی مثال قائم کردی ہے۔ اور بہت بڑا مستحکم ثبوت پہنچا دیا ہے بہر حال۔ ان شرائط کے ساتھ اس ولیعہدی کی باقیماندہ شان پر اگر غور کیا جاوے اور ان قیود کے ساتھ اسکی موجودہ حیثیت اور مقدار پر نظر کی جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ مامون نے جس طرح امام علیہ السلام کے آثار و اقتدار کو محدود کرنے کی تجویز کی تھی اُسی طرح امام علیہ السلام نے اپنی آزادی اور کمال نفسی اور استغنا قائم رکھنے کی تدبیر کی اور کچھ بھی نہیں۔ اس کے علاوہ۔ ان شرائط کے مقابلہ میں یہ بھی ثابت ہو جاویگا کہ مامون کے یہ سب طول وطویل انتظام اور اتنے وسیع انتظام جو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے متعلق خاص طور پر کئے گئے وہ ان شرائط کے مقابلہ میں محض فضول ثابت ہوتے ہیں۔ اور امام علیہ السلام بھی ان شرائط کے ساتھ ولیعہد بنائے جانے پر ایک متدین مشیر سلطنت سے زیادہ ثابت نہیں ہوتے۔ پھر ایک معمولی مشیر سلطنت کے تعین میں اتنی وسعت اور اہتمام سے کام لینا کسی عاقل اور عاقبت اندیش فرمانروا کا کام نہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ سلطنت کا ولیعہد عموماً اپنے موجودہ فرمانروا کا تابع اور زیر فرمان ہوتا ہے مگر تاہم وہ اتنا مجبور اور محدود نہیں ہوتا جتنا مامون کا ولیعہد۔ جو جملہ امور ملکی کی مداخلت سے بلکلیہ جدا اور علیحدہ رہکر اپنے فرمانروا کو مسائل ملکی میں مشورت اور اصلاح نیک دینے کے علاوہ اور کسی قسم کی ملکی اور مالی ذمہ داری کا جوابدہ اور ذمہ دار نہیں ہے۔ معمولی مشورت اور صلاح و مشورے کے

علاوہ جو عام طور سے ارکان دولت اور مشیران سلطنت کے اصلی فرائض کہے جاتے ہیں نظام ملکی کے کسی صیغہ کی دیکھ بھال یا جانچ پڑتال کو اُس سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں۔ تو اس حالت اور حیثیت میں اس شان اور اس مقدار کی ولیعہدی کو کون ولیعہدی کے مخصوص اور مشہور پیمانہ پر کامل اور پورا سمجھیگا۔ اس ولیعہدی کی موجودہ حیثیت صاف صاف بتلارہی ہے کہ ایسا ولیعہد دنیا میں ولیعہد نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ ایک معمولی مشیر سلطنت۔ اور کچھ بھی نہیں۔

اب مامون کی عقیدت پر عقیدہ رکھنے والے حضرات سمجھ لیں کہ اگر جناب امام موسی رضا علیہ السلام مامون کو اپنا خالص معتقد اور کامل مطیع جانتے اور اُسکے خلوص اعتقاد اور حسن اخلاص کو صادق مانتے تو کبھی اُسکے ایسے گرانمایہ عطایا کو جس سے بڑھکر دنیا میں شاید کوئی دوسرا عطیہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسا بیمقدار اور ناقابل اعتبار نہ سمجھتے جسے دیکھکر آخر کار فضل ابن سہل نے ایک دن مامون کے مُنہ پر کہہ ہی دیا کہ میں نے سلطنت کی ایسی گرانبہا چیز کو ایسا حقیر ہوتے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ مامون کا جتنا وقتی خلوص اور عقیدت تھی اُتنا ہی اُسکی طرف سے امام علیہ السلام کی قدر و منزلت فرمائی گئی۔ اور امام علیہ السلام کی طرف سے موجودہ حالت مجبوری جس مقدار اور انداز سے ان اختیارات کے قبول فرمانے کی مصلحت دیکھی گئی اُتنے ہی اختیار کئے گئے۔ باقی واپس دیئے گئے۔ ان امور کو دیکھکر اور ان قرائن کو سمجھکر مامون کا اخلاص اور اُسکی عقیدت کیسے کامل کہی جاسکتی ہے۔ حالت یہ ہے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نہ اُسکے قول پر کوئی اعتبار فرماتے ہیں اور نہ اُسکے ان عطایائے گرانمایہ کی کوئی قدر کرتے ہیں۔ جسے دیکھکر فضل ذو الریاستین کی طرح سینکڑوں لوگ عبرت کا سبق لیتے ہیں۔

ہم اس سے پہلے اس کتاب میں بھی۔ اور اس کتاب سے پہلے اور کتابوں میں بھی برابر لکھ آئے ہیں کہ کوئی حالت کیوں نہو امام اپنے فرائض مخصوصہ کے اظہار اور اعلان سے کسی وقت غافل نہیں ہوتا۔ مامون اسوقت چاروں طرف سے اپنی ملکی ضرورتوں میں گھرا ہوا تھا اور اُسکے لئے وہ وقت آپہنچا تھا کہ ایک مدت مدید اور عرصۂ بعید کے متواتر اور لگاتار انکاروں کے بعد وہ نظام ملکی اور امور سیاسی میں امام زمانہ کے ارشاد و ہدایت کی ضرورتوں کا اعتراف کرے جیسا کہ واقعات بتلارہے ہیں کہ مامون نے خود اور اُسکے دولت خواہان سلطنت نے دنیا کے قدیم دستور کے خلاف اس مسئلہ کو بالکل ایک نئے پہلو سے دیکھا اور اسپر غور کیا۔ اور اسکی غیر مستحمل ضرورتوں کو کامل طور

سے محسوس کرکے اس امر کا بالآخر فیصلہ کر دیا کہ ہماری موجودہ مشکلات کی گتھی امام زمانہ کے بغیر نہیں کھل سکتی۔ اسی ضرورت کی بنا پر جناب امام موسیٰ رضا علیہ التحیۃ والثنا مدینۂ منورہ سے دارالحکومت مرو میں طلب کئے گئے۔ اسی سے ہمکو سمجھ لینا چاہئے کہ وجود امام بیکار نہیں اور ذات امام علیہ السلام شرعی اور روحانی ضروریات کے علاوہ دنیاوی اور ملکی تعلقات میں بھی کیسی ضروری اور مفید ثابت ہوتی ہے۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے مسئلہ نے ثابت کر دیا کہ وجود امام دنیا میں ہر فرقت اور ہر طبقہ کے لئے مفید اور ضروری ہے۔

ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی حسن تدبیر

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے بھی اس امر میں اپنی قبولیت کا اسی درجہ تک اظہار فرمایا ہے جہاں تک آپ کی حسن تدبیر۔ عاقبت بینی اور احتیاط اجازت دیتی تھی۔ اور جہانتک آپ اس امر کے قبول فرمانے کو نظام امت کی درستی کے لئے ضروری سمجھتے تھے موجودہ ولیعہدی کے مسئلہ میں جو کچھ آپ نے کیا وہ انہیں اصول کے مطابق تھا۔ ورنہ حقیقت میں نہ ولیعہدی تھی اور نہ امارت۔ نہ وزارت۔ نہ صدارت۔ آپ کے خاص الفاظ شاہد ہیں کہ "میں جملہ امور ملکی سے علیحدہ رہکر تمہیں صرف صلاح نیک دیتا رہونگا"۔

اسلام کے اخبار و آثار دیکھنے والے حضرات اور سیرۃ ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین پر غور کرنیوالے بزرگوار جب آپ کی ولیعہدی پر غور کریں گے اور آپ کے اس قول کو پڑھینگے تو انہیں آپکی اس ولیعہدی کی مقدار اور انداز ملجائیگی۔ اور وہ کامل طور سے سمجھ جائینگے کہ خلیفۂ عصر کی تجویز سے آپ کا اتفاق۔ یا امور سیاسی اور مسائل ملکی کی ضرورتوں کے وقت اسکی تائید کا وعدہ جو ولیعہدی کے نام سے آج تک مشہور ہے بالکل ویسا ہی ہے جیسا جناب امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اپنے زمانہ کی تین خلافتوں کے وقت اختیار کیا تھا جو تمام اسلامی تاریخوں میں آج تک محفوظ ہے۔ خلافت اوّل سے لیکر خلافت ثالثہ کے آخروقت تک جب کسی خلیفۂ عصر نے جس ملکی معاملہ میں آپکے مشورے کی ضرورت دیکھی۔ آپ سے رائے طلب کی۔ آپ نے جو مصلحت وقت اور ضرورت زمانہ دیکھی نہایت آزادانہ اور دوستانہ طور پر بتلا دی جسکی مطابقت میں ان لوگوں کو ہر امر کامیابی ہوتی گئی۔ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت ظاہری کے قبول کرنے وقت جو تقریر فرمائی تھی وہ مورخ ابوالفدا کی تحقیق میں یہ تھی:

میں تمہارا امیر اور حاکم تو ہوتا ہوں مگر اسی وقت تک جبتک تم میرے محکوم اور مطیع رہوگے۔ اور جب تم میری اطاعت اور حکومت سے علیحدہ ہوجاؤگے تو پھر میں بھی تم جیسا ہوجاؤنگا۔ مگر تاہم میں تمہارے ساتھ ہمیشہ وہی امور قائم رکھونگا جو تمہاری صلاح و رفاہ پر مبنی ہونگے۔

ہر عاقل شخص ان قیود اور شرائط کو دیکھکر سمجھ سکتا ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے حزم و احتیاط کو مدنظر رکھکر اپنی خاص امارت و حکومت کو بھی کس حد اور کس درجہ تک محدود فرمایا تھا۔ اور صلاح خیر اور مشورۂ نیک کے اصول پر اپنے تمام امور کو منحصر کر رکھا تھا۔ اور خلافت اور غیر خلافت دونوں زمانوں میں یہی اصول ہمیشہ آپ کے مدنظر رہتے تھے۔ اور آپ کے موجودہ منصب امامت کے اعتبار سے امور ملکی میں آپ کی اتنی ہی مداخلت کافی تھی۔ کیونکہ نظام امت کے امور کو جسقدر ضرورت تھی وہ اسی قدر تھی۔ جو نبی کے بعد امام کے فرائض مخصوصہ میں داخل اور شامل ہوتی ہے۔

کچھ امیر المومنین علیہ السلام پر منحصر نہیں ہر امام نے اپنے زمانہ میں اسی اصول کو مدنظر رکھکر اپنے زمانہ کے حکمران اور فرمانروا کی ان ضرورتوں کے وقت ضرور مدد پہنچائی ہے۔ جن لوگوں نے اسلامی اخبار و آثار کو تمام و کمال مشاہدہ نہیں فرمایا ہے وہ ہماری سیرت اہلبیت علیہم السلام کے مختصر سلسلوں کو دیکھکر اچھی طرح معلوم کرسکتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے واقعہ حرا میں مسلم ابن عقبہ کے مظالم کے سامنے بھی جو طریقہ اختیار فرمایا تھا وہ یہی تھا۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے عبد الملک ابن مروان کو اسلامی سکہ کے رواج۔ اور چاہ احزاب کے معاملات میں جو مشورے دئے۔ وہ بھی انہیں اصول پر مبنی تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے سادات بنی حسن کو حصول خلافت کے خلاف جو ہدایتیں فرمائیں اور منصور عباسی کو اس کی نسبت جیسی جیسی فہمائشیں کیں اُن میں بھی یہی اصول مضمر تھے۔ اسی طرح حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مہدی کو اُس کے اوائل سلطنت میں جو مفید نصائح کئے اُن کے اغراض و مقاصد بھی یہی تھے۔

خلاصہ یہ کہ جب ملکی فرمانروا اپنی ضرورتوں میں ان حضرات سے مشورہ طلب ہوتے تھے تو یہ بزرگوار نظام امت کی ضرورتوں کو مدنظر رکھکر اپنی مفید ہدایتوں سے کبھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ اور جو صلاح نیک اور مصلحت زمانہ ہوتی تھی وہ نہایت آزادانہ طریقہ سے دیجاتی تھی۔ مگر باایں ہمہ اپنے استغنا اور حزم و احتیاط کا بھی ہمیشہ خیال اور لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اور کبھی عام طور سے یا بے ضرورت طریقہ سے فرمانروایان ملکی کے کسی کار و بار میں کسی طرح کی کوئی مداخلت

نہیں کی جاتی تھی۔ یا اُنکے کسی ایسے امر میں جس میں اُن کے مشورے یا صلاح کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ کبھی کوئی مشارکت یا مداخلت نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ اُنکے تمام احکام۔ تدبیر اور تجویزوں پر اگرچہ وہ کتنے ہی مصلحت کے خلاف معلوم ہوتی ہوں۔ نہایت خاموشی اور سکوت اختیار فرمایا جاتا تھا۔ ان حضرات کی ان خاموشانہ روش کی تفصیل پر اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ حضرت امام علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے خلافت شیخین کے مقابلہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے (واقعۂ کربلا کی ابتدا تک) یزید ابن معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے مسلم ابن عقبہ کے مقابلہ میں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ہشام کے مقابلہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہشام کے زمانہ سے لیکر مروان الحمد آخر خلیفۂ مروانی تک اور پھر سلسلۂ عباسیہ میں السفاح سے لیکر منصور دوانیقی عباسی تک کے مقابلہ میں۔ برابر یہی طریقے اختیار فرمائے تھے۔ اور اُنکی تمام مختلف تدبیروں کے عوض میں اپنی حسن تدبیر اور عاقبت اندیشی کے ایسے ہی عدیم المثال نمونے دنیا کے آگے پیش کئے تھے۔ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے بھی مہدی ابن منصور کے وقت سے لیکر ہارون کے زمانہ تک اُنکے تمام مخالفانہ امور کے مقابلہ میں یہی طریقے اختیار فرمائے۔ ان قرائن سے ثابت ہوگیا کہ فرمانروایان ملکی کے ساتھ ان بزرگواروں کا جتنا اتفاق اور اُنکی تجویز اور تدبیروں کے متعلق ان حضرات کی جسقدر مشارکت یا مشورت پائی جاتی ہے وہ سب نظام امت کی عام ضرورتوں کی بنا پر مبنی تہیں۔ انہیں خاص ضرورتوں کی وجہ سے ان امور میں انکی استمداد و اعانت بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اور اُن کی تجویزوں کے ساتھ اتفاق بھی کیا جاتا تھا۔ اور اُن کی درخواستیں قبولیت اور اجابت کے درجہ پر فائز فرمائی جاتی تھیں۔

انہیں امور پر حقیقت اور انصاف کی نظر ڈال کر کچھ اسلامی مدبرین ہی نے نہیں بلکہ غیر اقوام اور غیر مذاہب کے ذی اقتدار اور تجربہ کار اہل تدبیر نے بھی اس امر پر بالاتفاق اپنا اعتراف ظاہر کیا ہے کہ یہ حضرات مقدسین اپنی حسن تدبیر اور مصلحت اندیشی کے کمال اوصاف میں اپنی آپ مثال ثابت ہوتے ہیں۔ اور اپنے انہیں محاسن مخصوصہ کی وجہ سے جو روحانی عظمت و جلالت اور قدر و منزلت دنیا کے آگے ان بزرگواروں کو اپنی غایت درجہ کی عسرت اور تنگی کی حالتوں میں بھی حاصل تھی وہ اُن کے ہمعصر فرمانروایان سلطنت اور حکمرانان مملکت کو

اپنے بڑے بڑے اور عظیم الشان محلات سلطانی اور مکانات خسروانی میں ممکن نہیں تھی۔
بہر حال۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی طرف سے ولیعہدی قبول کرنے کے مسئلہ کو بھی
بالکل انہیں کی مثال سمجھنا چاہیئے۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولیعہدی سے عباسیوں کی مخالفت

بہر حال۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی مجبورانہ استرضا پاکر مامون نے اسی دن سے آپکی ولیعہدی
کے مراسم ادا کرنے کے لئے ایک نہایت بڑی محفل اور صحبت کے انتظام نہایت اعلےٰ پیمانہ پر شروع
کئے۔ چنانچہ یکم رمضان المبارک بروز پنجشنبہ ۲۰۱ھ ہجری اس عظیم الشان دربار سلطانی کی تاریخ
مقرر ہوئی۔ مامون کے حکم سے وزیر السلطنت فضل ابن سہل ذوالریاستین نے جملہ وزراء۔ امراء
دارالخلافت اور تمامی اکابر و عمائد ممالک محروسہ کو شاہی فرامین اس مضمون کے بھیجے کہ امیر المومنین
عبداللہ مامون کو یہ مرکوز خاطر ہے کہ حضرت ابوالحسن امام موسی رضا علیہ السلام کو بلقب رضا
ولیعہد خلافت تسلیم کیا جاوے۔ جملہ اراکین دربار رعایا اور برایا سیاہ کپڑوں کی جگہ سبز کپڑے
پہنکر یکم رمضان روز پنجشنبہ ۲۰۱ھ ہجری کو دربار سلطان میں حاضر ہوں۔ اس خوشی کی تقریب
میں تمام لوگوں کو ایک سال کا آذوقہ خزانہ شاہی سے عطا کیا جاویگا۔

جب یہ سامان درست ہوگئے تو ایک دن مامون نے تمام مخصوصین بنی عباس کو اپنے پاس بلایا
اور یہ وہی حضرات تھے جو اس ولیعہدی کو نہایت خشم آلود نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور دوبارہ
ان سے اپنے اس قصد کا اعادہ کیا۔ وہ ایسے کیا تھے جو اس تجویز سے اتفاق کرتے۔ صاف
صاف لفظوں میں اسکی تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آپ ایک مرد جاہل (خاک
بدہان ایشاں باد) کو جو تدبیر سلطنت اور ملک داری سے محض ناآشنا ہے اپنی بادشاہی
دیئے دیتے ہیں۔ انکو ہمارے سامنے تو بلوائیے ہم ابھی ابھی انکی کم علمی اور بے مائیگی کی پوری
حقیقت آپ پر ظاہر کئے دیتے ہیں۔

مامون نے اسی وقت اپنے خاص ملازم کی معرفت حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو بلا بھیجا۔
آپ تشریف لائے تو اس نے خدمت بابرکت میں عرض کی کہ اس وقت یہ تمامی حاضرین اور
سامعین اس مجلس میں خاصکر اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ آپ اپنی زبان مبارک سے ایک
خطبہ متضمن امور دین جس کے مطابق اطاعت خدا بجالائی جاوے۔ ارشاد فرمائیں۔ یہ سنکر آپ
اپنے مقام سے اٹھے اور اس منبر پر تشریف لے گئے جو پہلے سے اس ضرورت کے لئے تیار

کیا گیا تھا۔ اور بکمال فصاحت و بلاغت اور بہزار خوش بیانی و معجز زبانی ایک خطبہ طولانی جو معارف الٰہی اور حقائق لا متناہی کی تفصیل کامل پر محتوی تھا ارشاد فرمایا۔ جس کو جناب صدوق علیہ الرحمہ نے عیون الاخبار اور کتاب التوحید میں اور شیخ ابو جعفر طوسی نور اللہ مرقدہ نے امالی میں اور علامہ طبرسی انار اللہ برہانہ نے احتجاج میں تحریر فرمایا ہے۔ اور ملا مجلسی علیہ الرحمہ و الغفران نے اُسکا ترجمہ ایک رسالہ کی صورت میں علٰحدہ طور پر فارسی زبان میں تحریر فرمایا ہے۔ اُس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ یہ خطبہ طریق توحید اور معرفت الٰہی میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے معجزات غریبہ سے ہے کیونکہ ہر ذی شعور جانتا ہے کہ ایسے بحار معرفت نشان اُس زبان کے سوا۔ جو کلید معرفت ربانی و ینبوع احکام یزدانی ہو نہیں نکل سکتے۔ اور سوائے عندلیب قدسی آشیان کے ایسی نغمہائے دلکش اور کسی کے کام و زبان سے ادا نہیں ہو سکتے۔ اور خاتمہ ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ضیق مجال اور وفور اشتغال کے سبب سے اسی مقدار پر کفایت کی۔ درحقیقت اگر اس خطبہ کی شرح و بیان میں کتاب کی کتاب لکھی جاوے۔ تاہم بہت کم ہے۔

چونکہ اس خطبہ کو یہاں لکھدینے سے ہمارے موجودہ سلسلۂ بیان میں ترتیب واقعات کے اعتبار سے بڑی بدنظمی واقع ہو جائیگی اس لئے ہم اُسکی نقل کو اس مقام پر لکھنا کسی طرح مناسب نہیں سمجھتے۔ اس کے خلاصہ انتخاب کو ہم انشاء اللہ تعالے آپ کی جامعیت اور علمی مباحث کی ذیل میں بیان کرینگے۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم اپنے سابق سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ تمام بنی عباس جو اُسوقت موجود تھے ایسے جامع اور مانع خطبہ کو سنکر نقش بدیوار بن گئے اور اپنی حیرت اور سراسیمگی کی خاص حالتوں میں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگا۔ اُن کے اسی استعجاب کے عالم میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام منبر سے نیچے اُتر آئے اور وہ جلسہ برخاست ہو گیا۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا دربار

بہرحال۔ اسکے بعد مامون نے اپنے طور پر اپنے تمام ملکی۔ مالی اور فوجی افسروں کو اور دیگر عمائد صحیحات کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی پر رضامند کر لیا۔ مگر ان مشاہدات حقائق اور اشارات سلطانی پر بھی بعض بدبختان ازلی اس سعادت عظمے کی بہرہ اندوزی سے قطعی طور پر محروم رہے ان ناکاموں میں عیسے جلودی۔ علی ابن عمران۔ اور ابی یونس وغیرہ کے نام خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی

ہیں۔ خدا خدا کر کے مامون کی ظاہری مرادوں کے دن پورے ہوئے اور اُسکی ظاہری مسرت اور فراغت کی صبح امید افق مشرقی سے نمودار اور آشکار ہوئی۔ اور یکم رمضان اُس کے حسابوں یکم شوال ثابت ہوئی۔ بروز موعودہ مامون کا دربار سلطانی تمام زینت شاہانہ اور آرائش خسروانہ سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا۔ چونکہ پہلے سے اعلان کر دیا گیا تھا کہ ملازمان ملکی۔ مالی اور فوجی غرض تمام وظیفہ خواران شاہی کو اس مبارک موقع پر ایک ایک سال کا روزینہ عطا کیا جائیگا لہذا درہم و دینار کے انبار پہلے ہی سے لگا دئے گئے تھے۔ اور زر و دینار کے علاوہ خلعت ہائے گوناگوں اور جامہائے گرانبہا پہلے ہی سے دربار شاہی میں تخت شاہی کے قریب سونے اور چاندی کی کشتیوں میں چن دئے گئے تھے۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے لئے ایک مسند عالی نہایت تکلف سے مامون کی مسند سے ملی ہوئی۔ آراستہ کی گئی۔ اور ایک روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسند کی جگہ تین جواہر نگار کرسیاں جناب امام موسی رضا علیہ السلام۔ مامون اور فضل کے لئے نہایت قرینہ سے۔ قریب قریب اس ترتیب کے ساتھ لگائی گئیں کہ وسط میں مامون۔ اُسکے داہنی جانب حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام بائیں جانب فضل ابن سہل کی نشست واقع ہو۔

غرض جب یہ ضروری انتظام ہو چکے اور افتتاح دربار کا وقت بھی آ گیا تو فضلاء و علماء۔ امراء و رؤساء مشائخ اور عمائد اور اصاغر چاروں طرف سے جوق جوق آنے لگے۔ اور منتظمین دربار کے ذریعہ سے اپنے اپنے مراتب کے موافق دربار سلطانی میں جگہیں پانے لگے۔ جب تمام دربار حاضرین سے بھر گیا تو سب سے پہلے مامون اپنے شاہی کمرے سے داخل دربار ہوا۔ مامون کے بعد جناب امام موسی رضا علیہ السلام اس لباس سے تشریف لائے کہ خلعت خضرا در بر اور عمامۂ سبز بر سر تیغ شربار کمر اقدس سے لگائے۔ سبحۂ مرجان دست مبارک میں دبائے رونق افروز ہوئے۔ اور مامون کے داہنی جانب اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ رعب و جلال امامت چہرۂ اقدس سے ٹپکا پڑتا تھا۔ شان عظمت و جلالت جبین برکت آئین سے ہویدا اور آشکار تھی۔ خدام مامون علم سبز جس کے پٹکوں میں کثرت سے دُرّ و یاقوت ٹنکے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں لئے۔ آپ کے پس پشت کھڑے تھے۔ خطیبوں کی جماعت۔ شاعروں اور عام قصیدہ خوانوں کی صف حکم کے انتظار میں دو رویہ قطار باندھے کھڑی تھی۔ مامون نے ظاہری طور پر اس مبارک رسم کی افتتاح یوں کی کہ سب سے پہلے اپنے بیٹے عباس کو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی بیعت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے جس شخص نے بیعت کی وہ عباس ابن مامون تھا۔ عباس کے بعد۔ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ باری باری آتے گئے اور

آپ کی بیعت سے مشرف ہوتے گئے۔ امر بیعت کے تمام ہونے کے بعد زر و دینار غرباو مستحقین پر تقسیم کئے گئے۔

شعرائے دربار میں سے سب سے پہلے جس بزرگ نے قصیدۂ تہنیت پڑھکر سنایا۔ وہ عباس ابن حسن علوی (اولاد حضرت عباس علمدار علیہ السلام) تھے۔ اُس قصیدے کا مطلع یہ تھا ؎

لا بدّ للنّاس من شمس وقمر فانت شمس وھذا ذلک قمر

اے مامون رخلقت خدا کے لئے ایک آفتاب و ماہتاب کی ضرورت ہے۔ تو آفتاب ہے اور امام علیہ السلام ماہتاب۔

عباس ابن حسن علوی کے بعد عرب وعجم کے کثیر التعداد شعرا نے اپنے اپنے قصیدے جس میں انہوں نے زور طبع اور حسن تشبیب کے نہایت خوشنما اور دلکش عالم دکھلائے تھے مامون کو یکے بعد دیگرے پڑھکر سنائے۔

قصیدہ خوانی کے بعد مامون نے خاص خاص حضرات کو بُلاکر اپنے عطایائے وافرہ سے سرفراز فرمایا۔ ان میں جو صاحب سب سے پہلے طلب کئے گئے وہ محمد ابن جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ وہ تشریف تولائے مگر اُنہوں نے بخلاف داب شاہی مامون کے ہاتھوں پر بوسہ نہیں دیا۔ صرف اُسکا عطیہ لیا اور اپنے مقام پر واپس آئے۔ ان کے بعد پھر تو تار بندھ گیا۔ ایک علوی اور ایک عباسی آتا تھا۔ اپنا عطیہ لیتا تھا اور چلا جاتا تھا۔ خدمت عطایا پر مامون کا خاص حاجب ابوعباد نامی معین تھا۔

جب یہ امور بھی طے ہو چکے تو مامون نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضرین کا اشتیاق مالایطاق ظاہر کرکے یہ استدعا کی کہ آپ اس مجمع عام میں اپنی زبان معجز بیان سے کوئی خطبہ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے بطیب خاطر قبول فرمایا۔ اور اپنے مقام سے اُٹھکر منبر پر تشریف لے گئے اور حمد الہی و نعت حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بجالاکر ارشاد فرمایا۔

ان لنا علیکم حق برسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ولکم علینا حق بہ واذا انتم ادیتم الینا ذلک وجب علینا الحق لکم۔

اے جماعت حاضرین کہ باعتبار قربت جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تم پر ہمارا ایک حق ہے اور اسی طرح تمہارا بھی ہم پر حق ہوتا ہے جب تم نے ہمارا حق ادا کر دیا ہے تو ہم پر بھی واجب ہو گیا کہ ہم بھی تمہارا حق ادا کریں۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ کے اسناد سے اسی قدر تقریر آپ کی اس وقت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر ابن بابویہ علیہ الرحمہ والغفران نے عیون اخبار الرضا علیہ السلام میں بیہقی کے اسناد سے دو خطبے اور نقل فرمائے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔

الحمد للہ الذی حفظ منا ما ضیعہ الناس ووقع منا ما وضعوہ حتیٰ لقد لعنا علیٰ منابر الکفر ثمانین عاما وکتمت فضائلنا وبذلت الاموال فی الکذب علینا واللہ عزوجل یابی الّا ان یعلی ذکرنا ویبین فضلنا واللہ ما ھذا ابنا وانما ھو برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقربتنا منہ حتی صار امرنا ما یروی عنہ انہ سیکون بعدنا من اعظم ایاتہ ودلالات نبوتہ

اُس خدائے عزوجل کا شکر ہے جس نے ہمارے اُن امور کی حفاظت کی جس کو لوگ ضائع کر چکے تھے اور ہمارے اُن امور کو بلند فرمایا جس کو لوگ گرا چکے تھے۔ اور یہانتک نوبت پہنچ گئی تھی کہ اسّی برس تک اہل کفر و عصیان منبروں پر بیٹھ بیٹھ کر ہم پر لعنت کرتے رہے۔ اور ہمارے فضائل و مناقب کو چھپاتے رہے۔ اور ہم پر جھوٹے جھوٹے الزام اور تہمت لگاتے رہے۔ اور اُس کے عوض میں انعام و دولت پاتے رہے۔ مگر خدا تعالےٰ کی مشیت نے یہی چاہا کہ ہمارا ذکر بلند ہو اور ہماری فضیلت ظاہر ہو۔ خدائے سبحانہ تعالےٰ کی قسم یہ ہماری خاص وجہ سے نہیں ہوا بلکہ یہ سب جناب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے باعث سے واقع ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن ہمارا وہ حال ہو جائیگا جیسا کہ نقل کیا گیا ہے کہ ہمارے بعد ہونیوالا ہے۔ کیونکہ تمام امور جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے خاص آثار اور اصلی معیار ہیں۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے دوسرے خطبہ کے مضامین کا ترجمہ یہ ہے جو ذیل کی عبارت میں قلمبند کیا جاتا ہے۔

ایھا الناس آگاہ ہو کہ میں علی ابن موسی الرضا علیہما السلام ہوں۔ میں تمہیں اس امر کی اطلاع دیتا ہوں کہ مامون نے خدا اُسکی توفیقات کو زیادہ کرے۔ ایسے وقت میں ہمارا حق پہچانا جب تمام دنیا کے لوگ اُس کی طرف سے غافل ہو گئے تھے۔ اور اُس نے اُس وقت صلۂ رحم کو پھر زندہ کیا جو مدت سے قطع کئے پڑے ہوئے تھے۔ بہت سے بیقرار دلوں کو اس نے امن و اطمینان بخشا اور اپنی ان خدمات میں وہ جناب باری عزّ اسمہ کے سوا اور کسی سے کسی بدلے یا خیر کی امید نہیں رکھتا۔ خدا تعالےٰ اُسے اسکا اجر عطا فرمائیگا کیونکہ خدائے تبارک وتعالےٰ نیکوکاروں کے اعمال کو

ضائع نہیں کرتا۔ پس جیسا کہ تم لوگ دیکھتے ہو کہ اُس نے مجھے اپنی خلافت و امارت میں اپنا ولیعہد مقرر کیا ہے۔ اگر میں اُس کے بعد زندہ رہا۔ تو جو شخص اس اقرار بیعت کے بعد اپنے اقرار کو توڑیگا یا اس سے اختلاف وانحراف کریگا۔ اور اُس عروۃ وثقےٰ کو جسے حق سبحانہ تعالےٰ نے مستحکم کیا ہے شکست دیگا۔ اور اُس کے نظام متفقہ اور تدبیر مجتمعہ کے پریشان کرنے اور رسم و رواج جاہلیت کے تازہ کرنے اور بدعات نفاق کے قائم کرنے کی کوششیں کریگا وہ ضرور سخت مواخذہ میں گرفتار کیا جائیگا۔ اور میں نہیں جانتا ہوں کہ ہمارے اور تمہارے ساتھ فردائے قیامت میں کیا کیا جاویگا۔ ان الحکم الا اللہ یقضی بالحق وھو خیر الفاصلین سوائے خدا کے اور کسی کا حکم نہیں ہے وہی حق بحق فیصل کریگا۔ اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کنندہ ہے۔ آپ کی اس معجز نما تقریر نے اُس مجمع پر جیسی کچھ تاثیر کی وہ حد تحریر سے باہر ہے اہل اسلام کی کثیر التعداد جماعت میں بہت سے ایسے تھے جو چہرۂ مبارک پر نظر گڑائے نقش بدیوار اور تصویر انتظار کی صورت بنے ہوئے تھے۔ اکثر ایسے تھے جو آپ کی معجز بیانی اور خوش الحانی سُن سُنکر اپنی وجدانی کیفیتوں میں سراپا غرق ہو رہے تھے۔ بہتیرے ایسے بھی تھے جو مضامین عالیہ پر غور کر کے خوف خدا اور عذاب عقبےٰ کے باعث ڈھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ الغرض کوئی متنفس ایسا باقی نہیں تھا جو جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے کلام معجز نظام سے پورے طور پر متاثر نہوا ہو۔

حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السّلام کی ولیعہدی پر رائے

ہم نے جہاں تک آپ کی موجودہ ولیعہدی کے خاص مسئلہ پر غور کیا ہے۔ ہم کو یہ امر ثابت ہوا ہے کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اس امر کو صرف مصلحت وقتی کے لحاظ سے مقبول فرمایا تھا جیسا کہ ہمارے اُس مفصل اور مدلل بیان سے جسے ہم قبول ولیعہدی کی بحث میں لکھ چکے ہیں۔ پورے طور سے معلوم ہو چکا ہے۔ آپ کے اُن خاص اقوال کے علاوہ جو اوپر درج کئے گئے۔ آپ کے ان دونوں خطبوں کے مضامین سے بھی جو ماموں کی خاص استدعا پر تمام حاضرین اور سامعین کے سامنے علے الاعلان ارشاد فرمائے گئے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی خاص حجت قائم کرنے کے لئے تمام اہل اسلام کو عام طور سے مخاطب فرماکر اپنے حقوق سے استدلال فرمایا ہے اور اُن کو اپنے تمامی استحقاق یاد دلائے ہیں جو آپ کو منجانب اللہ حاصل تھے۔ اور جو دوسروں پر منجانب اللہ فرض بنائے گئے تھے۔ اور اسی کے ساتھ ان امور واجبہ کی تعمیل میں لوگوں نے عام طور سے سلطنت

کے دباؤ یا اپنی خود غرضی اور نفسانیت کی وجہ سے جیسے جیسے اختلاف اور انحراف اختیار کئے۔ اور ان حضرات کے اکرام و آداب کے برعکس جیسی جیسی بے ادبیاں اور گستاخیاں انکی خدمات میں ظاہر کیں۔ اور ان پر جیسی جیسی تہمتیں اور الزام لگائے وہ بھی بیان فرمادئے۔ اور پھر اپنے فضائل و مراتب روحانی کے کامل ثبوت بھی پیش کرکے بتلا دیا کہ بفحوائے آیۂ وانی ہدایہ العزۃ للہ وللرسول وللمؤمنین باوجود ان تمام مخالفتوں کے ہمارا بول بالا ہی رہا۔ اور دشمن کا منہ کالے کا کالا ہی رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپکے یہ دونوں خطبے اُن تمام حالتوں کے اجمالی دفتر ہیں جو حقوق اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے متعلق سلاطین بنی امیہ و بنی عباس کے ایام حکومت میں واقع ہو چکے ہیں۔ آپ کے تمام مضامین سے سوائے اظہار حقوق اور اعلان فضائل و مراتب کے آپ کی طرف سے موجودہ ولیعہدی کی نسبت کوئی مسرت یا کوئی مفاخرت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور نہ آپکے کسی جملے یا فقرے سے اس کے متعلق آپکی کوئی تمنا۔ آرزو اور خواہش معلوم ہوتی ہے۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنے پہلے خطبہ میں تو ولیعہدی کا کہیں اشارتاً اور کنایتاً ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ ہاں دوسرے خطبہ میں اسکے متعلق ارشاد بھی فرمایا ہے تو اتنا کہ مجھکو مامون نے اپنا ولیعہد کیا ہے۔ اگر میں اسکے بعد زندہ رہا" آپ کے زندہ رہنے کی شرط نے اس ذکر ولیعہدی کو بھی سرے سے بالکل بیکار کر دیا۔ کیونکہ آپ کو خوب معلوم تھا کہ جو منصب مجھے سپرد ہوتا ہے وہ ہرگز اپنی حد تک نہیں پہنچیگا۔ اور قبل اسکے کہ مامون کا خاتمہ ہو۔ آپ خود دنیا سے رحلت فرما جائیں گے۔ اس لئے آپ نے ان تمام امور کا ذکر بھی اسکے نتیجے کے ساتھ ہی ساتھ سب کے سامنے کر دیا۔ اور اپنے استغناء توکل اور قناعت کے کمال دکھلاکر ثابت کر دیا کہ میں اس ولیعہدی کو ہرگز اعتبار اور افتخار کے قابل نہیں سمجھتا۔

تفویض ولیعہدی کے متعلق مامون کے حق میں جو الفاظ فرمائے گئے ہیں وہ صرف ادائے حقوق اور صلۂ رحم کے احیاء کو بتلا رہے ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں کہ" مامون نے۔ خدا اُس کی توفیقات کو زیادہ کرے۔ اُس وقت میں ہمارے حق کو پہچانا ہے جب تمام لوگ عام طور سے اسکی طرف سے غافل ہو گئے تھے۔ اور اُس صلۂ رحم کو پھر زندہ کیا ہے جو مدت سے منقطع کئے پڑے تھے"

کوئی عاقل شخص ان الفاظ کو پڑھکر کہہ سکتا ہے کہ ان الفاظ میں مامون کے محاسن سلوک کے علاوہ کہیں اپنی ولیعہدی کا اشارتاً و کنایتاً بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یا اُسکی موجودہ تفویض کی نسبت

آپکے کسی لفظ یا کسی حرف سے مامون کے اشفاق اور احسان کا اعتراف ظاہر کیا گیا ہے۔ ہاں جسقدر اس موجودہ دربار سلطانی میں ارشاد ہوا ہے وہ آپکے حقوق واجبہ کی عملی صورتیں ہیں اور بس۔ چونکہ آپ اور آپ کا تمام مقدس سلسلہ امر امامت اور نظام امت کے لئے منجانب اللہ والرسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم معین ومقرر تھا۔ مگر ایک عرصہ تک سلاطین مخالف کے قہر وغلبہ کی وجہ سے آپ حضرات ان امور سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ بالآخر مشیت ایزدی نے گمراہان زمانہ کی عبرت اور ہدایت کے لئے انہیں سلاطین مخالف کے سلسلہ اور خانوادہ میں مامون کے ہاتھ سے اس امر کو بھی ظاہری طور پر اُس کے مرکز اصلی تک منتقل کرنے کا سامان کر دیا۔ اور انکی حقیت اور افضلیت کا پورا ثبوت پہنچا دیا۔ ان وجہوں سے ضرور تھا کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام بھی اعلائے کلمۃ الحق کے ساتھ ہی مامون کے محاسن سلوک کا بھی ذکر فرمائیں۔ اور اسی کے ساتھ مامون کے صلۂ رحم کے ادا کرنے کا بھی تذکرہ کریں۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ جب سے سلسلۂ عباسیہ میں دولت وحشمت آئی آپس کی قرابت اور خصوصیت کے دروازے بند ہو گئے۔ اور باہمی مواصلت اور پیوند کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ ان میں مامون ہی پہلا شخص نکلا جس نے اپنی بڑی بیٹی ام حبیبہ کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے عقد میں دیا۔ اور اپنی چھوٹی لڑکی ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں دیکر قدیم قرابتوں کو پھر از سر نو زندہ کیا۔ ان واقعات کو پڑھ کر وہ کون شخص ہوگا جو ایسے مخصوص حالات کو قابل ذکر نہ سمجھیگا۔ اور ان کے ذکر کو خاص طور پر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ولیعہدی پانے کا شکریہ ادائے احسان سمجھیگا۔ آپ کے الفاظ تو صاف صاف واقعات بتلا رہے ہیں اور اپنے مقدس خانوادہ کے وہ تغیر پذیر حالات دکھلا رہے ہیں جو قدیم زمانہ میں گزر چکے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہوا خواہان مامون اس امر میں بھی اپنی خاطر جمع رکھیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنے اس کلام معجز نظام میں مامون کے موجودہ مسالک کے سوا اور اسکی کسی قسم کی ذاتی تعریف یا توصیف بیان نہیں فرمائی ہے۔ جس سے ان حضرات کو مامون کے شیعہ ہونے یا کم سے کم ممدوح امامؑ کہنے کا موقع ملجائے۔ کیونکہ جن لفظوں سے اُس کے خدمات کے اظہار کی ابتدا کی گئی ہے وہ یہی دعا ہے کہ خدا اُسکی توفیقات کو زیادہ کرے۔ تمام اہل اسلام پر اچھی طرح سے یہ امر روشن ہے کہ اسلام نے تمام دنیا کو اخلاق کی تعلیم ایسے ہی وسیع پیمانے پر دی ہے کہ

مسلمان تو مسلمان ایک مشرک اور کافر تک کے حق میں ازدیاد توفیق اور تحصیل ہدایت کی دعا دل کو منع نہیں فرمایا ہے۔ قرآن مجید کے اکثر نصوص اس پر دال ہیں۔ تو مامون کے لئے بھی ایسی دعا فرمانے سے اُسکے لئے کوئی مفاخرت قائم نہیں ہو سکتی۔

اس فقرہ دعائیہ کے علاوہ۔ آپکے دونوں خطبوں میں کوئی فقرہ۔ کوئی لفظ اور کوئی حرف مامون کے ذاتی اوصاف کو نہیں بتلاتا۔ جسقدر کہ اُن سے ظاہر ہوتا ہے وہ اُس کی خدمات اور واقعات کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

اتنا لکھکر ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو اور خاصکر اُن حضرات کو دکھلاتے ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ان خطبوں سے جو ابھی ابھی اوپر لکھے گئے۔ آپ کی حسن تدبیر۔ حزم و احتیاط استغنا اور توکل کی کیسی بے نظیر اور لاجواب مثال ثابت ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہ امام ہی کا کام تھا اور امام ہی کی شان کہ دینی معیار پر پوری قوت سے قائم رہکر دنیا وی آثار کو بھی کس احتیاط اور استغنا کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ اور اسکی قبولیت اور اجابت کی ضرورتوں کو کیسے پراثر اور مقتدر الفاظ میں قوی دلیلوں کے ساتھ ظاہر فرمایا ہے۔ کہ مخالفین اور عام معترضین کو مجال دم زدن باقی نہیں رہی ہے۔ اور بااین ہمہ منصب ولیعہدی کی نسبت اپنی طرف سے کوئی رغبت یا خواہش بھی نہیں دکھلاکر۔ اپنے استغنا اور کریم النفسی کی بھی اُسی طرح حفاظت فرمائی ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ دنیا چاہے اسکو ولیعہدی کہے یا بادشاہی سمجھے۔ امام موسی رضا علیہ السلام جسقدر اسکو سمجھے تھے۔ یا آپنے جیسی اس کی ضرورت دیکھی تھی۔ وہ کامل طور سے آپکے ذہن نشین تھی۔ تو پھر آپ اسکی طرف تمنا کیا کرتے اور رغبت کیا دکھلاتے۔ تمنا تو عموماً اُس شئے کی کیجاتی ہے جسکی کوئی وقعت یا حقیقت نگاہوں میں باقی ہو۔ یہاں جب اپنی ہی نگاہوں میں اُسکی کوئی حقیقت قائم نہیں ہوتی تو اُسکی تمنا کیسی اور خواہش کیا۔

الغرض اس ولیعہدی کی حقیقت تو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی نگاہوں میں تو کسی طرح ثابت ہی نہیں ہوتی۔ اب رہی ضرورت تو وہ معلوم ہے کہ جب اسکے قبول فرمانے اور اختیار کرنے کی مجبوریاں لا تلقوا ایدیکم فی التہلکۃ کی آخری حدود تک پہنچ گئیں تو آپ نے اسکی نسبت اپنی منظوری ظاہر فرمائی۔ مگر تاہم اپنی علیحدگی اور کنارہ کشی کے ایسے شرائط قائم فرمائے کہ منصب ولیعہدی و امارت سوائے معمولی مشورت کے اور کچھ نہ رہی۔ اسکی مقدار۔ اسکی شان اور اسکے موجودہ عنوان کو آپ اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے۔ اور اُس کے تمام اندرونی اور بیرونی اسباب سے کما حقہٗ واقف تھے۔

چنانچہ جس وقت تمام افسران ملکی۔ مالی اور فوجی اور نیز رعایا و برایا۔ آپکے دست مبارک پر حصول بیعت کا شرف حاصل کرنے لگے۔ تو آپ نے اُنکے بیعت کرنے کے طریقہ کو شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ سے بالکل خلاف سمجھے اور سیرت حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل برعکس پایا۔ مگر اپنے حزم و احتیاط کے اصول سے اُنکے موجودہ دستور میں کسی تغیر و تبدل کو کسی طرح مناسب نہ جانا اور بالکل سکوت اختیار کر لیا۔ لوگ معمول سے آتے گئے۔ اور جس طریقہ سے وہ ہمیشہ بیعت کرتے تھے اُسی طرح بیعت کرتے گئے۔ اسکی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

عیون الاخبار میں مروی ہے کہ اُس وقت بیعت کرنے کا عموماً یہ طریقہ تھا کہ ہر شخص اپنا سیدھا ہاتھ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے دست راست پر اس طرح رکھتا تھا کہ اُسکی انگشت آخر آپ کی انگشت آخر سے مس کر جاتی تھی۔ اور مل جاتی تھی۔ اسی طرح برابر ہر شخص آتا گیا اور بیعت کرتا گیا۔ مگر جب ایک مرد انصاری آیا تو اُس نے اہل اسلام کے مروجہ طریقہ کے خلاف آپ سے اس طرح بیعت کی کہ اُسکی انگشت اول آپکی انگشت آخر سے متصل اور منطبق ہو گئی۔

یہ دیکھکر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام متبسم ہوئے۔ مامون آنکھ لگائے آپ کے تمام انداز کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ فوراً آپ کو متبسم پاکر تبسم کا سبب پوچھنے لگا۔ تب آپ کو حقیقت حال بیان کرنے کی مجبوری ہوئی۔ ارشاد فرمایا کہ سب نے فسخ عقد کی نیت سے بیعت کی ہے سوائے اس شخص انصاری کے کہ اس نے انعقاد کے اصلی طریقہ پر مجھ سے بیعت کی ہے۔

یہ سنکر مامون نے تمام حاضرین کو بار دیگر تجدید بیعت کا حکم دیا۔ تمام دربار میں کھلبل پڑ گئی اور ہر شخص نے حکم حاکم سمجھکر پھر آپ کی ہدایت کے مطابق آپ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بار دیگر بیعت ہونیکے وقت جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اہل اسلام کی عبرت کے لحاظ سے فرمایا کہ جو شخص آجتک بیعت لینے کے طریقہ سے بھی واقف نہیں وہ خلافت کے ایسے عظیم الشان منصب کے لئے کیسے سزاوار اور شایان سمجھا جا سکتا ہے۔

مامون آپ کے روئے سخن کو اچھی طرح سمجھ گیا۔ مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم بالاتفاق لکھتے ہیں کہ یہ پہلا شک ہے جو مامون کے دل میں آپ کی طرف سے واقع ہوا۔ اور یہ پہلا غبار ہے جو آپ کی طرف سے اُس کے دل پر بیٹھا۔ اور میرے حساب سے یہ پانچواں شک ہے جو آپ کے معاملات میں اپنے اظہار خلوص و عقیدت کے خلاف اُسکو واقع ہوا۔ اسی واقعہ سے ظاہر ہو گیا کہ آپ اس بیعت اور بیعت کرنیوالوں کی حقیقت کو کہانتک سمجھتے تھے۔ اور اسکی مقدار

کو کہاں تک اپنے اعتبار کے قابل جانتے تھے۔ اگر آپ کی خاطر قدسی مآثر میں مامون کے خلوص و عقیدت کا کچھ بھی اعتبار ہوتا تو آپ کبھی اُس کے ناقابل خلافت ہونے کی تعریض کو ایسے مجمع عام میں نہ بیان فرماتے جسے وہ خود سنکر آپ کی طرف سے بدظن ہوگیا۔ مگر چونکہ وہ بھی حسن تدبیر اور امور سیاست میں کامل تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے قلبی احساس کے فوری اظہار کو کسی طرح مصلحت وقت نہ سمجھا۔ اور دل ہی دل میں رکھا۔ جسکا رنگ آئندہ چلکر آخر کار کھُل گیا۔

بہرحال۔ ہمارے موجودہ بیانات سے ہماری کتاب کے ناظرین کو یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ آپنے اس ولیعہدی کو اُس وقت بے حقیقت سمجھا ہے جب مامون آپ کی طرف سے مشکوک اور بدظن ہولیا۔ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ آپ ابتدا ہی سے اسکو محض بے حقیقت اور ناقابل اعتبار خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ علامۂ مدینی اپنے رجال کے اسناد سے آپ کے ایک خاص صحابی کی زبانی جو اس عام بیعت ثانی کے خاص موقع پر حاضر تھے نقل فرماتے ہیں کہ میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے جاہ و تجمل اور عزّ و اجلال کی شان مراتب دیکھکر دل ہی دل میں اسوقت کمال مسرور الحال تھا۔ اور اپنی اُسی مسرت و بشاشت کے موجودہ عالم میں کبھی آپ کے چہرۂ اقدس پر نگراں تھا اور کبھی اُن معطّر اور منبر رایات سلطانی کی طرف ہزار چشم اشتیاق سے دیکھ رہا تھا جو ہوا میں لہرا لہرا کر دماغ و مشام اہل اسلام کو معطّر بنا رہے تھے۔ میرے چہرہ پر آثار مسرت ملاحظہ فرماکر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اشارے سے مجھے اپنے قریب طلب فرمایا جب میں حاضر ہوا تو نہایت آہستہ مجھ سے فرمایا لا تشتغل قبلك بهذا الامر ولا تستبشر به فانه لا يتم یعنی اپنے دل کو ان امور کی طرف نہ لگاؤ اور اس سے خوش نہو۔ کیونکہ یہ کام تمام ہونیوالا نہیں ہے۔

امر بیعت کے آغاز گفتگو میں اسیطرح آپ نے مامون سے بھی کہدیا تھا کہ امارت و ولیعہدی ہمارے جفر و جامعہ میں نہیں ہے۔ چنانچہ خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں اور مُلّا عبدالرحمٰن جامی نے شواہد النبوۃ میں۔ علامہ عبدالرحمٰن بسطامی نے درّ مکتوم میں۔ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں اور امام قندوزی نے ینابیع المودۃ میں تفصیل سے لکھدیا ہے۔

یہ شواہد بتلا رہے ہیں کہ ان امور کی حقیقت آپ کو پہلے سے معلوم تھی کچھ مامون کے بدظن اور مشکوک ہوجانے سے آپ نے اس کی بے حقیقتی اور بے مقداری کا اظہار نہیں فرمایا تھا۔

امام موسیٰ رضا علیہ السّلام کی ولیعہدی کے متعلق ماموں کا اقرار نامہ

ہم مندرجۂ بالا بحث کو تمام کرکے اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک لکھا جا چکا ہے کہ ماموں کی استدعا پر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے حاضرین دربار کے سامنے دو خطبے ارشاد فرمائے تو ماموں نے اپنا وہ اقرار نامہ جو اُس نے آپ کی ولیعہدی کے اقرار میں لکھا تھا اُس مجمع میں پیش کر دیا۔ اور تمام عمائد واکابر ملکی اور نیز افسران وارکان دولت کی گواہیاں اُسپر لکھوائیں اور اُنکی مہریں ثبت کرائیں۔ یہ عہدنامہ بہت طول وطویل ہے۔ مگر ہم اُس کو اپنے فاضل محقق اور مؤرخ معاصر عالیجناب مولانا سید مظہر حسن صاحب قبلہ کے خلاصہ سے اُسی قدر نقل کرتے ہیں جسقدر جناب ممدوح نے اپنی کتاب لمعۃ الضیا فی عمدۃ اخبار الرّضا علیہ التحیۃ والثنا کے صفحہ ۱۲۸ میں مندرج فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم یہ وہ کتاب ہے جسے ماموں عبداللہ ابن ہارون نے علی ابن موسےٰ ابن جعفر علیہم السلام اپنے ولیعہد کے واسطے تحریر کیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے بکمال راحت ورافت اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسالت پر مبعوث کیا اور اُن پر قرآن مجید اور فرقان حمید کو نازل فرمایا جس میں حلال وحرام۔ وعد ووعید اور اوامر ومناہی کو واضح اور روشن کر دیا۔ تاکہ حجت خدا خلائق پر تمام ہو۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت خدا کو بندگان خدا تک پہنچایا۔ اور اول موعظہ حسنہ سے پھر جنگ و جہاد سے اُن کو راہ راست کی طرف دعوت کی۔ تا اینکہ وہ عہد مبارک منقضی و برکات وحی و رسالت منقطع ہو گئے۔ پس خلافت کا دَور دَورہ آیا اور قیام دین ونظام مسلمین واجرا حدود و احکام واداے فرائض وسنن وانفاذ اوامر خدا وجہاد با عدا اللہ اس سے وابستہ ہوئے پس لازم ہوا کہ خلفا خلائق خدا کی اعانت اور اُسکے دین کی حفاظت کریں۔ اور عدل وانصاف کو مرعی رکھیں۔ ظلم واعتساف کا انسداد ہو۔ رستوں میں امن۔ جانوں کی نگہبانی واصلاح ذات البین عمل میں آوے۔ اور مسلمانوں کو چاہئے کہ ان امور میں اُن کی امداد کریں نہیں تو خلل وخرابی واقع ہوگی۔ اور دین خدا مخذول ومنکوب اور دشمنان خدا منصور ہو کر سر رشتہ انتظام درہم برہم ہو جائیگا۔ پس حق تعالےٰ جس کو یہ رتبہ عطا کرے کہ امین خلق وخلیفہ ارض مقرر ہو۔ اُس کو لازم ہے کہ اپنے نفس کو جہد وکلفت میں ڈالے اور راحت وآرام سے مُنہ موڑے۔ رضائے خدا کو اپنی نفسانی خواہشوں پر ترجیح دے۔ اور شرائط عدل ونصفت

کا لحاظ رکھے۔ کیونکہ روز قیامت اس سے تمام رعایا برایا کی بابت سوال ہوگا اور ہر ایک جوابدہی اُس کے ذمے ہوگی۔ اور قسم ہے خدائے عزّوجل کی کہ اپنے نفس کی جوابدہی امر عظیم ہے اور خطر کبیر۔ چہ جائیکہ ایک عالم کی جوابدہی پس خدا ہی پر بھروسہ ہے اور خدا ہی ملجا و ماوا ہے۔ واسطے توفیق ہدایت اور استواری پر ثبوت حجت۔ اور خلفاء کو اسکی تحقیق و تنقیح میں اہتمام تام رہتا ہے۔ جب سے امیر المومنین مامون نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی ہے اور خلافت کا بار گراں اپنی گردن پر رکھا ہے اُس کا بدن آرام و آسائش سے اور اُسکی آنکھیں خواب راحت سے مہجور ہیں۔ وہ ہمیشہ اُن امور میں جو باعث قرار دین و قتل و قمع مشرکین و اصلاح حال امت و نشر عدالت و اقامت کتاب و سنت میں درکار ہیں مشغول و مصروف رہا ہے۔ اور اس عظیم ذمہ داری کی فکر میں لذید عیش اور خوشگوار زندگی سے باز رہا ہے۔ نیز اُسنے اس ولایت کے معاملہ میں بہت غور و خوض کیا۔ اور ایک دیندار و پرہیزگار ولیعہد کی تلاش میں تمام خاندان اور اولاد عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہما السلام کو چھان ڈالا۔ ایک ایک کے حالات سے کامل واقفیت اور پوری معرفت حاصل کی۔ اور بکمال عجز و الحاح درگاہ الٰہی سے خواستگار ہوا کہ حق سبحانہ تعالےٰ اس کے اصلی اور جائز مستحق کو مجھ پر ظاہر کردے۔ اور اس امر پر خدائے عزّوجل سے استخارہ کیا۔ تا اینکہ بڑی کدّ و کاوش کے بعد دونوں قبیلوں میں سے جس کو ہر طرح سے فائق۔ صاحب علم نافع و فضل بازغ و ورع ظاہر و زہد خالص پایا وہ جناب علی ابن موسےٰ ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابیطالب علیہم السلام ہیں۔ واقعی وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ خواص و عوام میں مشہور و معروف ہیں۔ جب بہر نوع انکا امتحان کرلیا۔ پھر جوانی۔ لڑکپن اور کہولت کے حالات کو پورے طور سے جانچ لیا تو آپ کو اپنی ولیعہدی کے لئے تعیین کرکے مجلس بیعت منعقد کی۔ چونکہ حق سبحانہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ میں نے ابتغاءً لمرضات اللہ اور محض قربت خدا کی وجہ سے یہ کام کیا ہے تو مجھے امید قوی اور یقین کامل ہے کہ توفیق الٰہی شامل حال ہو اور میرا یہ کام بخیر و خوبی انجام کو پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ میری اولاد و اہلبیت اور سرداران ملک و فوج نے اس دعوت ہدایت کو قبول کرلیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں نے رضائے الٰہی کو اس معاملہ میں اپنی خواہشوں پر مقدم کیا ہے۔ اور جس میں اسلام اور عامۃ المسلمین کا فائدہ اور دین خدا کا استحکام پایا۔ بجا لایا۔ پس اے میرے باقی اہلبیت ملکی اور فوجی سردارو اور

شہر قصبات و دیہات کے باشندو۔ جو اب تک اس سعادت سے محروم ہو۔ جلدی کرو اور اس موقع کو غنیمت جانو۔ اور اس میں برضا و رغبت داخل اور شامل ہو جاؤ۔ یعنی میرے ساتھ تو باقرار خلافت اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ بولایت عہد فراخ دلی و کشادہ پیشانی بیعت کے شرف حاصل کرو کہ تمہاری رشد و صلاح و سد ثغور و قوت دین و قتل و قمع عدو مبین۔ اسی امر میں ہے۔ لکھا اس اقرار نامہ کو عبداللہ ابن مامون ابن ہارون نے دوشنبہ کے دن ۷؍ رمضان ۲۰۱ھ ہجری کو اپنے ہاتھ سے اپنے دار الحکومت شہر مرو میں۔"

اس عہد نامہ کی عبارت پڑھکر جو شخص مذہب شیعہ کے اصول سے واقف ہوگا۔ وہ کبھی اسکے لکھنے والے کو شیعہ نہیں کہیگا۔ کیونکہ معرفت اور اوصاف امام علیہ السلام کے متعلق اس میں جو کچھ تحریر ہے وہ معتقدات شیعہ سے بالکل خلاف ہے اور جو باتیں عوام الناس کے لئے پائی جاتی ہیں وہی اس تحریر میں امام وقت کے لئے بتلائی گئی ہیں اور امام و غیر امام میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے۔ بہرحال ہم اس اقرار نامہ کی زیادہ تنقید کو اپنے اغراض و مطالب کے لئے زیادہ مفید نہیں سمجھتے۔ اس لئے ہم اس سے قطع نظر کر کے اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ تو وہ اقرار نامہ تھا جو مامون کی طرف سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کے اقرارنامہ میں لکھا گیا ہے۔ اب حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی طرف سے ایک ایسا ہی اقرار نامہ انتخاب ولیعہدی کے متعلق تحریر فرمایا گیا جس کی اصلی عبارت یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الفعال لما یشاء۔ لا معقب لحکمہ ولا راد لقضائہ یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔ وصلی اللہ علی محمد خاتم النبیین وآلہ الطیبین الطاہرین اقول وانا علی ابن موسی ابن جعفر علیہم السلام ان امیر المومنین عضدہ اللہ تعالیٰ بالسداد ووفقہ للرشاد عرف حقا ما جہلت غیرہ فوصل ارحاما قطعت وامن نفوسا فزعت بل احیاہا وقد تلفت واغناہا اذا افتقرت مبتغیا رضاء رب العلمین لا یرید جزاء من غیرہ وسیجزی اللہ الشاکرین ولا یضیع اجر المحسنین انہ جعل الی عہدہ والامرۃ الکبری ان بقیت بعدہ فمن حل عقدہ امر اللہ تعالیٰ بشدہا وقصم عروۃ احب اللہ تعالیٰ اثباتہا فقد اباح حریمہ واحل محرمہ اذا کان زاریا بذلک علی الامام منتہکا حرمۃ الاسلام

بذلك يا جرى التالف فصبر منه على الفلتات ولم يعترض بعدها على الغرمات خوفا من شتات الدين واضطراب حبل المسلمين ولقرب امر الجاهلية ورضية المنافقين فرصة يتنهضونها يستبدر وقد جعلت الله تعالى على نفسي ان استرعاني امر المسلمين وقلدني خلافة العمل فيهم عامة وفي بني العباس خاصة بطاعته وطاعة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وان لا سفكت دما حراما ولا ابيح فرجا ولا مالا الا ما سفكه حدود الله تعالى واباحته فرايضه وان تحرى الكفاية جهدي وطاقتي وجعلت بذلك على نفسي عهدا مؤكدا يسئلني الله تعالى عنه فانه عز وجل يقول واوفوا بالعهد اذا عاهدتم واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا وان احدثت او غيرت او بدلت كنت للغير مستحقا وللنكال متعرضا واعوذ بالله من سخطه واليه ارغب في التوفيق بطاعته والحول بيني وبين معصيته في عافية لي وللمسلمين والجامعة والجفر يدلان على ضد ذلك وما ادري لما يفعل بي ولا بكم ان الحكم الا لله يقص الحق وهو خير الفاصلين ولكن امتثلت امير المؤمنين فاثرت رضاءه الله يعصمني واياه واشهدت الله على نفسي وكفى بالله شهيدا اكتبت بخطي بحضرة امير المؤمنين اطال الله بقاءه والفضل بن سهل وسهل بن فضل ويحيى ابن اكثم وعبد الله ابن طاهر وثمامه ابن اشرس وبشر ابن معتمر وحماد ابن نعمان في شهر رمضان سنة احدى ومائتين

خدا کے نام سے میں ابتدا کرتا ہوں جو نہایت رحم والا اور مہربان ہے۔ جمیع حمد اُس خدا کے لئے ثابت ہے جو کر ڈالتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ نہ کوئی اُس کے حکم کا ٹالنے والا ہے اور نہ کوئی اُسکے فیصلہ کا توڑنے والا۔ وہ آنکھوں کے اشارہ تک کا جاننے والا۔ اور دلوں کی پوشیدہ باتوں تک کا جاننے والا خدائے سبحانہ وتعالے کی رحمت ہو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور انکی پاک وپاکیزہ اولاد علیہم السلام پر۔ میں علی ابن موسےٰ ابن جعفر علیہم السلام ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ امیر مومنین نے دعا ہے کہ اُن کی تیغ صلاح سے مدد کرے اور راستی کی طرف ہدایت کرے۔ ان حقوق کو اپنی ذات خاص سے پہچانا جن سے لوگ جاہل رہے۔ اور اُس پیوند اور قرابت کو پھر زندہ کیا جو مدت سے منقطع ہو چکی تھی۔ اور خائف اور ہراساں دلوں کو امن دیا اور اُن کو از سر نو زندہ کیا۔ درآنحالیکہ وہ سب تلف ہو گئے تھے۔ اور غنی کیا جب وہ فقیر ہو گئے تھے۔ اور اس میں وہ رضائے پروردگار عالم کا طالب ہے۔ اور ان کے معاوضہ کا سوائے خدائے عزوجل کے اور کسی سے خواہاں نہیں ہے عنقریب

اُسے جزائے خیر ملیگی۔ اور خدائے سبحانہ تعالےٰ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اگر میں اسکے بعد زندہ رہا اور جس شخص نے یہ گرہ کھولی جس کے باندھنے کا حکم حق تعالےٰ نے کیا ہے اور اسی قبضہ کو توڑ کر جسکے پکڑنے کو خداوند عالم دوست رکھتا ہے تو اُس نے حرمت خدا کو مباح کیا۔ اور اُسکے حرام کو حلال کیا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اُس نے امام پر عیب لگایا اور حرمت اسلام کی ہتک کی اُسپر سلف کا نام جاری ہوا۔ پس صبر کیا۔ اُنہوں نے بے سوچی ہوئی باتوں پر اور معترض ہوئے۔ اُسکے بعد اولی العزموں سے بخوف اسکے کہ دین میں تفرقہ پڑجاوے اور طنابِ مسلمین مضطرب ہوجاوے امر جاہلیت اور تاکنے اور انتظار کرنے کے منافقوں کی فرصت کو جس میں سبقت کریں اور کسی سختی و بلا کی طرف جسکی طرف مبادرت کریں۔ میں نے اپنے حق تعالےٰ سے اپنے نفس کی متعلق وعدہ کیا ہے اور اقرار استوار کیا ہے کہ اگر اُسنے مجھے مسلمانوں کے کاموں کا والی کیا اور امر خلافت کو میرے سپرد کیا تو میں اُن کے درمیان عموماً اور بنی عباس کے درمیان خصوصاً طاعت خدا کے بموجب عمل کرونگا۔ کوئی خون ناجائز نہ کرونگا۔ نہ کسی کا مال نہ کسی کی عورت مباح کرونگا۔ مگر اُس خون اور اُس عورت کو جسے خدا نے گرایا اور جسے خدا نے حلال کیا۔ اور اپنی طاقت و مقدور کی مطابق ان امور میں اپنی بھرپور کوشش کرونگا۔ اور ان امور میں میں نے اپنے نفس سے تاکیدی عہد استوار کیا ہے جس کے لئے مجھے کامل یقین ہے کہ خدائے تعالےٰ مجھ سے سوال فرمائیگا کیونکہ وہی خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے اوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا "اپنے وعدے کو پورا کرو جو تمنے کیا ہے کیونکہ وعدوں کی نسبت تم پوچھے جاؤ گے"۔ پھر دوسرے مقام پر ارشاد کرتا ہے اوفوا بعهد اذا عاهدتم "پورا کرو اُس وعدے کو جو تم نے کیا ہے"۔ اگر میں دین خدا میں کوئی احداث کروں تاکہ تغیر و تبدل اختیار کروں تو البتہ میں ان امور کے لئے مستحق اور عذاب کا سزاوار ہوں۔ اور اُن کے لئے خدائے عزوجل کی بارگاہ میں پناہ مانگتا ہوں اُسکے قہر و غضب سے۔ اور اُس سے بکمال رغبت اُسکی توفیق طاعت اور بعد معصیت کے لئے اپنے اور تمام مسلمانوں کے واسطے عافیت نیک کی استدعا کرتا ہوں۔ اور علم جفر اور جامعہ ان امور کے خلاف دلالت کرتے ہیں۔ اور مجھے خود معلوم نہیں کہ میرے اور تمہارے درمیان کیا عمل کیا جاویگا۔ بیشک حکم خدا ہی کے لئے ہے۔ اور وہی حق کی ہدایت کرتا ہے۔ اور وہ تمام فیصلہ کرنیوالوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ مگر میں نے اس وقت جو کچھ کیا ہے وہ امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کی ہے اور اُس کی مرضی رکھی ہے۔ حق تعالےٰ میری اور اُسکی حفاظت کرے۔ میں اپنے نفس پر خدا کو گواہ کرتا ہوں۔ میں نے یہ وثیقہ امیر المومنین کے سامنے۔ خدا اس کی

عمر کو دراز کرے۔ اور فضل ابن سہل اور سہل ابن فضل۔ یحییٰ ابن اکثم۔ عبداللہ ابن طاہر۔ ثمامہ ابن اشرس۔ بشر ابن معتمر اور حماد ابن نعمان کے سامنے ماہ مبارک رمضان ۲۰۱ھ ہجری میں لکھا۔

کتبہ علی ابن موسیٰ علیہما السلام۔ بخط خود

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے عہدنامہ کی تشریح

قبل اسکے کہ اس عہدنامہ مبارک کی تشریح کو ہم آغاز کریں۔ ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسکی تصدیقی عبارت کو بھی اوپر درج کر دیں۔ جو اسکی توثیق و تصدیق میں ثبت کی گئی تھی۔ اول تو اُن لوگوں کی شہادتیں اس پر ثبت کی گئی تھیں جن کے نام اوپر لکھے گئے۔ اور ان گواہیوں کے بائیں طرف فضل ابن سہل وزیر سلطنت کی خاص عبارت تصدیقی درج تھی۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے امیرالمومنین مامون نے حکم دیا۔ خدا اُس کی عمر کو طول فرماوے کہ یہ صحیفہ شریفہ کہ نمیقۂ عہدو میثاق ہے جس کی وجہ سے جو پل صراط پر بآسانی گزر جانے کی پوری توقع رکھتا ہے اُسکی رو و پشت کی عبارتیں۔ حرم جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں روضۂ مطہر اور منبر کے درمیان ایک ایسے مجمع عام میں جس میں تمام اشراف بنی ہاشم اور اولیاء و احبار جمع ہوں۔ بعد تکمیل شرائط بیعت پڑھے جائیں تاکہ امیرالمومنین کی حجت خلائق پر تمام اور جہال کا شبہہ کہ براہ جہالت اس پر معترض ہوتے ہیں دور ہو۔

واماں اللہ لیذ د المومنین علی ما انعم علیہ۔ کتبت الفضل ابن سہل بامر امیرالمؤمنین بالتاریخ فیہ۔

اسکو فضل ابن سہل نے امیرالمومنین کے حکم سے لکھا۔ اُسی تاریخ میں۔

بہرحال جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے مقدس اقرارنامہ کا ترجمہ تو یہی ہے جو ابھی ابھی اوپر قلمبند کیا گیا۔ ہماری موجودہ بحث کی تصدیق و توثیق کے لئے تمام عقلی اور نقلی دلائل کو چھوڑ کر اسکی صاف اور کھلی ہوئی عبارت ہی پورے طور سے کافی ہے۔ اگرچہ اسکا ترجمہ ہم نے انہیں خیالوں سے نہایت سلیس اور عام فہم اردو میں کیا ہے۔ لیکن چونکہ پھر ترجمہ ترجمہ ہی ہے اور اس سے تشریح و توضیح کے کامل لطف اور فائدے نہیں اُٹھائے جا سکتے اس لئے میں اس کے تشریح طلب اور معنی خیز فقرات کی شرح بھی ذیل میں قلمبند کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

جن لوگوں کو زبان عرب کے علم ادب اور خصوصاً اقوال ہدایت منوال اور کلام معجز نظام حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی زیارت اور تلاوت کرنے کا شرف حاصل ہوچکا ہے وہ

کچھ اس تحریر معجز تاثیر کی خوبی۔ اسکی خوش اسلوبی۔ فصاحت وبلاغت کی پوری داد تو کیا دیسکتی ہیں ہاں انکے مشاہدات و استفادات سے پورے طور پر مستفید و مستفیض البتہ ہوسکتے ہیں اور اس کی حسن تحریر کی نسبت اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو بس اسی قدر ع حدِ ثنائے تست کہ حدِ ثنائے تست۔ تمہیداً اتنا عرض کرکے ہم اپنے اصلی مقصود پر آجاتے ہیں۔ جن حضرات نے ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حزم واحتیاط حسن تدبیر اور عاقبت اندیشی کے طرز عمل کو دیکھا ہے اور پڑھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنے اس مبارک عہدنامہ میں ابتدا سے اُن لطیف اور مناسب مقام اشارات وکنایات بلیغہ سے کام لیا ہے جس سے آپکی جامعیت اور استعداد کامل کا ثبوت ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائے سبحانہ تعالےٰ کی حمد جس عبارت اور جن الفاظ سے شروع فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے۔ "تمام حمد ایسے خدا کے لئے ثابت ہے جو کر ڈالتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ کوئی اُس کے حکم کا ٹالنے والا نہیں ہے۔ اور کوئی اُسکے فیصلہ کا رد کرنے والا نہیں۔ وہ آنکھوں کے اشارے کو جانتا ہے اور دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کو پہچانتا ہے" صاحبان بصیرت اور واقفان حقیقت پر آپ کے کلام معجز نظام کی لطافت ظاہر ہے کہ آپنے خدائے تبارک وتعالےٰ کے محامد ایسے الفاظ میں فرمائے ہیں جو حالت موجودہ کے بالکل مطابق اور واقعات پیش افتادہ پر بالکل ناطق آتے ہیں۔ کیونکہ دنیا اور اہل دنیا کی نگاہوں میں اہلبیت علیہم السلام کے لئے یہ ظاہری اعزاز جسے وہ تو کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے۔ مگر ہاں دنیا والے تمام نعمتوں سے اعلےٰ و ارفع سمجھے ہوئے تھے۔ بالکل ناممکن اور قطعی محال تھے۔ اور کسی کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آنے والی تھی کہ مامون اپنے بیٹے۔ اپنی اولاد۔ اپنی قوم اور اپنے سلسلہ کو چھوڑ کر اپنی ولیعہدی کے منصب کو بنی فاطمہ علیہم السلام کے دائرے میں لیجائیگا۔ مگر بخلاف اُنکی امیدوں کے۔ بالعکس اُنکی تمناؤں کے خدائے قوی و توانا نے اُسی کے ہاتھ سے نہایت اصرار اور غایت منت وسماجت کے بعد یہ امر امارت اور یہ منصب ولیعہدی آپ کو دلوا کر تمام دنیا کو اپنی قدرت کاملہ اور مشیت بالغہ کا پورا ثبوت پہنچا دیا۔ اور دکھلایا کہ نظام ربانی۔ تدبیر انسانی کی طرح ظاہر اور معمول کی محتاج نہیں ہیں۔ اس سے بڑھکر اُسکی قوت وتوانائی کے اور کیا ثبوت ہوسکتے ہیں کہ جن امور مخصوصہ کے لئے برابر بیس برس تک یہ کوششیں ہوتی چلی آئی ہوں کہ یہ امر کبھی حکمران موجودہ کی نسل سے باہر نہ جاوے۔ اور ان کوششوں میں ہزاروں کی جانیں اور لاکھوں کی رقمیں اُٹھادی گئیں۔ وہی امور خود اُسی سلسلہ کا حکمران اپنے ہی ہاتھ سے ایک دوسرے خانوادہ میں منتقل کئے دیتا ہے۔ ایسے واضح

اور روشن واقعہ کی موجودگی کے ہوتے ہوئے اور کون ایسا واقعہ ہوگا جس سے خدا کے ان اوصاف مخصوصہ کا کہ "وہ ایسا ہے کہ کر ڈالتا ہے جو وہ چاہتا ہے" ذکر کیا جاسکتا ہے۔

پھر اسکے بعد آپکا یہ فقرہ کہ "اُسکے حکم کا کوئی ٹالنے والا نہیں ہے" کیسا صحیح اور درست ہے حقیقتاً ایسے تغیر نظام سیاسی پر جو سلاطین ماضیہ کی سیرت کے بالکل خلاف ثابت ہو رہے ہیں۔ تمام رعایا۔ اراکین دولت اور عزیزان و قرابتداران شاہی کا ایک وقت خاص تک خاموش رہجانا قدرت ربانی اور حکم یزدانی کے سوا اور کیا کہا جاوے۔ کیونکہ انہیں ولیعہدیوں کے تغیر اور تبدل کے موقعوں پر اگلے زمانے میں جیسی کچھ رنجشیں اور فتنہ و فساد اُٹھ چکے ہیں وہ تمام دنیا کو معلوم ہیں اور وہ تعین ولایت بھی اپنے ہی سلسلہ میں ایک کی جگہ دوسرے کے ساتھ کیاجاتا تھا۔ مگر تاہم بہت بڑے مفسدے اور خونریزیوں کا باعث ہوتا گیا۔ یہاں تو یہ قیامت ہوئی کہ اپنے سلسلہ سے یہ منصب عظیم اُٹھاکر ایک دوسرے خانوادے میں پہنچا دیا گیا۔ جو آج تک سلطنت کا سخت مخالف خیال کیاجاتا تھا مگر تاہم اُس کے انعقاد کے وقت نہ کوئی فساد ہوا نہ کوئی شور تو ایسی حالت میں کہ ان امور کو سوائے نظام قدرت اور احکام جبروت کے اور کیا کہا جاوے اور اچھی طرح سمجھ لیا جاوے کہ واقعی اُسکے حکم کا کوئی ٹالنے والا نہیں ہے۔ انہیں غایتوں کو ملحوظ فرماکر آپ نے ایسے الفاظ میں خدا کے محامد مخصوصہ کو بیان فرمایا جو مناسبت مقام کی لحاظ سے اس موقع کے لئے پورے طور پر موزوں تھے۔ ہماری کتاب کے ناظرین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے اس کلام معجز نظام سے یہ امر کامل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ ان امور نظام ربانی کے مطابق سمجھتے تھے نہ تدبیر انسانی کے متعلق۔

تیسرا فقرہ خدا کی حمد میں یہ ہے "وہ آنکھوں کے اشارہ تک کا جاننے والا اور دلوں کی پوشیدہ باتوں کا پہچاننے والا ہے"۔ اس فقرۂ بلیغہ کے معنی صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ امور جو درپیش ہیں صرف اپنی ظاہری صورت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور معنوی صورتوں میں ہرگز اعتبار کے قابل نہیں۔ جیساکہ آیندہ فقروں سے عنقریب ظاہر ہوگا۔ چونکہ ہم سابق مضامین میں اسکی ظاہری تعمیل کی حقیقت کو لکھ چکے ہیں اس لئے یہاں اسکی بار دیگر تفصیل کو مناسب نہیں سمجھتے اور آیندہ سلسلۂ بیان میں انشاء اللہ المستعان اسکے ظاہری ہونے کے اسباب پورے ثبوت کے ساتھ لکھے جاینگے۔

حمد کے بعد آپ کے سلسلۂ کلام میں وہ واقعات حقیقی اور معاملات اصلی درج فرمائی گئی ہیں

جو سلاطین جبار اور مخالفین روزگار کی ناپرسائی اور ایذا رسانی کے باعث آپکے خاندان عظیم الشان پر واقع ہوئے تھے۔ اور آپ نے اپنے انہیں بیانات میں اپنے سلسلۂ عالی کے وہ عبرت خیز اور حسرتناک حالات دکھلائے ہیں۔ جو زمانہ کی ناقدری اور حاکمان وقت کی بے التفاتی اور خصومت ذاتی کے سبب آپ حضرات کے شامل حال رہے ہیں۔ چونکہ اس سے قبل کے اُن دونوں خطبوں میں بھی جو بیعت ثانی کے عین موقع پر ارشاد فرماگئے تھے۔ آپنے ان تمام امور کا ذکر فرما دیا ہے۔ جسے ہم بالتفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔ اس لیئے اُس کے بار دیگر اعادہ کو ایسا ضروری نہیں سمجھتے۔ مگر ہاں اتنا لکھدینا البتہ فائدہ سے خالی نہوگا کہ ان امور کے بیان کرنے سے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی اصلی مراد یہی تھی کہ سلاطین ماضیہ کے ظلم و ایذا رسانی اور زمانہ کی ناپرسانی نے اہلبیت علیہم السلام کی حالت کو کس درجہ تک پہنچا یا تھا۔ اسلام نے اُن کے مدارج و مراتب کیا قائم کئے تھے اور اہل اسلام نے کس حد اور کس درجہ تک اُن کا عزّت و احترام کیا۔ یہ تمام واقعات دکھلا کر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اپنے حقوق کی صداقت اور اپنے خطمراتب کی حقانیت ثابت کر دی تھی اور یہ دکھلا دیا تھا کہ دنیا کی ناقدری اور عدم التفاتی سے ہمارے اصلی مراتب و مدارج میں کوئی فرق یا کمی نہیں آسکتی۔ تائید ربانی ہمارے شامل حال ہے جن ہاتھوں نے ہمیں ذلیل و حقیر بنایا وہی ہاتھ آج بہزار منت و سماجت امارت کا تاج ہمارے سر پر رکھ رہے ہیں۔

اس کے بعد۔ آپنے اصل معاملہ ولیعہدی کی طرف توجہ فرمائی ہے تو اُسکی ابتدا بھی اپنے شرطیات سے قائم کی ہے جسطرح کہ سابق دونوں خطبوں میں بھی ارشاد ہو چکا ہے۔ اور اُسکی حقیقت اصلی جو تھی یا اُس سے جو آیندہ نتیجے پیش آنے والے تھے وہ بتلا دئے گئے۔ ان امور کی تفصیل و تشریح فرمانے کے بعد آپنے تمام اہل اسلام کو موجودہ بیعت کی پابندی اور استقلال کے لئے سخت تاکید پہنچائی ہے۔ ان احکام تاکیدی کو پڑھکر یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر خاصکر شرط ولیعہدی ہی کے پورا کرنے کے لئے نہیں نافذ فرمائے گئے تھے۔ بلکہ ان کلام ہدایت نظام سے عموماً ایفائے و عدا اور استحکام و استقرار علے العہد کی تاکید و ہدایت مراد تھی۔ کیونکہ اس وقت طمع دولت اور حرص حکومت نے امانت و دیانت کے جوہروں کو اہل دنیا کے قلوب سے بالکل زائل کر دیا تھا۔ اور ہر شخص اپنی ذاتی منفعت کے مقابلہ میں شرائط عہد پر اپنے قیام اور استحکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ رفتہ رفتہ انکی ناتوجہی اور ناپرسانی کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ وہ ان امور کو اپنا دینی شعار کبھی نہیں سمجھتے تھے

تھے۔ اور اُسکو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ موجودہ رفتار زمانہ کو مد نظر رکھکر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے تمام اہل اسلام کو بتلادیا کہ اگر میں زندہ رہا اور یہ امر ظاہری حقیقت میں مجھ سے تعلق ہو گیا تو تم کو اپنے اس اقرار پر ہمیشہ اسی طرح مستقل اور مستقر رہنا ہوگا جیسا کہ منشائے خداوندی ہے۔ اور جو اصولاً شرائط اسلام میں خصوصیت کے ساتھ داخل ہے۔ تمہارے اقرار بیعت اُن اصول کے مطابق ہونے چاہئیں جن کے اوصاف اور جن کی ماہیت اسلام میں بیان کی گئی ہے۔ اور ایسے تغیر پسند اور نا مستحکم اقرار نہیں ہونے چاہئیں جن کے تم مدت سے عادی اور خوگر ہو رہے ہو۔ مثلاً آج ایک فرمانروا کی حکم سے اُسکے اختیار کردہ ولیعہد کے ساتھ تم نے اپنی بیعت کے اقرار کئے ہیں۔ چند روزوں کے بعد اُس فرمانروا کا مزاج اُس مقرر کردہ ولیعہد سے پھر گیا۔ اُسنے فوراً دوسرے ولیعہد کو نامزد کیا اور تم سے بار دیگر اُسکی بیعت کو کہا گیا۔ اور تم سنے فوراً خلف وعدہ نکث بیعت اور نقض عہد کے تمام اخلاقی اور روحانی مواخذوں سے بخوف اور نڈر ہو کر اپنے فرمانروا کی محض خوشنودی اور خوشامد میں اُسی کی بیعت کر لی۔ جیسا کہ منصور کے وقت سے امین کے وقت تک۔ برابر سلسلۂ عباسیہ میں۔ ولیعہدی کا مسئلہ یوں ہی درہم و برہم چلا آتا ہے۔ جس کے تفصیلی حالات اوپر قلمبند کئے گئے ہیں۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے استقرار علے العہد پر بہت زور دیا ہے اور اہل اسلام کو اسکی نسبت نصوص قرآنیہ کے قوی دلائل کے ساتھ تاکید فرمائی۔ اور اس کے تمام مفاسد اور ضرر کو اُن کے سامنے دکھلا دیا ہے۔ اور جو جو خرابیاں۔ قوم و ملت میں۔ انکی وجہ سے واقع ہوتی گئیں وہ بھی بتلادیں۔ ان قرینوں سے ہر عاقل شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ آپ اپنی بیعت کرنیوالوں کی طرف سے امور بیعت میں مطمئن نہیں تھے۔ کیونکہ ابنائے زمانہ کے موجودہ انداز و روش آپ کو اُنکی خلاف عہدی اور پیمان شکنی کے صاف صاف شبہے دلا رہے تھے اب عام اس کہ وہ خود اختیار کریں۔ یا ملکی فرمانروایا اور کسی معزز اور مقتدر کی تحریک سے اپنے نقض عہد کرنے پر اُنھیں مجبوری واقع ہو۔

اور مامون عباسی کے مقابلہ میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی یہ تاکید آپ کے حفظ ماتقدم اور مآل اندیشی کے اعلےٰ جوہر اور عدیم المثال نمونے ثابت ہوتی ہے۔ مامون کے سلسلہ میں تمام سابق حکمرانوں نے اپنی ولیعہدی کے معزول و منصوب کرنے میں ہمیشہ اپنی طرف سے خود غرضی اور خلاف ورزی دکھلائی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اسکے بعد مامون کی بھی وہی حالت پائی جاتی

ہے۔ اس نے بھی وہی طرز عمل اختیار کیا۔ اس لئے آپ نے اپنے کلام معجز نظام کے موجودہ سلسلہ میں ان امور کی خاص طور پر تاکید فرمادی۔ تاریخ طبری کی عبارت سے تو مزید برآں یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ امر ولیعہدی کچھ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام ہی کی تنہا ذات تک متعلق نہیں تھا۔ بلکہ آپ کے بعد جناب امام محمد تقی علیہ السلام آپ کے صاحبزادے بھی ولیعہدی کے لئے نامزد ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ سلسلۂ عباسیہ کی موجودہ ولیعہدی کی ترتیب اور انتظام بھی اس واقعہ کے راست اور بے کم و کاست ہونے کی پوری تصدیق کر رہے ہیں کیونکہ مہدی کے بعد ہادی کے وقت سے امر ولیعہدی کے لئے یہ انتظام خاص طور پر مقرر ہو چکا تھا کہ موجودہ فرمانروا اپنے ولیعہد کے ساتھ اُسکے آیندہ ولیعہد کو بھی بیک وقت نامزد کر دے۔ اور دونوں کی بعیت بیک وقت و بیک مجلس تمام ملک و رعایا سے لی جاوے تاکہ اُس کے بعد اُسکے جانشین کو اپنے ولیعہد مقرر کرنے کے مسئلہ میں کسی دشواری اور مصیبت سے سامنا نہو۔ اور ملک میں کوئی فساد اور غدر واقع نہو۔ اس لئے مہدی نے اپنے بیٹے ہادی کو ولیعہد مقرر کرکے اُسکی ولیعہدی کے لئے اُسکے بھائی ہارون کو نامزد کر دیا۔ اور ان دونوں کی ولایت عہد کے اقرار ملک کے امرا سردار اور رعایا سے اپنے سامنے لے لئے۔ مگر تاہم اس طے شدہ امر میں بھی ہادی نے ہرثمہ ابن اعین کے ذریعے ہارون کو محروم رکھنے کے لئے جو تجویز کی وہ بالتفصیل علوم کاظمیہ میں بیان کی گئی۔

چونکہ مہدی کی ناگہانی موت نے ہادی کی ان تدبیروں کو کارگر نہونے دیا۔ اس لئے مہدی کے زمانہ کے انتظام بحال رہگئے۔ اور ہادی کے بعد ہارون نے اگرچہ اپنے بیٹوں میں ممالک محروسہ کی تقسیم کی ایجاد کی۔ مگر ولیعہدی کے مسئلہ کے متعلق وہی انتظام بحال رکھے۔ اور امین کے بعد مامون کی امارت و خلافت کے شرائط بھی اُسی میثاق شاہی میں ملحق کر دئے۔ مگر پورے چار برس کے بعد امین نے ہادی کی طرح اپنے بھائی مامون کو اس منصب سے منتزع اور اس نعمت سے محروم رکھنے کی تجویز کی۔ اور اُسکی جگہ اپنے بیٹے موسی کو اپنی ولیعہدی کے لئے نامزد کیا۔ جو ان کی تمام خرابیوں کا باعث ہوا۔ جیسا کہ اس کتاب میں اوپر بالتفصیل بیان کیا گیا۔ بہرحال۔ ان قرائن اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ مامون نے بھی اپنی ولیعہدی کے موجودہ انتظام میں اپنے اسلاف کی تقلید ضرور اختیار کی ہوگی۔ اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے بعد ولیعہدی کے سلسلہ کو آپ کے صاحبزادے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تک ضرور پہنچایا ہوگا۔ اس کا بہت بڑا قوی اور مستحکم ثبوت اُسکی اس کارروائی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ

چونکہ اُس نے اپنی ولیعہدی کے منصب کو اپنے اسلاف کے بالکل خلاف اپنے سلسلہ سے اُبھار کر ایک غیر خاندان کے سپرد کیا تھا۔ اس لیئے ضرور تھا کہ وہ اس مغائرت کو اپنی مواصلت سے بہت جلد تبدیل کر دیئے۔ اور یوں دونوں سلسلوں میں یکجہتی اور عزیزداری کے ظاہری آثار قائم کر دیئے۔ اگرچہ کسی وقت میں یہ دونوں قبائل ایک ہی سمجھے جاتے ہوں۔ مگر موجودہ زمانہ میں وہ باہم سخت مخالف سمجھے جاتے تھے۔ انہیں امور کو مدنظر رکھکر اُسنے اپنی لڑکی کا عقد جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا جس کا نام ام الفضل تھا۔ اور اپنی بڑی بیٹی ام حبیبہ کا عقد حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ یہ مواصلت اور یہ پیوند بھی جناب امام محمد تقی علیہ السلام تک اُس کے سلسلۂ ولیعہدی کو بہت صحیح اور معتبر بتلا رہے ہیں۔ اور کوئی عاقل شخص ایسے مستحکم قرائن اور معتبر واقعات کے مقابلہ میں کبھی ماموں کے اس انتظام میں کوئی کلام نہیں کرسکتا۔ اب یہ جاننا چاہیئے کہ مامون کی ملکی رعایا جو اس عہدنامہ میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی مخاطب اصلی تھی۔ اپنے اس عہد پر قائم رہی یا نہیں۔

جہاں تک اُس امر کی تحقیق میں تاریخی واقعات کی تلاش کیجاتی ہے یہ امر کامل طور سے پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہے کہ ملکی رعایا تو درکنار۔ خود بدولت مامون۔ خود ایک ہی سال کے بعد اپنے موجودہ قول و قرار سے فرار کر گئے اور اپنے ایسے وسیع اور مہتم بالشان عہد و میثاق کے خلاف جو کارروائیاں اُس سے عمل میں آئیں وہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان میں مندرج کی جاتی ہیں۔

اپنے اُن خلاف عہد امور کے علاوہ جو اُس نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی طرف سے بدظن اور مشکوک ہو کر آپ کی ولیعہدی کے متعلق آیندہ ظاہر کیئے جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی شرط عہد کو جو بقول طبری اس میثاق شاہی میں ضرور درج تھا۔ تو سرے سے نسیًا منسیًا کر دیا اور پھر کبھی سوتے جاگتے بھی اسکے ایفا اور اسکی تعمیل کی طرف خیال نہ کیا۔ اور بخلاف اس کے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی اپنے بھائی مستعصم کو اپنا ولیعہد کر دیا۔ جو اُس کے بعد خلیفہ ہوا۔ تو اس واقعہ سے اُسکی ایفائے عہد ثابت ہونے کی جگہ نقض عہد نکث بیعت اور خلاف وعدگی ثابت ہوتی ہے۔ اور ان بدعہدی اور خلاف ورزی کے شاہی جریدہ میں سب سے پہلے مامون ہی کا نام پایا جاتا ہے۔ کیونکہ شرائط میثاق کی روسے مامون کو انحراف و اختلاف کسی طرح مناسب اور واجب نہیں تھا۔ جو کچھ وہ لکھ چکا تھا یا کہہ چکا تھا اُسکی

تعمیل اُسکے ذمہ فرض تھی۔ مگر اُسنے نہیں کی۔ اس لئے خلف وعدگی اور نقض عہد کی مواخذی ابدالآباد تک اُسکی ذات سے وابستہ رہے۔ انہیں امور کو پیش نظر رکھکر جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے استقرار علے العہد اور استحکام الے الوعد کے متعلق نہایت پُر زور مضامین اور الفاظ میں نصوص قرآنیہ کے احکام دکھلاکر تاکید فرمائی تھی اور یہانتک سمجھادیا تھا کہ اپنے عہد سے خلاف ورزی اور اپنے قول وقرار سے انحراف زوال ایمان کا پورا پورا باعث ہوتا ہی۔

ان کلمات وافی ہدایات کو دیکھکر ہر عاقل اور ذکی شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ آپکے ان کلمات ہدایت التیام کا ظاہری رُخ تو عموماً تمام اہل اسلام کی طرف تھا مگر اصلی اور حقیقی طور پر آپ کا روئے سخن مخصوص مامون کی طرف تھا۔ اور آپ کا منشاء اور مدعائے دلی یہی تھا کہ مامون کو اپنے ایفائے وعدہ اور استقرار علے المعاہد پر ہمیشہ مستعد اور مستحکم رہنا چاہیئے۔

مگر واقعات بتلا رہے ہیں کہ مامون نے جیسا جلد ان امور کا انتظام کیا تھا ویسے ہی جلد ان کو منسوخ ومعزول بھی کر دیا۔ اور اپنے دل سے اُنکو ایسا بھلا دیا جیسا کہ شاید کبھی انہیں کیا ہی نہیں تھا۔ کیا ہوید ین مامون اُس کے کامل الخلوص اور راسخ العقیدہ ہونے کے ابھی دعوے کر سکتے ہیں۔ اگر کریں تو ع وائے گر از پس امروز بود فردائے۔

اس کے بعد آپ نے منصب ولیعہدی کی انجام دہی کے طریقوں کو اس عبارت میں بیان فرمایا ہے کہ میں نے حق تعالے کے لئے اپنے نفس پر مقرر کر لیا ہے کہ اگر اُس نے مجھے مسلمانوں کے کاموں کا والی کیا اور حصول خلافت کے وقت تک میں زندہ رہا تو میں تمام لوگوں کے درمیان علے العموم اور بنی عباس کے درمیان علے الخصوص طاعت خدا کے مطابق عمل کرونگا۔ کوئی خون ناجائز نہ کرونگا۔ نہ کسی کا مال اور نہ کسی کی عورت مباح کرونگا۔ مگر وہ خون جسکو خداوند تعالیٰ نے گرانے کا حکم کیا اور وہ عورت جسکے مباح ہونے کا خدا نے حکم کیا۔ اور میں اپنے ان امور میں اپنے حتے المقدور اپنی ساری کوشش تمام کرونگا۔ آپ کے کلام معجز نظام کے پہلے فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ولیعہدی کی تفویض کو عطایائے سلطانی نہیں سمجھتے بلکہ عنایات یزدانی جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر حقتعالے نے مجھے مسلمانوں کے کاموں کا والی کیا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ امور ولیعہدی کے انجام ہونے کے بعد بھی آپ اس امر کو کامل نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ابتک ناقص یقین کرتے تھے۔ کیونکہ اگر آپ کو اس کی تکمیل کا یقین ہی ہوتا تو پھر اس عنوان سے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ان امور کے علاوہ ہمکو بنی عباس کی تخصیص ضرور

دریافت کرنی ہے۔ ان واقعات سے تھوڑی غور کرنے کے بعد خود معلوم ہو جا سکتا ہے اور اس زمانۂ موجودہ کے حالات و واقعات بھی بتلا رہے ہیں کہ بنی عباس کی آزادانہ اور خود مختارانہ رفتار و کردار میں کسقدر اصلاح اور ترتیب کی ضرورت پیش تھی۔ کیونکہ ہم اپنے سابق مضامین میں کئی مقام پر دکھلا آئے ہیں کہ مہدی ہی کے وقت سے عباسیوں کے دماغ میں آزادی اور خود رائی کے مادّے پیدا ہو گئے تھے۔ اور تبدیل ولیعہد کے متواتر موقعوں پر جو جو مفسدے اور مخالفت ظاہر ہوتی تھی وہ سب انہیں کے اختلاف۔ آزادی اور فرقہ بندی او جذبۂ آزادی کے ہاتھوں کے کرتوت تھے۔ دنیا کے تمام اہل تدبیر بنی عباس کے ان حالات اور واقعات کو پڑھکر تمام لوگوں سے پہلے انہیں لوگوں کی اصلاح اور ترتیب کو مناسب اور واجب تجویز کرینگے۔ اور اسی وجہ سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے انکی درستی اور اصلاح کو خصوصیت کے ساتھ اپنے عہدنامہ میں ذکر کیا ہے۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کا دوسرا فقرہ اس سے زیادہ روشن ہے اور وہ یہ ہے الجفر والجامعۃ یدلّان علی ضد ذٰلک یعنی جفر وجامعہ دونوں اس امر کے خلاف بتلاتے ہیں دیکھو صواعق محرقہ۔ در مکنوں عبد الرحمن بسطامی۔ اس فقرہ نے صاف صاف بتلا دیا کہ یہ کام جو اپنی ظاہری صورتوں میں ہر طرح سے کامل دکھلایا گیا ہے کبھی تمام ہونیوالا نہیں ہے۔ نہ مامون اپنے خلوص پر ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اور نہ میں اُسکے بعد زندہ رہنے والا ہوں۔ اور پھر میرے بعد وہ میرے بیٹے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ بھی اپنے معاہد پورا کرنیوالا نہیں ہے۔ پھر ان ظاہری امور کی تصدیق کی جائے تو کیسے؟

اسکے بعد جو فقرہ ارشاد ہوتا ہے وہ ان واقعات کی کامل تشریح و توضیح کرتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میرے تمہارے ساتھ کیا عمل کیا جاویگا۔ آپکا ایسا ارشاد فرمانا بسبیل عموم ہے۔ ورنہ آپ کو ان تمام باتوں کی پہلے سے خبر ضرور تھی۔ آپ کا یہ فقرہ اہل اللہ کی عبرت اور ہدایت کے لئے کافی ہے۔ جن لوگوں نے بنی عباس کے حالات دیکھے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہل اسلام کو جو عموماً اس وقت مامون کی رعایا کہے جاتے تھے امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی سے کیسی کیسی مشکلیں پیش آئیں۔ اور ابراہیم ابن مہدی کے ہاتھوں سے انہیں کیا کیا مصیبتیں اٹھانی ہوئیں۔ حجاز و عراق کے ملکوں میں جو مفسدے پھیلے وہ تمام تاریخوں میں مذکور ہیں۔ آخر ان تمام شورشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ مامون کو اپنے

اپنے محکم عہد و میثاق سے منحرف ہو کر جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو بھی فضل ابن سہل کی طرح آخرکار تمام کرنا ہوا۔ بغیر اس کے ابراہیم کی شورش اور بغداد کی بدنظمی کی موجودہ ترتیب اور اصلاح اس سے کسی طرح ممکن نہیں ہو سکی۔

انہیں امور کی رعایت سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ نہیں معلوم اس ولیعہدی ہو جانیکے بعد ہمارے اور تمہارے ساتھ کیا عمل میں لایا جائیگا۔

اس کے بعد جو پہلا فقرہ ارشاد ہوا ہے وہ قرآن مجید کا مشہور آیہ ان الحکم للہ یقض الحق وھو خیر الفاصلین ہے۔ جس سے آپ کا اصلی مدعا یہ ہے کہ ان تمام امور میں مامون کی سلطانی تدبیر پر خدا کا ارادہ تقدیر ضرور غالب رہیگا۔ اور ان معاملات میں جو کچھ وہ فیصل کریگا وہ وہی اصلی حق یقین کیا جاویگا۔ آپ کے کلام معجز نظام صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ مامون کے یہ تمام ظاہری سامان اور انتظام جو اس وقت خلائق کے پیش نظر ہیں محض بے اصل اور ناستحکم ہیں۔ ان امور میں پروردگار عالم کا جو حکم ہے وہی ناطق ہے۔ اور ان معاملات میں جو اسکی مشیت کا فیصلہ ہے وہی صحیح ہے۔ انکی تفصیل میں واقعات اور قرائن دونوں بتلا رہے ہیں کہ مامون نے جس ولیعہدی کے لئے اپنے ظاہری خلوص اور نمائشی عقیدت کے سامان اتنے بڑے وسیع پیمانے پر کئے اور جسکی نسبت یہ تحریری معاہدہ و میثاق جانبین سے تحریر ہوئے بالکل نا استوار اور ناقابل اعتبار ہیں یہ امر جو فی الحال ہر صورت سے قریب الامکان معلوم ہوتا ہے مشیت ایزدی اور ارادہ خداوندی سے بالکل دور ہے۔ ان وجہوں سے ان امور کی نسبت جو خدا کا حکم ہے وہی اصلی ہے۔ اور وہی برحق۔ جیسا کہ بہت جلد دنیا اور اہل دنیا نے دیکھ لیا کہ جس طرح ہارون کے معاہدہ و میثاق سلطانی قائم نہیں رہے اسی طرح مامون کے انتظام بھی اپنے استحکام کے قدم نہ جما سکے۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے امیر کے حکم کی تعمیل کی ہے اور اسکی رضا کو اختیار کیا ہے۔ آپ کے اس اخیر فقرے نے تمام سربستہ راز کھولدئے اور تمام پوشیدہ باتوں کو دکھلا دیا۔ اول تو یہ ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے اس فقرے کو حرف شرط کے ساتھ آغاز کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ان باتوں کے قبول کرنے میں ضرور تامل تھا۔ اور آپ کی یہ مجبوری اور تامل آیہ وافی ہدایہ و لا تلقوا بایدیکم فی التھلکۃ کے احکام تک پہنچ گئی تھی جیسا کہ اوپر کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپکے

ان ظاہری اسباب اجابت کے علاوہ ارباب بصیرت اور صاحبان حقیقت پر جو معرفت امام کے علوم سے بہرہ مند ہیں۔ بخوبی واضح اور روشن ہے کہ اس مقدس طبقہ اور مبارک سلسلہ میں انبیائے مرسلین سے لیکر ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین تک۔ ان میں ہر نفس قدسی برکت کے لئے ایک خاص تکلیف اور ایک خاص خدمت درگاہ رب العزت سے تفویض ہوئی ہے جن کی تعمیل دنیا اور دنیا کی عام نگاہوں میں تو ہدایت وارشاد کا کام دیتی ہے اور عاقبت میں اُن کے لئے عطایائے جمیل اور اجر جزیل کا باعث ہو کر اُنکو قرب ربانی کے اعلےٰ اعلےٰ مراتب پر پہنچا دیتی ہے۔ جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے حالات اور امم سابقہ کے واقعات پڑھے ہیں وہ بغیر کسی تحریک کے ہمارے اس بیان کی خود تصدیق کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جناب آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے پیغمبر خاتم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر فرد واحد کی نسبت تلاش کیجاوے تو ایک خدمت مخصوصہ ہر شخص کے ساتھ منجانب اللہ ضرور پائی جائیگی۔ جن لوگوں نے اگر اور کتابوں کو نہیں صرف میرے ہی سلسلۂ تالیف کو دیکھا ہے اُن کو معلوم ہے کہ انبیائے سابقین کی طرح ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مبارک سلسلہ میں بھی ہر نفس قدسی برکت کے متعلق ایک تکلیف خاص ضرور مقرر ہے۔ جسے وہ بکمال صبر و استقلال قبول فرماکر۔ ہدایت عالم اور نظام امت کے ضروری امور میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان امور میں ان خاصان خدا کو سلاطین وقت کے ہاتھوں سے سخت آزار پہنچتے ہیں تکلیفیں بھی ہوتی ہیں۔ مصیبتیں بھی اُٹھانی پڑتی ہیں۔ دنیا اور دنیا والوں کی طرف سے اعتراض پر اعتراض ہوتے ہیں۔ الزام پر الزام اور تہمت پر تہمت لگائی جاتی ہے۔ کوئی اُنکے تقوے پر مُنہ آتا ہے۔ کوئی انکی پرہیزگاری اور عبادتگذاری اور نالہ وزاری پر قہقہے لگاتا ہے۔ کوئی انکو عابد ظاہر نما اور زاہد دنیا پرست بتلاتا ہے۔ کوئی عابد مرتاض اور زاہد خشک کے تعریضانہ القاب سے پکارتا ہے۔ کوئی انکو جنونی۔ وہمی۔ لایعنی اور مسلوب الحواس بتلاتا ہے۔ کوئی یا وہ گو۔ ساحر اور شعبدہ باز ٹھیراتا ہے۔ غرضکہ یہ ہوتے ہیں اور چاروں طرف سے مخالفین کے حملے اور معاندین کے وار۔ تعریضوں کی بوچھاڑ اور اعتراضات کی بھرمار۔ مگر بایںہمہ جل جلالہ وجل شانہ۔ وہ ان تمام مخالفتوں کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ اپنا کام کئے چلے جاتے ہیں۔ اپنے انہیں مخالفین اور معاندین کے قوم و قبیلہ سے ہزاروں کیا لاکھوں سعادتمندان زمانہ کی تعداد کو نکال لیتے ہیں۔ جو اُنکی متابعت اور فرمانبرداری میں اپنا خون اور پانی ایک کرنے کو ہمدم و ہر لحظہ آمادہ اور تیار رہتے ہیں جنکی مثال

سے دُنیا کے قومی کارخانے بکھرے پڑے ہیں۔
حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی اجابت ولیعہدی میں بھی اسرار مشیت ضرور مضمر تھے۔ اور آپ کی ذات قدسی صفات کے متعلق منجانب اللہ بھی تکلیف مقرر ہو چکی تھی۔ اور نظام امت کے متعلق بہی خدمات آپ کی ذات سے وابستہ تھیں۔ اگر اُن تمام فوائد اور محاسن سے قطع نظر کر کے اسکے متعلق صرف ایک اسی مصلحت پر نظر ڈالی جاوے تو اُس کے تمام دوسرے فوائد اور فیوض بھی روز روشن کی طرح ہویدا اور آشکار ہو جائینگے۔ وہ یہ ہے کہ ایک مدت سے اہل اسلام اس سلسلہ مطہرہ اور ان نفوس مقدسہ کی عظمت و جلالت کو محض بیضرورت بے وجود و بیکار سمجھے ہوئے تھے۔ جن کی محبت اور مودّت کو خداوند عالم نے ایک بار نہیں ہزار بار۔ ایک موقع پر نہیں ہزار ہا موقعوں پر واجب الاطاعت بتلایا تھا۔ اور خدائے سبحانہٗ تعالےٰ کے حکم کے مطابق حجۃ الوداع کی واپسی کے وقت انہیں حضرات رفیع الدرجات کو ردیف قرآن بتلایا تھا۔ یہ تو عام اہل اسلام کی نا پرسانی اور عدم توجہی کی کیفیت تھی۔ امرا و سلاطین تو سرے سے انکے خون کے پیاسے اور انکی جان کے دشمن تھے۔ نام کے مٹانے والے۔ فضائل و مناقب کے گھٹانے والے مگر نظام مشیت کی کسکو خبر اور ارادہ تقدیر کا کسکو علم۔ انہیں سخت سے سخت سلاطین اور مخالفین کے موجود سلسلہ میں جو ہمیشہ سے یکے بادیگرے ان کے فضائل اور شمائل کے استیصال کی فکر کرتے رہتے تھے مامون عباسی کے مجسمہ کو عالم وجود میں ظاہر کر کے ان بزرگواروں کے تمام حقوق واجب الادا کا علی رؤس الاشہاد کا اقرار کروا دیا۔ اگرچہ وہ زبانی اور ظاہری ہی کیوں نہ ہو۔ اس کثیر التعداد جمعیت میں بہت سے ایسے صاحبان عقل و ہوش تھے۔ مگر اسوقت زمانہ کی گمراہانہ روش کی بدولت غافل۔ بیہوش اور سلاطین کے ظاہری قوت و اختیار پر اعتبار کر کے اس وقت تک اُسکی اطاعت میں حلقہ بگوش بنے رہے۔ یکایک خواب غفلت سے چونک پڑے اور کلمۂ اعلائے حق اور اعلان لے صدق المطلق کے دلائل ساطع اور براہین قاطع کو سُن سُن کر اپنے ارتداد و ضلالت موجودہ کی عقائد سے کامل طور پر تائب ہو گئے۔ اور اس ظاہری ولیعہدی سے مصلحت خدا وندی اور مشیت ایزدی نے نظام امت کی اصلاح اور ترمیم کا یہ کیسا بڑا ذریعہ نکالدیا۔ اسکے علاوہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی اس ظاہری اور برائے نام ولیعہدی سے وہ غدر و فساد جو سادات کی تحریک سے منسوب کئے جاتے تھے یکقلم فرو ہو گئے۔ اور ہزاروں بندگان خدا کی جان اور مال و متاع جو آج سالہا سال سے معرض زوال میں گرفتار تھے غارت اور تباہ ہونے سے بچ گئے۔

ان امور کے علاوہ نظام قدرت کو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی حقیت اور آپکی قدر و منزلت بھی دنیا کو دکھلا دینی تھی۔ اور آپ کے مدارج و مراتب کو صفحۂ روزگار پر قائم کرنا تھا اور گمراہان زمانہ کو دکھلانا تھا کہ تم اپنی گمراہی اور ضلالت کی وجہ سے جس نفس نفیس اور جس وجود ذیجود کو اپنے مقاصد کے خلاف اور اپنی صلاح و رفاہ کے لئے باعث مضرت سمجھتے تھے اور اسکو اپنی ضروریات اور تعلقات روزمرہ کی نسبت محض بیضرورت اور بیکار جانتے تھے۔ وہی ذات قدسی برکات تمہاری امیدوں کے خلاف تمہاری تمناؤں کے برعکس تمہارے جملہ امور کا مرکز اور تمہارے اصلی مقاصد کا انتہا ثابت ہوتا ہے اور تم تو تم۔ تمہارے ایک فرمانروا نے۔ اگرچہ وہ ظاہری اور عارضی ہی کیوں نہو۔ اسکی اقتدا اور اطاعت کو اپنی مفاخرت اور عزت کا باعث سمجھا۔

یہ تو اس وقت تک ایک فائدہ تھا جو آپ کی قبول امارت کے مسئلہ میں امور دنیاوی سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی طرح آپ کی امارت سے جیسے جیسے دینی اور دنیاوی محاسن اور فوائد اہل اسلام کو ملتے یا کم سے کم ملنے کی امید تھی۔ وہ ابھی ابھی کسی قدر آپ کے طرز عمل میں اوپر بیان ہو چکے ہیں ہر شخص باآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے دنیاوی امور میں اہل اسلام کی اصلاح و رفاہ کے متعلق ایسے ایسے مستحکم اور استوار وعدے اور قول و اقرار تحریر اور تقریر دونو طریقوں سے ظاہر فرمائے تو پھر اُن کے دینی ہدایات و ارشادات میں آپ نے اپنی کوشش اور سعی زمانے کی طرف کہاں تک توجہ فرمائی ہوگی اور دیکھو اُن فاسد منقلبات بیجا وہوس اور اُن بدعات سے جو امور دینیہ اور احکام شرعیہ میں جہالت کی وجہ سے عارض ہو گئے تھے بچانے اور انکو پھر راہ راست میں لانے کے لئے کتنی اور کیسی کوششیں کی ہونگی۔ اور اُنکی دینی تربیت اور اصلاح کے مناسب اور ضروری طریقوں میں اپنے موعظۂ حسنہ۔ خطبات وافرہ اور ارشادات متکاثرہ میں سے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا ہوگا۔ چنانچہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے انعقاد امر بیعت ہی کے وقت سے ان امور کی تعلیم و تلقین کی ابتدا کر دی۔ اور جس طرح کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے طریقۂ بیعت ہی میں اُن کو ٹوک کر بتلادیا کہ انعقاد بیعت کا یہ شرعی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ موجودہ زمانہ میں جاری ہے۔ وہ حکام زمانہ کے مخترعات سے ہے۔ احکام دینیہ اور قواعد شرعیہ میں جو ترکیب اور عملی صورت اسکی بتلادی گئی ہے۔ وہ موجودہ طریقے سے بالکل برعکس ہے۔

اسی طرح نماز عید کا بھی واقعہ ہے۔ جسے عنقریب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں لکھتے ہیں۔ آپکے احیائے سنت اور طرز عمل احکام شریعت کا دوسرا نمونہ ہے جس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امور دینیہ اور عمل شرعیہ میں جو جو مفاسد مخترعہ اور زوائد مبتدعہ حائل ہو گئے تھے آپ اُنکے مٹانے اور اُٹھانے میں کیسی سرگرمی اور آمادگی سے کوشش فرماتے تھے۔ خصوصًا۔ عید اسلام کے ایام کو تو جیسا کچھ ان سلاطین نے اپنی دولت و ثروت کے اعتبار سے عیش و عشرت اور محض لطف صحبت اُٹھانے کے لئے قرار دے لیا تھا۔ اور اُن اعمال مخصوصہ اور ماثورہ کو پس پشت رکھکر اس دن کو بھی ہزاروں طرح کی لغویات اور حشویات سے بھر دیا تھا۔ اور اُس دن مصلائے عبادت بچھانے کی جگہ ناہنجار جلسوں اور کیفر کردار صحبتوں کے برپا کرنے کے لئے قرار دے لیا تھا۔ آپ ان امور کو اکثر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے اور اپنے کانوں سے سُن چکے تھے۔ عید الضحیٰ اسے تین دن پہلے ہم عیسے کے جلسوں کی کیفیت حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ غرضکہ ان احکام باطلہ اور رواج فاسدہ کے مٹانے اور اُٹھانے کے لئے غایت درجہ کی کوشش فرمائی گئی۔ اور اسی طریقہ سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام۔ جو جو امور دینیہ پیش آتے گئے اُنکی ترمیم اور اُنکی اصلاح فرماتے گئے۔

ان کوششوں کے علاوہ آپ کے خطبات۔ مواعظ اور کلام معجز نظام کا ایک کامل ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے جسکو ہم آپ کی اعلمیت اور استعداد و قابلیت کے بیان میں تحریر کرینگے۔ انشاء اللہ المستعان۔ جن میں آپ نے اہل اسلام اور تمام خاص و عام کی ہدایت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا ہے۔ اُن کو راہ ضلالت سے جادۂ ہدایت پر پھیر لانے۔ اور بار دیگر اسلام کے سچے طریقوں پر خالص اور راسخ العقیدہ بنانے میں پوری کوشش فرمائی ہے۔

آپ کے انہیں ارشاد کو دیکھکر۔ سواد اعظم اہلسنت کے علمائے اعلام نے آپ کو دوسری صدی کے مجدد دین و محیی سنت حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ جامع الاصول میں علامہ ابن اثیر تحریر فرماتے ہیں۔ اما من کان علیٰ راس المائۃ الثانیہ من امامیہ علی ابن موسی الرضا علیہما السلام۔

اتنے قرائن۔ دلائل۔ واقعات اور حالات۔ تاریخ۔ سیر اور حدیث کی کتابوں سے لکھکر ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو سمجھائے دیتے ہیں کہ اس امر ولیعہدی کے قبول فرمانے میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو یہ مصالح اور یہ منافع ضرور مد نظر تھے۔ جو تمام اہل اسلام کے دینی اور دنیوی صلاح

ورفاہ سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ اور انہیں امور کی ضرورت کو پیش نظر رکھکر آپنے مامون کی ظاہری اور عارضی ولیعہدی کو جو بالکل برائے نام تھی۔ اختیار فرمالیا اور بقول علمائے اعلام اہلسنت اس دوسری صدی میں زمانہ کی گمراہی اور ضلالت ضرور اس درجہ پہنچ گئی تھی۔ شرعی آثار اور دینی معیار دنیا سے اُٹھ چلے تھے۔ بدعات اور مخترعات کے سامان ترقی پر تھے۔ لغویات اور حشویات کے بازار گرم تھے۔ اور عموماً تمام خلائق کا انہیں امور کی طرف طبعی رجحان اور دلی میلان تھا۔ اس لئے زمانہ کی اصلاح۔ امت کی تربیت۔ احیائے سنّت اور تجدید شریعت کی خاص ضرورتوں کے لئے دنیا اور اہل دنیا کو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ایسے عدیم المثال اور مستغنی الصفات والکمال بزرگوار کی بڑی ضرورت تھی۔ جو ان کو راہ ضلالت سے کھینچکر طریقہ ہدایت پر لاتا۔ اور اُن کو رات دن کے لغویات اور حشویات کی ناہنجار عادتوں اور محرمات شرعیہ و منہیات دینیہ کے روزانہ ارتکاب سے بچاتا۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے ان ضرورتوں کو بھی ملحوظ رکھکر مصلحت خداوندی کے ایماسے اس ظاہری اور عارضی امر ولیعہدی کو قبول فرمالیا۔ ان دلائل اور قرائن کو لکھکر ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارے ابنائے زمانہ اس بحث کو غور سے پڑھکر اپنے منطقات فاسدہ اور خیالات باطلہ کی آپ اصلاح کر لینگے۔ جو اکثر خام عقیدہ والوں کو آپکی اجابت ولایت کے متعلق ہوا کرتے ہیں۔

امر ولیعہدی پر بیجا اعتراض

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ یہ واہیے اور منطقے بھی کچھ اسی زمانہ کی مخترعات سے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تعریضیں بھی اُسی زمانہ سے چلی آرہی ہیں۔ چنانچہ بعض کوتہ اندیشان زمانہ نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر بالمشافہا ان امور کی نسبت استفسار کیا۔ آپ نے فوراً اُن کے سوالوں کا خاطر خواہ جواب دیکر اُن کے لیہائے اعتراض کو بند کر دیا۔ ان میں سے چند واقعات ہم لمعۃ الضیا کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ہمارے فاضل معاصر صاحب لمعۃ الضیا اس بحث کی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو سلوک حضرات اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ اس خیر الامم کی ابتدا سے رہے۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کے جملہ افعال بدخواہی کی عام نظر سے دیکھے گئے۔ اور جہاں تک ہوسکا اُن کی عیب جینی اور خوردہ گیری میں تقصیر نہیں کی گئی۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کی نسبت تو یہ مسلمات سے تھا کہ آپ ہر نوع اہل وسزاوار امامت و خلافت ہیں۔ باوجود اس کے یہ لغو اعتراض ہوا کہ کیوں

انہوں نے مامون کا ساتھ دیا۔ اور کس لئے اُس کی طرف سے ولیعہدی قبول فرمائی۔ حالانکہ حقدار کو ہمیشہ حق حاصل ہے کہ اپنا حق جس طرح ہوسکے حاصل کرنے میں سعی کرے۔ چنانچہ اسی وجہ سے استحصال حق کے لئے حکام ظلمہ سے رجوع کرنا۔ اور اُن کے ذریعہ سے اپنے حق کو پہنچنا شرعاً جائز ہے۔ مگر معترضین کے نزدیک حضرت امام رضا علیہ السلام کو ایسا کرنا جائز نہیں تھا۔ ہرچند کہ ہر شخص جانتا ہے کہ آپ نے رضا و رغبت اس کو قبول نہیں فرمایا۔ اور جب تک اس کے انکار میں اپنی ہلاکت کا خوف آپکو تحقیق نہ ہولیا۔ اقرار نہیں فرمایا۔ مگر پھر بھی لوگ اعتراض کرنے سے باز نہ آئے۔

عیون الاخبار میں ریان ابن صلت سے مروی ہے کہ میں نے ایک بار جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری جان آپ پر فدا ہو اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ آپ نے باوصف زہد و اتقا اور ترک دنیا مامون کی ولیعہدی قبول فرمائی۔ ارشاد کیا کہ حق سبحانہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس میں ضرور انکار تھا اور جب تک کہ مجھ سے یہ عہد نہیں کر لیا گیا کہ اگر قبول کرو تو خیر ورنہ قتل کئے جاؤ گے اُس وقت اسے میں نے قبول نہیں کیا۔ وائے ہو اُن اعتراض کرنے والوں پر۔ اُن کو معلوم نہیں کہ حضرت یوسف علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام مصر کے بادشاہ ہوئے اور عزیز مصر سے اُنہوں نے خواہش کی اجعلنی علی خزآئن الارض یعنی تو مجھے خزانہائے روئے زمین پر مسلط کر کہ حقیقت میں اُن کا نگہبانی کرنے والا اور واقف کار ہوں۔ پس اُنہوں نے باوجود درجۂ نبوت کے تمام خزانہائے روئے زمین کی خواہش کی۔ اور میں نے تو صرف ولیعہدی کو وہ بھی بجبر و اکراہ خاصکر اُس حالت میں اختیار کیا ہے جبکہ اپنی موت کو ہر طرح ظاہر اور حاضر دیکھ لیا۔ پھر فرمایا فالی اللہ المشتکی وھو المستعان ہیں ان امور کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں اور وہی ان امور میں میری اعانت فرمانیوالا ہے۔

ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ آپ نے مامون کی اطاعت کرلی۔ جو کسی طرح آپ کے شایان نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اے شخص نبی افضل ہے یا وصی۔ عرض کی نبی افضل ہے۔ فرمایا مسلمان کو منزلت ہے کافر پر یا کافر بہتر ہے مسلمان سے۔ عرض کی مسلمان کو کافر پر ضرور شرافت ہے۔ فرمایا عزیز مصر مشرک تھا حضرت یوسف علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام نبی تھے اور میں وصی ہوں۔ اور مامون مسلمان ہے۔ یوسف علیہ السلام نے خود عزیز مصر سے درخواست کی کہ خزائن ارض میرے سپرد کردے۔ اور میں نے مامون کی ولیعہدی کو جبر و اکراہ سے قبول کیا ہے۔

ایک مرتبہ چند صوفیوں نے آکر بکواس کی کہ مامون نے آپ کو اپنے بعد خلافت کے لئے انتخاب کیا ہے اور امت کو ایسا شخص درکار ہے جو موٹا کپڑا پہنے۔ نان خشک پر اکتفا کرے۔ مریضوں کی عیادت کو جائے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ آپ اس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہ سنکر فوراً درست ہو بیٹھے اور فرمایا یوسف علی نبینا و آلہ و علیہ السلام نبی تھے۔ قبائے دیبا زرتار پہنتے تھے۔ اور فرعون کی مسندوں پر بیٹھتے تھے۔ امام سے عدل و داد مقصود ہے اور یہ کہ وہ کلام میں راستگو ہو۔ حکم میں انصاف کرے۔ وعدے کو وفا فرمائے۔ حقتعالے نے لباس وطعام کو کسی پر حرام نہیں کیا ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے قل من حرم زینة الله التی اخرج للعباد

جناب امام موسی رضا علیہ السّلام کے نام سکے مضروب ہوئے

بہر حال اس عہدنامہ کی تحریر کے بعد مامون عباسی نے حکم دیا کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے نام سکے جاری کیے جاویں۔ چنانچہ اسی وقت سے آپ کے نام سکے جاری کئے گئے اور زر و دینار مضروب ہوئے۔ اور یہ حکم بھی دیا کہ تمام قلمرو سلطانی میں عمالان اور والیان ممالک کے ذریعہ سے آپ کی ولایت کا اعلان کیا جاوے۔ اور جمعہ کے روز سے آپکا اسم گرامی خطبہ میں داخل کیا گیا۔ چنانچہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے احمد ابن محمد ابن سعید کے اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ عبدالحمید مدینہ کے موجودہ عامل نے یہ حکمنامہ شاہی پاکر مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منبر پر خطبہ پڑھا تو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کا نام نامی اس طرح لیکر دعا مانگی ولیعھد المسلمین علی ابن موسی ابن جعفر ابن محمد ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السّلام یہ چھ اشخاص افضل خلائق اور اُن تمام لوگوں سے جو آسمان و زمین پر آباد ہیں بہتر ہیں۔ صاحب روضة الصفا اپنی تاریخ کے دفتر سوم میں ان واقعات کو ذیل کے الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

مامون فرمود تا ناظران موقف خلافت اعلام وثیاب اسود را برآیات ولباسہائے سبز مبدل گردانیدند و امثلہ و احکام تبمامت دیار اسلام فرستادہ حکم کرد تا تغیر لباس کردہ بجائے رایات سیاہ علمہائے سبز نصب فرمایند و دست مبایعت در دامن متابعت حضرت علی ابن موسے الرضا علیہ التحیة والثناء زنند۔ تا در روز محشر در سایہ علم حضرت خیرالبشر صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم جائے داشتہ باشد ؎

ہر کہ در سایۂ آں سرو سہی قد باشد	جاش زیر علم سبز محمدؐ باشد۔		

تذکرۃ الائمہ میں ایک مرد صالح کی زبانی مرقوم ہے کہ مرزا محمد محسن متوفی سرکار جناب امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں مرو کے قلعۂ کہنہ سے ایک شخص باشندہ بادغیس کو چند اشرفیاں ملیں جن کا وزن موجودہ صرافی کے مطابق تھا۔ ان اشرفیوں میں سے چند تو ہشام ابن عبد الملک ابن مروان اور باقی اور بنام نامی امام الانام حضرت علی ابن موسی الرضا علیہ السلام تھیں۔ جن پر یہ منقوش تھا الملک للہ والدین۔ المامون امیر المؤمنین۔ وخلیفتہ الرضا امام المسلمین۔

عید کی نماز اور امام موسی رضا علیہ السلام کی امامت

مامون عباسی جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ظاہری ولیعہدی کے متعلق تمام مراتب طے کر چکا تو رمضان المبارک کا مہینہ تمام ہو کر ہلال عید نمایاں ہوا تو اُس نے امامت نماز کے لئے جناب امام رضا علیہ السلام کو تجویز کر کے اپنے خاص چوبدار کی معرفت آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ آپ اپنی ولیعہدی کے اظہار و اعلان کی ضرورت سے کل میرے مقام پر عید کی نماز پڑھائیں۔ امام علیہ السلام نے پہلے اپنے اُسی حزم و احتیاط کے تقاضوں سے اُس کے پاس جواب میں کہلا بھیجا کہ میں پہلے تم سے اقرار کر چکا ہوں کہ میں ان اقسام کے امور میں جو تمہاری سلطنت اور حکومت سے یا اُن کی سطوت و شوکت سے تعلق رکھتے ہیں کبھی کوئی مداخلت نہیں کرسکتا چونکہ نماز عید کی امامت خاصکر آثار حکومت اور معیار شاہی قرار پا چکی ہے اس لئے اس سلطانی خدمت میں میری مداخلت کسی طرح قرین مصلحت نہیں ہوسکتی۔

آپ کے اس ارشاد کے جواب میں اُس نے بار دیگر کہلا بھیجا کہ آپکی اس تصدیعہ دہی سے میری غرض یہ ہے کہ آپ کا فضل و شرف تمام خلقت پر ظاہر اور ثابت ہو جاوے۔ اور مخالفین و معترضین کا پورا اطمینان ہو جاوے۔ پھر اس استدعا کے ساتھ اپنی طرف سے ایسی کچھ منت و سماجت کہلا بھیجی کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو پھر سوائے منظوری کے اور کوئی دوسری صورت بن نہ پڑی۔ مگر آپ نے اُسی آدمی کی معرفت اُسی وقت مامون کے پاس کہلا بھی بھیجا کہ تمہاری تجویز کو قبول تو کر لیتا ہوں مگر میں امامت نماز عید کو اُسی طریقہ سے جاؤنگا جس طریقہ سے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیر المومنین علیہ السلام جایا کرتے تھے مامون نے

کہلا بھیجا کہ ہاں۔ آپ کو اسکا اختیار ہے۔
اس کے بعد مامون نے تمام افسران سپاہ اور ملازمین درگاہ کو حکم دیا کہ علے الصباح لباس زیبا اور خلعتہائے دیبا سے اچھی طرح آراستہ و پیراستہ ہوکر تمام لوگ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے در دولت پر حاضر ہوں۔ شہر میں اسکی عام شہرت ہوگئی کہ کل جناب امام بحق حضرت علی ابن موسے الرضا علیہ التحیۃ والثنا عید کی نماز پڑھائینگے۔
پھر کیا تھا۔ زن و مرد۔ پیر و جوان۔ حتے کہ اطفال خورد سال تک امام کی مبارک سواری کے دیکھنے کو صبح سویرے۔ مُنہ اندھیرے۔ اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ اور تمام بازاروں میں راستوں میں۔ دوکانوں پر۔ مکان کی چھتوں پر آدمیوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ گئے۔ اور جمیع عہدہ داران شاہی در دولت پر مجتمع ہوئے۔
امام علیہ السلام نے غسل کیا اور لباس پاکیزہ زیب تن فرماکر انواع عطریات سے اپنے آپ کو معطّر فرمایا اور عمامہ سفید سوتی سر پر باندھکر ایک سرا اُسکا آگے کی طرف سینہ پر۔ دوسرا پیچھے پیچھے دونوں شانوں کے درمیان چھوڑا۔ اور دامان قبا کمر تک اور پائجامہ نصف ساق تک چڑھایا اور عصا دست مبارک میں لیکر آمادۂ مصلّے ہوئے۔ خُدّام اور غلاموں نے دیکھا تو یہ بھی سب کے سب اسی شکل و صورت سے درست ہوکر ہمراہ ہوئے۔ صحن خانہ میں پہنچکر سر مبارک آسمان کی طرف بلند فرمایا اور بصدائے رفیع تکبیر کہی۔ اُس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار آپ کو جواب دے رہے ہیں۔ دروازے پر پہنچے تو امرار و وزراء کو کہ زرق برق لباس سے آراستہ منتظر تشریف آوری کھڑے تھے۔ کہ اتنے میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام بایں شان و شکوہ و بکمال سکینہ و وقار بر آمد ہوئے۔ اور تھوڑی دیر تک تامّل فرماکر ان تکبیرات اربعہ کو زبان پر جاری کیا۔
اللہ اکبر۔ اللہ اکبر علے ما ھدانا اللہ اکبر اللہ اکبر علی ما رزقنا من بھیمۃ الانعام۔
اور اپنی صدا کو ان کلمات سے بلند فرمایا السلام علی ابوی اٰدم و نوح۔ السلام علے ابوی ابراھیم و اسمٰعیل السلام علیٰ ابوی محمدؐ المصطفیٰ و علی المرتضیٰ السلام علی عباد الله الصّٰلحین و صلّی اللہ علی محمّد و آلہ الطّاھرین الطیّبین۔ آپ کے ساتھ تمام ہمراہیوں نے بھی آوازیں بلند کیں۔ پس تمام ارکان شہر میں زلزلہ پڑگیا اور صدائے گریہ و بکا تمام شہر سے برآمد ہوئی۔ اسی طرح تین مرتبہ تکبیرات کی تکرار کی۔ افسران سپاہ اور ملازمان شاہی نے حضرت کو دیکھا تو اپنے آپ کو گھوڑے سے گرادیا اور موزے اور کفش پاؤں

سے نکالکر پھینکدئے۔ سبھوں نے جلدی میں بند نعلین خنجر اور تلوار سے کاٹ ڈالے اور پیادہ و برہنہ پا آپ کے ساتھ ہولئے۔ یہ شان الٰہی دیکھکر ڈھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔ پس حضرت خراماں خراماں روانہ ہوئے۔ اور ہر دس قدم پر ٹھیر کر تکبیرات اربعۂ مذکورہ کی تکرار فرماتے تھے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ ایسا عجیب و غریب سماں میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ارض و سما۔ در و دیوار آپکے ساتھ تکبیرات کہنے میں شریک ہیں۔

فضل ابن سہل کو معلوم ہوا تو وہ دوڑا ہوا مامون کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ ارے غضب ہوا۔ اگر جناب امام موسی رضا علیہ السلام اس شان و شکوہ سے عیدگاہ تک چلے گئے تو اہل مرو بالتمام اُن کے گرویدہ اور فریفتہ ہو جائینگے۔ اور ایک متنفس بھی تمہارا ہی خواہ باقی نہیں رہیگا۔ پھر ممکن ہے کہ ایسا فساد عظیم برپا ہو کہ اُسکا انسداد ہمارے امکان سے قطعی خارج ہو۔ مصلحت وقت اسی میں ہے کہ درمیان راہ سے آپ کو روک لیا جاوے۔ مامون نے فوراً ایک خواص کو بھیجکر پیغام دیا کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں نے ناحق آپ سے اتنا اصرار کیا۔ حضرت کو نہایت زحمت ہوئی ہوگی۔ آپ واپس تشریف لائیں۔ جو شخص ہر سال نماز پڑھاتا ہے وہی امسال بھی پڑھالیگا۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے یہ پیغام سنکر کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور کفش منگا کر پہنی اور سوار ہو کر وسط راہ سے دولتسرا کو واپس آئے۔ اور بروایتے مسجد خرگاہ تراشان مرو تک آپ پہنچنے پائے تھے کہ مامون کا یہ پیام پہنچا۔ وہیں داخل مسجد ہو کر نماز پڑھ لی اور بعد نماز سوار ہو کر دولتسرا کی طرف واپس آئے۔ آپ کا لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہونا تھا کہ مسلمانوں کی تمام جماعت متفرق ہو گئی۔ اور آخر کار نماز عید اُس دن منعقد ہو ہی نہ سکی۔

یہ واقعہ ایسا مشہور و معروف ہے کہ اسلام کی تاریخ و سیر کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا نے بھی انہیں مضامین کے ساتھ اس واقعہ کو اپنی تیسری جلد میں بالتفصیل لکھا ہے۔

اسی ایک واقعہ سے مامون کے ظاہری خلوص و عقیدت کی قلعی کھل گئی۔ اُسکی اخف الحرکاتی اور تلوّن مزاجی نے اُس کے اندرونی مطالب اور مقاصد کو پورے طور سے ظاہر کر دیا۔ یہ امر بھی مامون کے دلی شکوک اور قلبی مظنات کو پورے طور سے بتلا رہا ہے۔ اب تو اس

واقعہ کو پڑھکر مامون کی شیعیت پر ایمان لانے والے حضرات اپنے اس دعوے کو کہ مامون نے جو محاسن سلوک حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ کئے وہ سب اُس کے خلوص وعقیدت پر مبنی تھے واپس لیں اور اب تو آنکھیں کھول کر دیکھ لیں کہ اُس کے خلوص عقیدت میں کہاں تک استقلال اور استحکام پایا جاتا ہے۔ بلکہ ان کی امیدوں کے برخلاف اُسکے یہ ظاہری خلوص اور یہ عارضی عقیدت تو ایک مہینہ سے زیادہ ٹھیر نہ سکی۔ اور دوسرے مہینہ کی پہلی ہی تاریخ سے اُس کے تمام معاہدہ اور قول و قرار میں ضعف اور انکار کے آثار ہویدا اور آشکار ہونے لگے۔ اور اس واقعہ سے اُس کے مزاج کا تلوّن اور اُسکی طبیعت کا تغیر پورے طور پر ثابت ہو گیا۔ اور ہمارا یہ دعوےٰ کہ مامون کی یہ تمام کارروائیاں صرف اُس کی غرض نکالنے کی گوں تھیں اور کچھ نہیں بالکل صحیح اور درست ثابت ہوا۔

ان امور کے علاوہ۔ اس تلون طبعی سے مامون کی طبیعت کی کمزوری اور ضعیف الرائی بھی پائی جاتی ہے۔ اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حکمرانی اور مُلک داری میں صاحب الرائے اور خود مختار نہیں تھا۔ کیونکہ جس فرمانروا نے اپنے ولیعہد کو کسی امر خاص کے لئے اپنے مقام پر قائم کیا ہو اور پھر اس امر کی تفویض میں بھی ابتدا سے آپ ہی اصرار کرچکا ہو اور ولیعہد کے متواتر انکار کو قابل پذیرائی نہ سمجھا ہو تو پھر ایسی حالت میں کسی دوسرے کی زبانی تہدید سے ایسا ڈر جانا کہ بلا لحاظ و پاس سطوت سلطانی اپنے سابق حکم شاہی کو واپس لینا آئین ملک داری اور قوانین سرداری سے کوسوں دور ہے۔ اس امر سے تو صاف صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ کامل عقیدت اور خالص ارادت نہیں تھی۔ وزیرے چنیں شہر یارے چناں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فضل ابن سہل موجودہ وزیر السلطنت بھی حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی طرف سے ہرگز صاف نہیں تھا۔ اگر وہ آپ کی طرف سے صاف ہوتا تو مامون کو کبھی ایسی خلاف رائے نہ دیتا۔ اور اسی طرح اگر مامون جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی عقیدت اور ارادت میں خالص اور کامل ہوتا تو کبھی فضل کی اس گمراہانہ مشورت کو نہ سُنتا۔ غرض مامون اور فضل ایک سانچے کے ڈھلے ہوئے تھے۔ دونوں اپنی ضرورت کے بندے اور اپنی احتیاج کے غلام تھے۔ جس سے کام نکلتا دیکھا اُسی کے پیچھے ہو رہے۔ اور جس سے اپنی غرض حاصل ہوتے دیکھی اُسی کی تقلید اختیار کرلی۔ مگر تاہم اپنی آن اور اپنی شان نہ چھوڑی۔ اور اپنی مجبوری میں بھی مجبور نہ رہے۔ جہاں مطلب نکل گیا۔ اور گوں گٹھ گئی۔

پھر بندہ رخصت۔ شما بخیر و ما بسلامت۔ ہم ابتدا سے دکھلاتے آئے ہیں کہ مامون کے تمام کام اسی اصول پر مبنی تھے۔ اور اُن میں خلوص و عقیدت کہیں نام کو نہیں تھی۔ اگر تھی بھی تو صرف اُسی وقت تک جب تک کہ کام نہیں نکلا تھا اور غرض اٹکی تھی۔ بہر حال۔ اسی ایک واقعہ سے مامون کی ضعیف الرائی۔ سوء تدبیری اور تلوّن مزاجی کی پوری حقیقت معلوم ہو گئی۔

جب مامون نے ہر قرینہ اور ہر پہلو سے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کو اپنی ملکی اصلاح اور درستی کے لئے مفید سمجھ کر آپ کو اپنا ولیعہد تسلیم کر لیا تھا تو پھر آپکے خلاف فضل کی تجویزوں پر اعتبار کرنا اور اُسکی بتلائی ہوئی رائے کو اختیار کرنا کیا معنی۔ حالانکہ تفویض ولائیت میں بھی یہی فضل شریک تھا۔ اور شریک بھی کیسا۔ شریک غالب۔ مامون کو فضل کی تنہا مشورت کے مقابلہ میں اپنی عقل۔ اپنے شعور اور اپنے امتیاز کو معطل چھوڑنا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ بلکہ بخلاف اس کے اگر اُسکو اپنی بیدار مغزی پر دعوے تھا تو وہ ضرور اسکی مشورت پر تلاش حقیقت کی نظر ڈالتا۔ اور دریافت کرتا کہ اُس کے بیان میں کہاں تک صداقت کا دخل ہے۔ اور کہاں تک۔ تہمت۔ افترا اور جھوٹ کی گنجائش اور آمیزش۔ مگر وہ تو فضل کی ایک ہلکی سی دھمکی سے ایسا ڈر گیا کہ اُس سے کچھ بھی نہ بن پڑا۔ اور اپنے نافذ شدہ حکم کی واپسی کا حکم دے ہی دیا۔ اس وقت مامون کو اپنی شاہی شان کا لحاظ رہا اور نہ سلطانی زبان کا پاس۔

اب یہ بھی تو دریافت کر لیا جاوے کہ آخر اُس کے ایسے فوری اختلاف کا کیا سبب ہوا۔ ہم اُسکو بھی بتلائے دیتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ آج تک جو کچھ اُسنے سوچا تھا اور غور کیا تھا وہ اپنی ملکی رعایا کی اصلاح تھی۔ اور ترتیب۔ اور ان تدابیر و تجاویز کے متعلق اُس وقت تک اُس نے اپنے اختیار و اقتدار کی منقصت اور کسر شان کا کوئی خیال نہیں کیا تھا فضل نے اسوقت اسے یہی پٹی پڑھائی کہ آپ کی یہی تجویز (امامت نماز عید) آپکے موجودہ مدارج مخصوصہ سلطانی اور مراتب محفوظہ خسروانی کے زوال کا باعث ثابت ہوگی۔ اور رعایائے ملکی اسوقت سے آپ کو عضو بیکار سمجھکر کسی اعتبار کے قابل نہیں سمجھیگی۔ اور یوں تو آپکی تحریک سے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی عظمت تو سب کے دلوں میں پہلے ہی سے نقش کالحجر ہو گئی ہے۔ اب اس امر کے وقوع پذیر ہونے سے عام مرجوعہ اور عام قبولیت کے اور سکّے جم جائیں گے۔ امید ہے کہ آخر رفتہ رفتہ یہ خلوص اور رسوخ عام انتزاع سلطنت

کاسامان پیدا کرکے خادمان شاہی کو پورا گزند پہنچاوے۔ حقیقت میں فضل کی مشورت میں
یہی مدعا پوشیدہ تھے۔ اور یہی حقیقت مضمر تھی۔ جس نے اُس کو مفسدہ رعایا کے ظاہری
اور کھلے الفاظ میں ظاہر کیا۔ مامون اُس کے مدعا کو سمجھا اور اپنی خودغرضی اور نفسانیت کا
قدم درمیان پاکر سنبھلا اور اُس کے ظاہری خلوص وعقیدت کا مقابلہ شاہی سطوت اور
سلطانی عظمت وجلالت سے ہوگیا۔ تو پھر اس امتحان میں اُسکا تلون کہاں ٹھیرنیوالا تھا
پھر یہ قول وقرار کہاں اور وہ اتحاد وارتباط کے معاہد اور شواہد کہاں۔ خواہش نفسانی
اور غرض حکمرانی نے آنکھوں سے پردے اُٹھادئے۔ اور اس وقت اُسکو ایک دوسرا
عالم دکھلاہی دیا۔ جس کے آگے وہ اپنے تمام پہلے معاہد کو بالکل بھول گیا۔ اور اُنکی طرف
خیال بھی نہ کیا کہ وہ کیا تھے اور کیسے تھے۔
روزانہ مشاہدات بتلارہے ہیں کہ ادنے ادنے اور محض بے وجود جائداد اور مال ودولت کے
لئے تو دنیا میں کیسے کیسے چھلے۔ مکر۔ دغا اور فریب سے روزانہ کام لیتے ہیں اور باوجود دعوئے
اسلام کے اسکے حصول کی فکروں میں وہ کام کرتے ہیں جو نصوص الٰہی کے خلاف اور احکام
حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برعکس ہوتے ہیں۔ مگر کوئی پروا نہیں کیجاتی
اور کوئی خوف اور اندیشہ نہیں کیا جاتا۔ پھر ان لوگوں کے مقابلہ میں مامون کی سلطنت اور
اُس کے معاہد کی عظمت کا اندازہ کیا جاوے تو معلوم ہوجاویگا کہ اُسکی عظمت وجلالت
کتنی ہوگی اور وہ اس کے حصول اور قائم رکھنے کی ضرورتوں کو کتنا اور کیسا لازمی سمجھتا ہوگا
پھر اس کی ضرورت کے آگے وہ اپنے قول و قرار کی ہستی کو کیا سمجھتا ہوگا جسکو خود اُس نے
اپنے ہاتھوں سے بنایا اور پھر اسوقت انہیں کو اپنے ہی ہاتھوں سے مٹانے پر بھی آمادہ اور
تیار ہوگیا۔ مگر ان تمام تغیرات میں نظام ربانی کے واضح اور کامل دلائل جو پوشیدہ تھے۔
انہوں نے اُس کے موجودہ اختلاف اور نقض عہد سے دنیا اور اہل دنیا کو سلاطین کی قول و
قرار کی بے اعتباری اور نااستواری دکھلادی۔ اور اس طرح سے اُس مالک حقیقی کی قدرت
ثابت کردی۔
اب ہم آخر میں اپنے موجودہ مضمون کو تمام کرکے اپنے ناظرین کی خاص عبرت اور ہدایت کے لئے یہ
دکھلاتے ہیں کہ مامون کی اس خفیف الحرکاتی کا اخیر نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کی اس تلون مزاجی
سے نہ اُسکے شاہی مدارج میں کچھ اضافہ ہوا۔ اور نہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے

فضائل و مراتب میں کسی قسم کی کمی محسوس ہوئی۔ مگر کئی غریب مسلمانوں پر وہ اسطرح کہ اُس دن اسی گڑبڑ میں نماز عید ہی نہیں ہوئی۔ اور تمام اہل اسلام اس یوم مخصوصہ کے اعمال نہ بجالا سکے۔ اور مامون کی ان خفیف الحرکاتی اور تلون مزاجی سے جو نتیجے نکلنے والے تھے۔ بالآخر نکلے اور تمام دنیا نے اُنہیں دیکھ لیا۔

ہم نے جہاں تک مامون کے ان ظاہری اور عارضی خلوص و عقیدت کی حقیقت دریافت کی ہے ہمکو معلوم ہوا ہے کہ اُس کے ان امور میں مہینہ بھر سے زیادہ اُسکا استقلال قائم نہیں رہا۔ اور یوں تو کامل خلوص اُسکو تمام عمر جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے ساتھ کبھی حاصل نہیں ہوا۔ اُسکی ضرورت کے زمانہ کے اعتقادات بھی شکیات اور مغلطات سے کبھی خالی نہیں رہے۔ جیسا کہ ہم اس کتاب کے چند مقام پر اوپر بتلا آئے ہیں۔ مگر تاہم اُس کے یہ امور ایسے باریک ہیں جو بغیر غور کامل کے نہیں دکھلائی دیتے۔

حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولایت سے عباسیوں کی مخالفت۔ ابراہیم کی بغداد میں تخت نشینی اور مامون کی امام رضا علیہ السلام سے خلاف عہدی اور برگشتگی

نماز عید کے تنہا واقعہ نے اچھی طرح بتلا دیا کہ مامون اپنے اُس قول و قرار سے جو اُس نے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے کیا تھا بالکل پھر گیا۔ ادھر آپ کی ولیعہدی سے اگر سادات کی پُرجوشیوں میں کمی آئی تھی تو اُدھر اس کے باعث بنی عباس کی مخالفت تیز ہو گئی۔ اور وہ آپ کی ولیعہدی سے ناراض ہو کر بغداد کے علاقہ میں خود مختار اور خودسر ہو جانے کی فکریں کرنے لگے۔ اور مامون کی اس تجویز سے بالکل خلاف ہو کر۔ بلکہ بقول طبری اُسکو بُرا بھلا سنا کر یہ کہا کہ اگر وہ عباسیوں کی سچی نسل سے ہوتا تو امر حکومت کو کبھی اپنے خانوادہ سے باہر جانے نہیں دیتا۔ ہمارے خیال میں یہ تمامی امور فضل کے حیلہ اور تدبیر سے عمل میں آتے ہیں۔ اب فضل کی وزارت اور حسن کی امارت تو درکنار ہم مامون ہی کو اپنا خلیفہ اور امیر نہیں جانتے۔

اس مشورہ کے بعد عباسیوں نے بغداد کے اکابر اور عمائد کو جمع کرکے بہت بڑی مجلس قائم کی۔ اور آپس کی طول طویل تقریروں کے بعد یہ طے پایا کہ مامون کو بھی امین کی طرح امر خلافت سے منتزع کرکے کسی دوسرے عباسی کو جو حکمران سلسلہ کا قریبی ممبر ہو تخت امارت سپرد کیا جاوے۔

اس امر کی تلاش میں اُنہوں نے مہدی کے بیٹے منصور کو امارت کے لئے تجویز کیا مگر اُسنے منظور نہ کیا۔ پھر اُس کے بھائی ابراہیم سے جسکا لقب ابن شکلہ تھا اسکی سلسلہ جنبانی کی۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابراہیم عرصہ سے حصول خلافت کی تاک میں لگا تھا۔ اور امین کے وقت کے فساد سے لیکر سادات کی پرجوشیوں کے زمانہ تک وہ اپنی فکر میں لگا رہا۔ اور موقع کا منتظر بنا بیٹھا رہا۔ اُس کو تو غیب سے یہ سونے کی چڑیا ہاتھ لگی۔ اُسنے فوراً قبول کرلیا۔ اتفاق سے دوسرے دن جمعہ تھا۔ آپس کی مشورت سے یہ طے پایا کہ نماز جمعہ کے بعد بغداد کی جامع مسجد میں ابراہیم کی تخت نشینی کے مراسم بجالائے جائیں۔ چنانچہ دوسرے دن شہر کے تمام عمائد و اکابر اور فوجی افسر جمع ہوئے۔ ابراہیم بھی پہنچے۔ ابراہیم نے چاہا کہ منبر پر جاکر اپنی خلافت کا اعلان کروں۔ اور مامون کی انتزاع سلطنت کا اشتہار دوں کہ اتنے میں حاضرین کی مختلف جماعت میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ اور اُن لوگوں نے متفق ہوکر بیان کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ہماری سب کی دلی خواہش اتنی ضرور ہے کہ مامون کو امر امارت سے علیحدہ کیا جاوے مگر اسی کے ساتھ ہمارا یہ مدعا بھی ضرور ہے کہ امر خلافت سلسلۂ عباس سے باہر نہ جاوے اس لئے مامون کے نام کو ابھی خطبہ سے باہر نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر اُس کی کارروائیوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کردینا چاہیئے۔ اس کے بعد ابراہیم کی حکومت اور امارت کے قول و قرار مستحکم کرلئے جاوینگے۔

بہرحال۔ تین روز کامل اسی صلاح و مشورہ میں گزر گئے۔ اور آخر آپس کی مشورت سے یہ طے پایا کہ مامون تو خلیفۂ مستقل سمجھا جاوے اور ابراہیم اُسکا ولیعہد سمجھا جاوے۔ اور باعتبار ولیعہدی کے فی الحال ابراہیم کی بیعت اختیار کرلی جاوے۔ مگر یہ رائے بھی اُس وقت مخالفت رائے کی وجہ سے قائم نہوسکی۔ پھر ایک ہفتہ تک یہ معاملہ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ اور تصفیہ کی کوئی صورت نہ نکلی آخر کار اس گڑبڑ میں پانچویں محرم ۲۰۲ھ ہجری کو بغداد میں پہلی تجویز کے مطابق مامون کی انتزاع سلطنت کا علے الاعلان اشتہار کردیا گیا۔ اور ابراہیم کی امارت تسلیم کرلی گئی۔ طبری کا قول ہے کہ اس مسئلہ میں مشورت ۲۷ ذی الحجہ سے شروع ہوئی۔ اور ۵ محرم کو ایک ہفتہ کے بعد تمام ہوئی۔ جیساکہ بیان کیا گیا۔ اب سنئے کہ ابراہیم کی تخت نشینی نے ملک میں اصلاح و رفاہ قائم کرنے کی جگہ کیسے کیسے فساد اور عام شورشیں پیدا کیں۔ وہ پوری تفصیل کے ساتھ ذیل میں قلمبند کی جاتی ہیں۔

مامون کے خلاف میں ابراہیم کی شورشیں

طبری کا بیان ہے کہ بغداد کے قصر شاہی میں تین روز تک ابراہیم کی بیعت ہوتی رہی۔ فوجی افسر تو ہمیشہ سے پیٹ کے بندے تھے۔ بیعت کے دوسرے دن سے ابراہیم کے پاس آکر اپنے مقررہ وظیفہ کے طالب ہوئے۔ خیریت تھی کہ خزانۂ عامرۂ سلطانی میں ابھی اتنی رقم باقی تھی کہ ابراہیم نے لشکر والوں کو ایک سہ ماہی تقسیم کر دی۔ اور فی کس ۲۲ درم تقسیم پائے بعد ازاں ابراہیم نے تمام قلمرو سے تحصیل خراج کا بند و بست کیا۔ یہ سامان دیکھکر حسن ابن سہل مامون کے امیر بغداد نے ایک فوج کے ساتھ ابراہیم کے مقابلہ کا قصد کیا۔ حسن اسوقت واسط میں مقیم تھا۔ اُس نے ہادی کے بیٹوں میں سے ایک کو بغداد میں اپنا نائب مقرر کیا۔ اور یوں ایک عباسی کو دوسرے عباسی کا مقابل بنا کر اُن میں باہم دگر مخالفت کی آگ اور تیز کر دی اور خود ابراہیم کے استیصال کی فکر میں مشغول ہوا۔

کیا مامون کو اس کی خبر نہیں ہوئی؟ ہاں ہوئی اور ضرور ہوئی۔ مگر ناعاقبت اندیش فضل نے اپنے بھائی حسن کی بدنامی۔ افشائے ناقابلیت اور اظہار نکمرامی کے خیال سے اسکو برابر چھپایا۔ مگر چونکہ مامون کو دوسرے ذریعوں سے اس واقعہ کی نسبت تھوڑا بہت ضرور معلوم تھا۔ اُس نے فضل سے خود ایک دن ان امور کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم کی تخت نشینی اور بیعت ستانی کے واقعات بالکل لغو اور زبانی حاشیہ ہیں۔ بات یہ ہے کہ ابراہیم ابن مہدی اہل بغداد کی مشورت سے وہاں کا امیر صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ وہ حسن کا شریک اور معین بنکر امور ملکی کو انجام دے۔ نہ کسی کا یہ مقدور نہ کسی کا یہ زور کہ فضل کی بات کو کاٹ دے۔ ذکر تھا ہو گیا۔ مامون کو فضل نے اپنے طور پر سمجھا لیا۔ اور سارا دفتر گاو خورد ہو گیا۔

بہر حال۔ اتنا اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ابراہیم اپنی فوج کے ساتھ واسط سے حسن کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ ابھی ابراہیم اُس کے مقابلہ کو بغداد سے روانہ ہوا تھا کہ خارجیوں کے ایک گروہ نے خروج کیا۔ مگر ابراہیم نے اُن کو بہت جلد درہم و برہم کر دیا۔ حسن نے ابراہیم کی حرکت معلوم کر کے حمید کو اُس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ مگر حمید کے ہمراہیوں نے میدان جنگ سے حسن کو لکھ بھیجا کہ حمید بالکل ابراہیم کی سازش میں ہے۔ اس خبر سے حسن کو سخت تشویش دامنگیر ہوئی۔ آخرکار اُس نے اصل واقعہ کو چھپا کر حمید کو صرف یہ لکھ بھیجا کہ بعض امور میں تمہارے مشورہ کی سخت ضرورت ہے تم فوراً مجھ سے آکر ملجاؤ۔ پھر بعد مشورت اپنے لشکر کو چلے جانا۔ مگر حمید کو اپنے ہمراہیوں کی ان

ریشہ دوانیوں کی خبر مل چکی تھی۔ اور وہ اپنی طلبی کے اصلی مقصود کو خوب جانتا تھا۔ اُس نے حسن کو صاف صاف لفظوں میں لکھدیا کہ میری جگہ میری فوج والے خود بالکلیہ ابراہیم کی طرف مائل ہیں۔ اگر میں اس وقت حاضری کا قصد کروں تو ان میں سے کوئی بھی شاہی فوج میں نہ رہیگا اور بالکل مطلق العنان ہو کر ابراہیم سے ملجائیگا۔

حسن کو حمید کی اس صفائی نے اور شبہہ میں ڈالدیا۔ اُسنے حمید کو جواب میں لکھ بھیجا کہ تم اپنی فوج والوں کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ کرو۔ فوراً میرے پاس چلے آؤ۔ یہ خط پاکر حمید مجبور ہو گیا۔ اور اپنی امارت کا عہدہ سعید ابن الاعور کو سپرد کر کے اور علی ابن حمید کو اپنا وارث اور وصی مقرر کر کے اپنی جان سے عین مایوسی کے عالم میں حسن کے پاس روانہ ہوا۔ سعید اور علی ابن حمید میں ٹھن چل گئی سعید نے اپنی فوج کے ساتھ علی کے ہمراہیوں پر حملہ کر دیا۔ اور حمید کے تمام مال و متاع کو غارت کیا۔ اُس کی کنیزوں تک کو لوٹ لیا۔ جو جس کے ہاتھ لگا وہ اُسی کا ہو رہا۔ آخر کار یہ لٹی ہوئی فوج حسن کے پاس واسط میں پہنچی۔ ادھر اپنی فوج کو لیکر سعید ابن الاعور ابراہیم کے پاس پہنچا۔ اور مال غنیمت کی ایک ایک کوڑی اُس کے پاس رکھدی۔ ابراہیم اس امر کو اپنے استحکام امارت کے لئے فال نیک سمجھا اور بہت خوش ہو کر وہ تمام مال و متاع اہل فوج پر تقسیم کر دیا۔ اور پھر اپنی فوج ہمراہی کے ساتھ مدائن پہنچا اور وہاں کا انتظام کر کے پھر واسط لوٹ آیا۔

حسن کو ابراہیم کی قوت اور اپنی فوج کی شامت کا حال معلوم ہوا تو اُس نے حمید کو کوفہ کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ اب سنئے کہ حمید کا کچھ خاص سرمایہ کوفہ میں تھا جب وہ کوفہ میں پہنچا تو اُس نے شہر کی حفاظت تو چھوڑ دی۔ ہاں اپنا مال و متاع لے دیکر چلدیا۔ ادھر ابراہیم نے ایک فوج سے واسط میں حسن کا مقابلہ کیا۔ اُدھر سعید اور عیسٰے کو کوفہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔

کوفہ میں اس وقت عباس ابن حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام اپنی امارت کے رنگ جما رہے تھے۔ جب ابراہیم کے فرستادہ لوگوں کی آمد انہیں معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنے چچازاد بھائی علی ابن محمد کو چند کوفیوں کے ہمراہ فوج ابراہیمی کے مقابلہ میں بھیجا۔ ابراہیم کی فوج نے ان لوگوں کو شکست پہنچائی۔ علی ابن محمد شکست پاکر بھائی کے پاس شہر کے اندر چلے آئے۔ عیسے نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کوفیوں نے جب عیسٰے کا یہ قصد دیکھا تو اپنی خاص فطرت اور قدیم طبیعت کے موافق عباس کے پاس آکر کہنے لگے کہ تم ہماری امارت اور حکومت سے دست بردار ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ کام علویوں سے نہیں چل سکتا۔ عباس غریب عجیب آفت میں مبتلا ہو گئے۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے عیسٰے کے پاس

آکر اپنی جان کی امان مانگی اور یہ شرط کی کہ دو روز میں شہر کوفہ خالی کر کے اُسکے حوالہ کر دیا جائیگا۔ عیسےٰ نے اسے قبول کر لیا۔ عباس تو اپنے ہمراہیوں کو لے وکر حسب الوعدہ کوفہ سے دوسرے دن چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد عیسےٰ نے نہایت اطمینان سے شہر کوفہ پر قبضہ کر لیا۔

ابراہیم کی اس کامیابی کی خبر حسن کو معلوم ہوئی تو اُس نے ایک کثیر التعداد فوج ابراہیم کے مقابلہ میں بھیجی۔ ابراہیم کو جب اسکی خبر پہنچی تو اُس نے عیسےٰ کو کوفہ سے بلا بھیجا اور حسن کی فرستادہ فوج سے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ حسن کے فرستادہ لشکر نے عیسےٰ کو پوری ہزیمت پہنچائی۔ اور اُسکا تمام مال و متاع لوٹ لیا۔ عیسےٰ پوری ہزیمت اُٹھا کر ابراہیم کے پاس چلا آیا۔

سہل ابن سلامہ کا خروج

ابھی اس طرف کے معاملات یہاں تک پہنچے تھے کہ ابراہیم کو معلوم ہوا کہ فرقۂ علماء میں سے ایک شخص نے نواحی بغداد میں خروج کیا ہے۔ جس کا نام سہل ابن سلامہ ہے۔ اور اسکا دعوےٰ ہے کہ میں امر معروف و نہی عن المنکر کے اصول کے مطابق کام کرونگا۔ عباسیوں کا وہ سخت مخالف ہے۔ ہمارے خون اور قتل و غارت کو بالکل حلال اور مباح سمجھتا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لوگ روزانہ اُس کے مطیع ہوتے جاتے ہیں۔ یہ سنکر ابراہیم کے حواس جاتے رہے۔ اُس نے عیسےٰ کو موجودہ لشکر کی ہمراہی میں فوراً بغداد کی ترتیب معاملات کے لئے روانہ کیا۔ عیسےٰ نے بغداد میں پہنچکر باب الشام اور باب الکوفہ دو مقاموں پر سہل ابن سلامہ کے ہمراہیوں کو شکست پہنچائی۔ سہل کو مقید کر کے ابراہیم کے پاس بھیجدیا۔ ابراہیم نے اُسے قتل تو نہیں کیا لیکن حبس دوام کی سزا تجویز کر کے محبس سلطانی کے حوالہ کر دیا۔ دیکھو طبری از صفحہ ۷۷۸ تا صفحہ ۷۸۱۔

بہر حال۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ دار الحکومت بغداد اور اُسکے مضافات میں حسن ابن سہل کے معاملات روز بروز ضعف پکڑتے جاتے تھے۔ اور اُسکے برعکس۔ ابراہیم کے امور میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ حسن کی امارت سے تمام بغداد والے بیزار تھے۔ اسکی تنگدلی اور چڑ چڑا پن اس کے تمام معاملات کو خراب کر رہی تھی۔ اُسپر فضل کی بیجا اور غیر مناسب خطا پوشی اور سخت نقصان پہنچا رہی تھی۔ مامون کو خبر نہ کرنا حسن کے حق میں پھولوں کی جگہ کانٹے بو رہا تھا۔ فضل کی یہ بہت بڑی سوء تدبیری تھی جو آگے چل کر اُسکی ہلاکت اور اُسکے تمام قبیلہ کی تباہی و بربادی کا باعث ثابت ہوئی۔

مگر حسن خود اپنی ناکامیوں سے گھبرا گیا اور ابراہیم کے مقابلہ سے اُسکا دل چھوٹ گیا۔ اور آخر ہر طرف سے مایوس ہوکر اُس نے مامون کی خاص خدمت میں اپنی طرف سے ایک پُر تفصیل اور نہایت طول وطویل عرضی لکھی جس میں بغداد کے تمام فساد مندرج کئے اور تمام وکمال واقعات لکھکر اور اپنے چند مخصوصین کے ہمراہ اُسے مامون کے پاس بھیجدیا۔

بہرحال۔ جب حسن کی یہ عرضی مامون نے پڑھی تو اُس کی آنکھیں برسوں کی خواب غفلت کے بعد دفعتاً کھل گئیں۔ اور اُسپر استعجاب واضطراب کا ایسا عالم طاری ہوگیا کہ وہ سناٹے میں آگیا۔ اور بقول طبری اُسنے حسن اور فضل کے معاملات پر غور کرکے سوائے کلمہ جزاکم اللہ خیرا کے اور کچھ نہ کہا۔ مگر حسن کی فرستادہ جماعت کو اپنی خلوت میں بلاکر خاص طور پر ہدایت کردی کہ وہ اپنی رسالت کے معاملات کو کسی سے بیان نہ کریں۔ کہ اس سے اُسکی کمال غفلت کا ثبوت ہوتا تھا۔ اور اُس نے اُسی وقت سے بغداد کی طرف روانگی کا مصمم قصد کرلیا۔ اور اس معاملہ میں فضل ابن سہل کی مشورت کیسی۔ اُس سے ذکر تک بھی نہ کیا۔

فضل کو اس کی خبر لگ گئی اور بادشاہ کے سفر کی اطلاع پاکر اور اپنی مشورت نہ لئے جانے کی وجہ سے وہ بالکل مشتبہ ہوگیا۔ اور اُسنے حقیقت حال معلوم ہونے کی زیادہ فکر کی۔ جب تمام وکمال معاملات اُسکو معلوم ہوگئے تو اُسنے حسن کی بزدلی۔ جلدبازی اور ناعاقبت بینی پر سخت افسوس کیا۔ اور اُسکو بھائی کی نادانی پر بہت غصہ آیا۔ طبری کا قول ہے کہ اس کے بعد اُس نے حسن کے اُن فرستادہ لوگوں کو اپنے پاس بلوایا۔ اور اُنکو ذلت وخواری کی آخری حدود تک پہنچادیا۔

بہرحال۔ اگر سچ پوچھو تو کامل سات برس کی خواب گراں سے اب مامون چونکا ہے۔ اور اب اُسکو اپنے وزیر السلطنت کے وثوق اور ضرورت سے اعتبار کئے جانے کے بڑے نتائج معلوم ہوئے ہیں۔ اس وقت تک وہ فضل کی حسن تدبیر پر اپنا تمام کاروبار ملکی چھوڑے بیٹھا تھا۔ اور اُس کی کارروائیوں سے کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب اُسکو فضل کی تمام خفیہ کارروائیاں معلوم ہوگئیں۔ اور وہ فضل کی طرف سے بھی ویسا ہی مشتبہ ہوگیا جیسا فضل اُسکی طرف سے۔ اُسکا سارا اعتبار مامون کے دل سے جاتا رہا اور اُسکی کوئی عظمت اور وقعت نگاہوں میں باقی نہیں رہی۔ مگر تاہم مامون نے اپنا خاموشانہ اصول نہ چھوڑا۔ اور اپنی کارروائیوں کی دھیمی چال میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ مگر ان امور کے فوری اظہار کو بھی کسی طرح قرین مصلحت نہ سمجھا۔ اور خاموش ہوگیا۔ اُسنے سوچ لیا کہ حسن ابن سہل اگر بغداد سے فوراً جدا کردیا جاتا ہے تو بغداد

کے رہے سہے معاملات اور بھی چوپٹ ہوئے جاتے ہیں۔ اور اگر فضل وزارت کے کام سے معزول کیا جاتا ہے تو دار الخلافت مرو کے تمام کاروبار ابتر ہو جاتے ہیں۔ غرض مامون ان دونوں ایسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

جب ان معاملات کی صورت یہانتک پہنچ گئی تو ابن اثیر۔ طبری اور روضۃ الصفا کے اسناد کے مطابق جناب امام موسیٰ رضا علیہ السّلام سے مامون نے ایک دن خاص طور پر مشورت لی تو آپ نے اپنی صادق کلامی اور انجلائے قلبی کی رعایت سے تمام پوست کندہ حال اُسے سنا دیا۔ چنانچہ ہمارے فاضل معاصر عالیجناب مولانا السید مظہر حسن صاحب قبلہ اپنے رسالہ لمعۃ الضیا میں تحریر فرماتے ہیں۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السّلام اور فضل کے حالات

جس نے حالات عراق کو مامون سے پوست کندہ بیان کیا وہ امام الانس والجن حضرت علی ابن موسیٰ الرّضا علیہما التحیۃ والثنا تھے۔ آپ نے اُس کو تنہا ابراہیم کی کیفیت سے آگاہ نہیں کیا۔ بلکہ ترغیب و تحریص کر کے اُسکو مرو کے چھوڑنے پر بھی آمادہ کیا۔ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ عیون الاخبار میں لکھتے ہیں کہ مامون رشید ایک روز اُس دروازے سے جو اُسکے محل سے دار الامارت میں لگا ہوا تھا داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک نامۂ طولانی تھا۔ جسے وہ پڑھتا جاتا تھا۔ جناب امام ہمام حضرت علی ابن موسیٰ الرّضا علیہما السّلام اُس کی تعظیم کو اُٹھنے لگے تو مامون نے قسمیں دیکر آپ کو بٹھلایا اور نزدیک پہنچکر آپ کی دیدہ بوسی کی اور اُس طومار کو پڑھنے لگا۔ پڑھتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ کابل کے نواح میں کچھ قریات فتح ہوئے تھے۔ سپہدار متعینہ نے اُسکا مفصل حال لکھ بھیجا تھا وہی نامہ اُس کے ہاتھ میں تھا۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ نہایت عبرت کا مقام ہے کہ امیر چند قریہ ہائے کفر کے فتح ہونے سے اس قدر خوش ہو رہا ہے۔ اور مسلمانوں کے خاص امور میں جو کوتاہی اور ابتری پھیل رہی ہے اُسکا اُسے ذرا خیال نہیں ہے۔ بس خدا سے ڈرو اور جو حقوق کہ امت محمدیہ صلوات اللہ علیہ کے تمہارے اوپر ہیں اُن کی بجا آوری میں غفلت نہ کرو۔ تم یہاں مرو میں آرام سے بیٹھے ہو۔ حالانکہ سکان مہبط وحی اور دو اہا لہجرۃ (مدینہ طیبہ زاد اللہ شرفا) اولاد مہاجر و انصار طرح طرح کی تکلیفوں میں گرفتار ہیں۔ وہ تمہارے حاکمان جور کے دست تعدی سے نالان ہیں۔ کوئی اُنکا پوچھنے والا نہیں ہے جس سے وہ دادرسی چاہیں۔ یہ سبب

درازی راہ کے نہ وہ یہاں تک پہنچ سکتے ہیں نہ تم اُن کی پوری خبرگیری کرسکتے ہو ماعلمت
یا امیران والی امرالمسلمین مثل العمود فی القسطاط من اراد اخذ ہ اے امیر تجھے
معلوم نہیں کہ والی امرالمسلمین کی مثال عمود خیمہ کی ہے۔ جو وسط خیمہ میں ہوتا ہے۔ اور جسکا ضرورت
ہوتی ہے وہ اُسے تھام لیتا ہے۔ تم ملک کے ایک گوشہ میں پڑے ہو۔ اور ملک سے محض بیخبر ہو
آپ کے کلام ہدایت التیام سن شنکر مامون نے نادم ہوکر کہا کہ بہت بہتر۔ اب میں غفلت نکرونگا
اور جیسی آپ کی رائے ہوگی ویسا ہی تعمیل کرونگا۔ سرمو آپ کی ہدایت سے تجاوز نہ کرونگا۔
ابن اثیر۔ طبری اور روضۃ الصفا کے اسناد کے مطابق اُسی وقت جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام
نے مامون سے یہ بھی کہدیا تھا کہ اہل بغداد نے تم کو خلافت سے خلع کرکے باقرار امارت وحکومت
ابراہیم کے ساتھ بیعت کرلی ہے۔ اور جس نے تم سے یہ بیان کیا ہے کہ ابراہیم وہاں کا امیر نہیں
مقرر کیا گیا بلکہ حسن کے ساتھ ملکر مہمات ملکی کے انصرام پر مامور ہوا ہے۔ اُس نے تمہیں بالکل
دھوکا دیا ہے۔ حسن کے ساتھ تو ابراہیم برابر جنگ پر جنگ کررہا ہے۔ موافقت کیسی اور
مساعدت کیسی۔ اور حقیقت امر یہ ہے کہ بغداد کے لوگ تو حسن کی امارت سے ناراض ہیں
اور بنی عباس میری ولایت سے بیزار۔ تاوقتیکہ دونوں علحدہ نہ کئے جاویں اور امیر بذات
خاص اُنکے اطمینان اور اصلاح کا انتظام نکرے نجات کی امید نہیں۔
اس واقعہ سے فضل ابن سہل حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کا پورا پورا مخالف ہوگیا جسکی
تفصیل اور تصدیق بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوتی ہے۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی اطلاع دہی پر رائے

ہمارے اکثر ابنائے زمانہ کو اس مقام پر شبہہ پیدا ہوسکتا ہے کہ خیر فضل کو تو حضرت امام
موسیٰ رضا علیہ السلام کے ساتھ مخالفت تھی۔ مگر آپ کے محاسن اخلاق کے کب یہ تقاضے
ہوسکتے ہیں کہ فضل ابن سہل کی شکایت اس طرح پردہ میں کیجائے اور اُس کے معائب کو
یوں طشت از بام اور بدنام کیا جاوے۔ اُن کی تسکین واطمینان کے لئے ہم عرض کرتے ہیں
کہ بےخبر کو خبردار کرنا یا غافل کو ہشیار کرنا محاسن اخلاق سے قلمزد کرکے آدمی کے معائب
اور مناقص میں شامل کیا جاوے تو البتہ یہ اعتراض صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ ایسی
حالت میں تعلیم۔ ہدایت۔ راست گفتاری۔ اعلان حق وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام فرائض مکارم
اور محاسن جو دینی اور دنیاوی دونوں طریقوں سے جائز اور ضروری سمجھے گئے ہیں محض بے ضرورت

اور بیکار ثابت ہوجائینگے۔
جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی اس ہدایت آمیز تقریر پر اگر غور کیا جاوے تو آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف سے آپ کی راست بیانی اور حسن تدبیر کی اعلیٰ مثال ثابت ہوتی ہے۔ ولیعہدی کا ظاہری اور عارضی تعلق تو آپکی ذات سے ہو ہی چکا تھا۔ اس سے قطع نظر کرکے آپ کی امامت کا خاص منصب بھی اس ہدایت کا ذمہ دار تھا۔ کیونکہ جن الفاظ سے خاصکر باشندگان مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرگزشت بیان کی گئی ہے وہ بتلا رہے ہیں کہ مامون کو اس وقت جو ہدایتیں فرمائی گئیں وہ نظام امت اور استحفاظ عباد کی ضرورتوں کو اچھی طرح بتلا رہی ہیں۔ مامون کی موجودہ غفلت ان لوگوں کے تمام مقاصد و مطالب کا خون کر رہی ہے۔ ان وجہوں سے اب اس معاملہ کو زیادہ تاخیر میں ڈالنا فضل ابن سہل کی طرح۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے پاک و صاف دامن پر بھی مختلف اقسام کے الزام لگاتا۔ اہل بغداد کی موجودہ شورش کی وجہ زیادہ تر بنی عباسیوں کی ناراضی بتلائی جاتی ہے۔ اور اُن کی ناراضی اور اختلاف کا باعث آپ کی ولیعہدی قرار دی جاتی ہے۔ اب ایسی حالت میں۔ اگر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام بھی ان امور کی کیفیت سے مامون کو مطلع نہ فرماتے تو خدانخواستہ آپ پر بھی خودغرضی کا الزام لگایا جاتا۔ اور دنیا کے غلط فہم اور سوء اندیش یہ سمجھنے لگتے کہ چونکہ یہ خرابیاں خاصکر آپ کی وجہوں سے تھیں اس لئے مامون کے ناراض اور خفا ہونے کی وجہ سے آپ نے ان امور کی اطلاع اُسے خاصکر نہیں کی۔ ایسا اعتراض عام اس سے کہ کیسا ہی ضعیف اور کمزور نہو لیکن ناواقف جاہل اور عام لوگوں کے نزدیک نہایت قوی اور وزنی سمجھا جاتا۔ اور عام طور سے یہی کہا جاتا کہ فضل نے اپنے بھائی حسن کی رسوائی اور ذلت کے خیال سے ان امور کو مامون کی خدمت میں عرض نہیں کیا۔ اُسی طرح حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے بھی ان معاملات کو اپنی بدنامی کا باعث سمجھکر امیر سے نہ کہا۔ حالانکہ معاہدہ ولایت کے متعلق آپنے مامون سے ایسے ضروری اوقات میں صلاح و شورلے دینے کا پورا وعدہ فرمالیا تھا۔
ان قرینوں سے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی یہ ہدایت نہایت ضروری اور لازمی تھی اور آپ کے فرائض منصبی میں داخل تھی۔
آپ نے انہیں امور کے استحفاظ اور استحکام کے خیال سے مامون کے سامنے اپنے بیان پر

چند مخصوصین اور معتمدین سلطنت کی شہادتیں بھی گذران دیں تاکہ یہ اخبار و اذکار آپ کی ذاتی تحریک اور اشتعال پر مبنی نہ ثابت ہوں۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

مامون گفت کہ فضل با من چنین گفتہ کہ ابراہیم باتفاق حسن ابن سہل و دیگران امارت دخل کردہ۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام فرمود کہ فضل با تو دروغ گفتہ وخیانت کردہ سخن اینست کہ من باتو گفتم۔ مامون پرسید کہ ہیچکس غیر از تو براین قضایا وقوف دارد۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام جواب داد کہ یحیی ابن معاذ عبد العزیز ابن عمران وحلت مصری وفلان وفلان از ثقات ومعتمدان تو براین وقائع اطلاع می دارند۔ مامون آن جماعت را در مقر طلبید اشتہ از ایشان استفسار واستکشاف احوال نمود ہمہ ہا متفق آن کلمہ گفتند کہ امام علیہ السلام آنچہ گفتہ مطابق واقع است۔ ودراین مدت از بیم فضل ابن سہل این سخناں کہ می شنیدیم بر زبان نمی توانستیم آوردن۔ ومامون این قوم را از پاس وسخط فضل ایمن گردانیدہ۔ ایشاں گفتند از مبدء حکومت حسن ابن سہل تا این زمان در عراق عرب فتنہ وشورش است۔ روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۱۹۴

اب تو مامون کو اپنے معتمدان خدمت اور ہوا خواہان دولت کی زبانی فضل کی تمام رام کہانی معلوم ہوگئی۔ جو باعتبار محاسن خدمات کے اعزاز میں فضل سے ہرگز کم نہیں تھے۔ ان کی تصدیق اور شہادت نے مامون کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھا دیئے اور اس کے دل سے فضل اور حسن دونوں بھائیوں کے اعتبار زائل کر دیئے۔ اور اب اسکو فضل کی خیانت اور حسن کی ناقابلیت کا پورا یقین ہوگیا۔

فضل کو تو ان امور میں پہلے ہی سے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی راست بیانی اور صدق گفتاری کی طاقت سے پورا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اب اس معاملہ کی خبر جیسے جیسے اسے ہوتی گئی اس کی مخالفت ویسے ویسے امام موسی رضا علیہ السلام کی طرف سے زیادہ ہوتی گئی جس کی پوری کیفیت ہم ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام سے فضل کی مخالفت

فضل کو جب ان واقعات کی خبر ہوئی اور اس کے ساتھ ہی مامون کے بغداد جانے کا عزم بالجزم بھی معلوم ہوا تو اس نے اپنے سابق رسوخ و اعتماد کے اعتبار پر اسکو ہر چند روکا مگر وہ نہ رکا اور

اپنے ارادہ کو کسی طرح فسخ نہ کر سکا۔

جب شاہی اسباب سفر توشک خانہ سے نکل کر بغداد کی طرف روانہ ہونے لگا تو فضل سے آخر رہا گیا۔ مامون کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ آپ کہاں تشریف لئے جا رہے ہیں۔ جہاں کا قصد ہے وہاں جانا ہرگز بمصلحتِ وقت نہیں ہے۔ مامون نے کہا فی الحال میری مصلحت تو اسی میں قرار پائی ہے۔ فضل نے کہا وقت موجودہ میں سفر عراق کا اختیار کرنا آئین ملک داری سے بہت بعید اور بالکل غیر مفید ہے۔ اوّل تو وہاں کے باشندے امین کے قتل کے وقت سے یوں ہی آپ کی طرف سے بالکل برگشتہ اور منحرف ہیں۔ اُسپر جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی اور آل عباس کی محرومی۔ اُنکی ناراضی اور انحراف کا زیادہ تر باعث ہوئی ہے۔ اُنکے قلوب آپ کی طرف سے متنفر ہو گئے ہیں۔ دل پھر گئے ہیں۔ نیتیں بدل گئی ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ ابھی چندے آپ دار الحکومت میں قیام رکھیں۔ اور اس عالمگیر فتنہ و فساد کے عین زمانہ میں اُس طرف کا رخ نہ کریں۔ ہاں جب وہاں کی بد نظمی اور پُر آشوبی میں سکون آ جاوے تو آپکو اختیار حاصل ہے۔ فضل اتنا کچھ بک گیا مگر مامون ذرا بھی شنوا نہوا۔ فضل یہ عالم دیکھکر خلوت شاہی سے باہر تو نکل آیا۔ مگر اُس کے دل سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی مخالفت کا خار نہ نکلا۔ اور اپنی بد ہمزن چالوں سے باز نہ آیا۔ دو تین دن کا وقفہ دیکر اُسنے حریفانہ کارروائی کو پھر آغاز کیا۔ اُسکی کیفیت یہ ہے کہ اُسنے مامون کی خلوت میں پہنچکر عرض کی کہ اگر آپ نے اس امر خاص میں میری تجویز سے اتفاق نہیں فرمایا تو ابھی بہت سے بہی خواہان دولت اور خیر خواہان سلطنت ایسے باقی ہیں جو ان امور کو پورے طور سے واقف ہیں۔ مناسب ہے کہ اُنسے بھی استصواب رائے اور استفسار حقیقت فرما کر اطمینان کامل کر لیا جاوے۔

مامون نے کہا بہتر۔ وہ کون لوگ ہیں۔ فضل نے کہا علی ابن عمران۔ ابن یونس۔ اور عیسیٰ جلودی یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے شروع ہی سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی سے قطعی انکار کیا تھا اور مامون نے اُسی وقت سے ان لوگوں کو قید خانہ کے حوالے کیا تھا مامون تو ان سے جلا بیٹھا ہی تھا۔ انکا نام مُنہ سے سُنتے ہی اور جل گیا۔ فضل کی حجت تسلیم کر لی اور ان لوگوں کو مجلس سلطانی سے بلوایا۔ اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی طلبی میں بھی اپنے خاص چوبدار کو بھیجدیا۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام بلا عذر فوراً تشریف لائے۔ اور آپ کے بعد یہ لوگ بھی آئے

مگر مامون نے سب سے پہلے علی ابن عمران کو حاضری کا حکم دیا۔ جب وہ تخت شاہی کے پاس آیا تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام کو مامون کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھکر آتش حسد میں جل گیا۔ اور سبقت کرکے کہنے لگا کہ اے امیر۔ میں خدا کی جناب میں تمہاری طرف سے پناہ لئے جاتا ہوں۔ یہ بات دیکھکر کہ خدائے واہب العطایا نے حکومت و بادشاہی کو تو تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے اور تم اُسے اپنے سلسلہ اور اپنے خانوادہ سے منتقل کرکے اپنے مخالفین اور دشمن کو دئے ڈالتے ہو۔ اس میں کسی کو شک اور شبہہ نہیں ہے کہ تمہارے بزرگان سلف ان لوگوں کو برابر قتل کرتے اور ہمیشہ ان کی جمعیت کو پراگندہ فرماتے چلے آئے ہیں۔ مامون نے اُسکے یہ کلام سنکر جواب دیا کہ اے پسر زانیہ اس قید زنجیر سے تیری عداوت کی گرہ ابتک کھلی نہیں ہے اور وہ ویسی ہی کی ویسی ہی ہے۔ یہ کہکر اُس نے جلاد کو حکم دیا کہ اسے فوراً قتل کر ڈالے حکم کی دیر تھی اُسکا سر فوراً گردن سے اُڑا دیا گیا۔

علی ابن عمران کے بعد ابن یونس لایا گیا۔ وہ شامت زدہ بھی اپنی موت اپنے ساتھ ہی لایا۔ اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو مامون کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھکر کہنے لگا۔ اے امیر یہ شخص جو تمہارے پاس بیٹھا ہے صنم یعبد من دون اللہ ایک بت ہے کہ لوگ خدا کو چھوڑ کر اسکی پرستش کرتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ خاک بدہانش باد۔ مامون کو اس کی تقریر پر پہلے سے بھی زیادہ غصہ آیا۔ اُس کو مخاطب کرکے کہا کہ اے حرامزادے۔ تیرا ابھی یہ حوصلہ ہوا کہ ایسا کلمہ زبان پر لایا۔ یہ کہکر جلاد کو حکم دیا اور اُسنے اُس کی بھی گردن قلم کی۔

ابن یونس کے بعد عیسی جلودی پیش ہوا۔ یہ شخص ہارون الرشید کے سر برآوردہ سپہ سالاران فوج سے تھا۔ برسوں اُس کی خدمت میں رہکر داد جاں نثاری دے چکا تھا۔ امام زادہ محمد ابن جعفر الصادق علیہ السلام نے مدینہ میں فوج کشی کی تو ان لوگوں نے ان کی مہم کے سر کرنے کے لئے اسکو انتخاب کیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ محمد کو پکڑ کر قتل کر ڈالنا۔ اور خانہ ہائے آل ابیطالب پر چڑھائی کرکے اس قدر تاراج کرنا کہ اُنکی عورتوں کے سر پر سوائے ایک چادر سا تر کے کوئی دوسری چیز باقی نہ رہے۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی امامت کا زمانہ تھا کہ عیسی جلودی نے محمد ابن جعفر الصادق علیہ السلام کو مغلوب کرکے اپنی فوج کے ہمراہ دار الامت کا قصد کیا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام اسکی خباثت دلی سے خوب واقف تھے۔ تمام مخدرات عظمے اوپر ہو گیاں عصمت اکا

ایک ایک کر کے لباس اُتارا اور سب کا زیور لیا اور اس ظالم کے حوالہ کیا جیسا کہ پہلے لکھا گیا۔ آج اُسی عیسیٰ کو قید خانہ سے نکالکر پھر آپ کے سامنے لائے۔ اور آپ کی نظر اُس شقی پر پڑی تو بفحوائے انك لعلی خلق عظیم۔ آپ نے مامون سے کان میں جھک کر کہا کہ اے امیر۔ اس مرد کہن سال کو بخشدو۔ مامون نے کہا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ظلم وستم جو اس کے ہاتھ سے اہلبیت رسالت علیہم السلام کو پہنچے کیا آپ کو یاد نہیں رہے۔ مگر اس پر بھی حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام اُس کے معافی قصور اور عفو جرائم پر برابر اصرار فرماتے رہے۔

جلودی نے آپ کو مامون سے سرگوشی کرتے ہوئے دیکھا تو اپنی شقاوت قلبی کے تقاضہ سے اپنے مظالم کو یاد کر کے گمان کیا کہ امام علیہ السلام مامون کو ضرور میرے قتل وخون پر ترغیب دے رہے ہیں۔ یہ خیال کر کے مامون سے کہنے لگا کہ اے امیر میں تم کو خدائے علی وعظیم کی قسم دیتا ہوں اور اپنی اُن خدمتوں کا واسطہ دیتا ہوں۔ جو میں تمہارے باپ کی دولتخواہی اور جاں نثاری میں بجالایا ہوں کہ تم میرے حق میں ان کی کوئی بات ہرگز نہ ماننا۔ مامون نے متبسم ہو کر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی طرف دیکھا اور کہا کہ اب تو یہ خود آپکی شفاعت سے استغفار کرتا ہے۔ اور مجھ کو قسم دیتا ہے کہ میں آپ کا کوئی کلام اس کے حق میں نہیں سنوں۔ اس لئے میں اسکی استدعا کو قبول کرتا ہوں اور اس کی قسم اور واسطہ کو صحیح اور درست ثابت کرتا ہوں۔ پھر جلودی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تیری استدعا منظور کر لی تیرے معاملہ میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کا کوئی قول قبول نہیں کرتا۔ پھر جلاد کو اشارہ کیا۔ اُس نے اشارہ پاتے ہی اُسکا بھی سر اُڑا دیا۔

یہ تھی اخلاق امام کی شان۔ اور یہ تھی اُن اشقیائے ازلی کی بدبختی اور کوتہ اندیشی کی داستان۔ بہرحال اس واقعہ سے فضل ابن سہل کی مخالفت کی حقیقت کھل گئی۔ اور فضل کو بھی مامون کے غیظ وغضب کا پورا اندازہ مل گیا۔ اور اپنی جانب سے مامون کے مشکوک اور مخالف ہونے کا بھی کامل یقین ہو گیا۔ ان تینوں قدیم بہی خواہان دولت کا جو ہمیشہ اُس کی رفاقت اور مجالس خدمت میں شریک رہا کرتے تھے خون ہوتے ہوئے دیکھکر اُسکی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ مگر وہ ہوشیار تھا اور بہت بڑا موقع شناس۔ اور مامون کے مزاج پر تو ایسا حاوی ہو گیا تھا کہ کوئی دوسرا اور نہیں تھا۔ اُس نے سمجھ لیا کہ اس وقت کسی قسم کی تعریض اُسکی جان پر عتاب سلطانی کی سخت بلا

بلا لائیگی۔ اس لئے وہ خموش ہو رہا۔ اور اپنی زبان سے ایک حرف نہ نکال سکا۔ وہ صحبت برخاست ہو گئی۔ اور فضل بھی رخصت ہو کر اپنے مکان کو واپس آیا۔

فضل ابن سہل کی دوسری مخالفانہ چال

اسی وقت سے اُسکو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے استیصال اور آپ کے معاملات کو درہم و برہم کرنے کے لئے ایسی بےچینی ہوئی کہ وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔ اپنی ان سوء تدبیروں کی وجہ سے سب سے پہلے جو تجویز آپ کے خلاف میں اُسنے سوچی وہ یہ تھی کہ مامون پر کسی نہ کسی طرح پر آپ کی خیانت اور بدخواہی ثابت کیجاوے۔ اس کے متعلق جس امر سے اُسنے ابتدا کی وہ ہشام جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے خادم کے ساتھ سازش تھی۔ اور اُسکا ملا لینا تھا۔ ہشام کون شخص تھا۔ اوسکو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت سے کیا تعلق تھا۔ اس کے خلاصہ حال یہ ہیں۔ اس شخص کا پورا نام ہشام ابن ابراہیم راشدی ہمدانی تھا۔ اپنے زمانہ کا بہت بڑا ادیب زبان دان اور حاضر جواب مشہور تھا۔ مدینۂ منورہ سے مرو میں تشریف لانے کے وقت یہ شخص خراسان سے آپ کے ہمراہ ہوا اور مرو تک برابر چلا آیا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اس کے محاسن لیاقت پر اعتبار کر کے آپ نے اُسکو اپنے ملازموں میں داخل کیا۔ اور اُس نے چند روز وں میں آپ کو اپنے محاسن خدمات سے راضی و خوشنود کر لیا۔ آپ کے اکثر مہمات اسی کے ہاتھوں سے انجام پاتے تھے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس پر دنیا نے غلبہ کیا اور حرص دولت اور طمع زر و مال نے اسکے تمام محاسن کو معائب سے تبدیل کر دیا۔ اور اُسنے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ترک خدمت کر کے فضل ابن سہل ذو الریاستین کی نیابت اختیار کر لی۔ اور پھر فضل کی ذریعہ سے مامون کے بیٹے عباس کا اتالیق مقرر ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ پھر تو معاملات شاہی میں اتنا دخیل ہوا کہ ہشام ہمدانی سے ہشام عباسی مشہور ہو گیا۔

اب فضل کی مخالفت کے موجودہ زمانہ میں وہ فضل کی طرف سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات کا مخبر اور جاسوس مقرر ہوا۔ اور آپکی دولتسرا پر فضل کی طرف سے چوبدار مقرر ہوا جس سے فضل کی دلی مراد یہی تھی کہ وہ آپ کی صحبت کے روزانہ حالات فضل ابن سہل کو پہنچایا کرے۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام بھی اُسکی ان تدبیروں کو بخوبی سمجھ گئے تھے اور اپنے جملہ امور میں نہایت حزم و احتیاط سے کام لینے لگے۔ آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی کہ آپ اپنا ایک ایک کلمہ

خیال کرتے تھے کہ ایسا نہو کہ میرے منہ سے کوئی خلاف کلمہ نکلے اور وہ فضل اور مامون کے کانوں تک پہنچا دے۔ ہشام ہر وقت دروازہ پر حاضر رہکر جسکو چاہتا تھا اندر آنے دیتا تھا اور جس کو نہیں چاہتا تھا اُسے اندر نہیں آنے دیتا تھا۔ چنانچہ اسکی روک ٹوک سے بہت سے آپ کے ہوا خواہ آپ کی خدمت بابرکت تک پہنچنے سے مجبور رہجاتے تھے۔ ہشام کے اغوا کر بہتوں کے دلوں میں فرق آگیا اور فضل کی دشمنی اور مخالفت میں روز بروز ترقی ہوتی گئی اور خود جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام یہ حالات اور معاملات دیکھکر ہمیشہ محزون و ملول رہا کرتے تھے۔ آپ کے خادم یاسر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہیں ایام میں ایک روز نماز جمعہ کے بعد جب آپ دولت خانہ پر تشریف لائے تو کثرت غبار اور حرارت ہوا سے تمام پسینہ میں غرق ہو رہے تھے۔ اسی شدت غم و الم میں دست مبارک آسمان کی طرف اُٹھا کر عرض کی اللّٰھم ان کان فرجی مما انا فیہ بالموت فعجل لی الساعۃ۔ پروردگار میں جس غم و مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اگر اُس سے مرجانے کے بعد ہی میرے لئے فرصت اور فراغت ہونیوالی ہے تو جلدی میری موت کو مجھ پر مسلط فرما۔" یاسر کا بیان ہے کہ اسکے بعد ہمیشہ ملول و محزون نظر آتے تھے۔ تا اینکہ رحمت خدا کی طرف انتقال فرمایا۔

یہ خاصان خدا کے کلیجے ہیں۔ اور برگزیدگان الٰہی کے حوصلے۔ جو اپنی مصیبتوں کے وقت میں اپنے مخالفین کے انتقام و معاوضہ کی بد دعاؤں کے بدلے اپنی موت کے آپ خواہاں و طلبگار ہوتے ہیں۔ اور اپنے پروردگار سے اپنی نجات کی دعائیں مانگتے ہیں۔ ممکن تھا کہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام اُس وقت جیسا کہ قرائن بتلا رہے ہیں فضل کی مخالفت اور مخاصمت کی معاوضہ میں خدا تعالےٰ سے جو دعا مانگتے وہ خواہان انتقام ہوتے۔ مگر نہیں۔ ان خاصان الٰہی اور علمائے خاندان حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق ایسے ہی وسیع ہوتے ہیں جو ان اوقات میں اپنے مخالفین اور معاندین کے ساتھ مراحم و مکارم کو برابر قائم اور برقرار رکھتے ہیں۔

بہرحال۔ جب ہشام فضل کی پوری سازش میں آگیا تو اُس نے اُس کی مشورت اور مصلحت سے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ترغیب و تحریص کی ایک نئی ترکیب نکالی۔ مگر اس غول بیابانی نے پہلے ہی سمجھ نہ لیا کہ یہ اغوائے شیطانی اُس خضر ربانی کے روحانی اوصاف پر کیا اثر پیدا کر سکیں گے۔

القصہ ایک روز فضل ہشام کے ساتھ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے عرض کرنے لگا کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں اسوقت پوشیدہ طور پر آپ کے پاس آیا ہوں۔ میری حاضری کی غرض اسی قدر ہے کہ آپ سے کلمۂ حق کا اظہار کریں۔ کیونکہ فرزندان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سلطنت اور فرمانروائی آپ ہی کا حق ہے۔ اس میں ہمارا دل اور ہماری زبان باہم متفق ہیں۔ اور آپکے سامنے بقسم شرعیہ اقرار کرتے ہیں کہ اگر ہم اپنے موجودہ معاہد پر قائم نہ رہیں تو ہمارے تمام غلام آزاد اور کنیزیں حلال ہوجائیں۔ اور ہماری ازواج ہم پر مطلق حرام ہوجائیں۔ اور ہمیں پیادہ پا حج ہم پر واجب اور جائز ہوجائیں۔ ہم نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ مامون کو قتل کر کے آپ کو بلا شرکت غیرے اپنا خلیفہ اور اپنا امیر تسلیم کریں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے فضل اور ہشام دونوں کو نہایت عتاب آمیز آواز سے ڈانٹا اور ارشاد فرمایا کہ تم سب کفران نعمت کرتے ہو۔ ان امور میں میں کبھی تمہاری شرکت نہیں کرونگا۔ اور نہ تم کو ان باتوں سے کبھی برکت نصیب ہوگی۔ کیونکہ نمکحرامی اور محسن کشی سے بڑھکر دنیا و عقبےٰ میں کوئی دوسرا خوار اور ذلیل فعل نہیں ہے اگر میں اس مشورے میں تمہارا ساتھ دوں تو میرا بھی وہ حال ہوگا جو تمہارا۔

فضل نے آپ کے غیظ و غضب کی یہ کیفیت دیکھی تو اُسے سخت ندامت ہوئی۔ تو اس نے اپنی مصنوعی برأت اور ظاہری صفائی کے اظہار سے کہا کہ نہیں۔ میں تو آپ کو صرف آزمانا تھا۔ اسکے سوا ہماری کوئی غرض نہیں تھی۔ یہ بیانات صرف زبان سے علاقہ رکھتے تھے۔ قلب سے انکو کوئی واسطہ نہیں تھا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے پھر برہم ہوکر فرمایا کہ تم یہ بھی سراسر جھوٹ کہتے ہو۔ جو پہلے کہا وہ تمہارا دلی مقصود تھا۔ مگر جب اس وقت میرے اختلاف کو دیکھکر تمہیں کوئی راہ نہیں ملی تو تم اپنی برأت کے لئے اب یہ جھوٹ بات بنائی۔

الغرض فضل نے آپ کی خدمت میں اس امر پر زیادہ اصرار کو محض بیفائدہ اور بیکار سمجھا۔ اور آپکی خدمت بابرکت سے فوراً واپس آیا۔ مگر چور کا دل ہی کتنا۔ افشائے حال ہونیکا خیال اس کے دل میں لگا ہوا تھا۔ قلب میں پنکھے لگے تھے۔ اور قدم قدم پر جان جانے اور دم نکل جانے کا خوف لگا ہوا تھا۔ آخر کار اُسنے سوچا کہ قبل اس کے کہ مامون رشید کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام سے اس واقعہ کی خبر ملے مصلحت اسی میں ہے کہ ہم خلیفہ کی خدمت میں جاکر اس واقعہ کی صورت بدل کر پوری کیفیت عرض خدمت کردیں۔ بہر حال۔ یہ سوچکر فضل مامون کے پاس آیا۔ اور جناب امام

موسیٰ رضا علیہ السلام کے بہت سے اوصاف و محامد عرض کر کے کہنے لگا کہ میں اس وقت اُن کی خدمت میں خاص طور پر آزمائش کے لئے گیا تھا۔ مجھ سے اور اُن سے ایسی ایسی گفتگو آئی۔ مامون نے اُس کے بیان پر کوئی توجہ نہیں کی۔ مگر صرف فضل کی دلشکنی کے خیال سے اُسکی تحسین و آفرین کر کے اُسکو فوراً واپس کر دیا۔

یہ تھا فضل کی مخالفانہ تدبیروں کا آخری نمونہ۔ اور یہ تھا اُسکی مجنونانہ کوششوں کا آخری دقیقہ۔ فضل کی یہ تدبیر کس اصول پر مبنی تھی۔ اُسکو ہم بتلائے دیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ فضل کی ایچ پیچ کی فکریں۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو بغاوت کی الزام میں گرفتار کرنے کی کوشش میں تھیں۔ اگر اس کو چھوڑ کر اور ترکیبیں کرتا تو شاید امام علیہ السلام کی طرف سے مامون اُنہیں قبول بھی کر لیتا۔ مگر فضل اسی ترکیب کو عمل میں لایا۔ اُسکی یہ وجہ تھی کہ وہ عرصۂ دراز سے مامون کا جیسا کچھ مزاجدان ہو رہا تھا مشکل سے کوئی دوسرا اُسکا مقابل یا مماثل بتلایا جا سکتا تھا۔ اس لئے وہ آپ کی خلاف ورزی اور مخاصمت کو خاصکر اس صورت میں ظاہر کرنا چاہتا تھا جو بادشاہ کے اندازِ مزاج اور خواہش طبع کے بالکل خلاف اور ناگوار ثابت ہو۔ تو اس غرض خاص میں مخالفت سادات اور اُنکی عام شورش۔ جو اُسکی حکومت کی اصلی خرابیوں کی باعث تھیں اور جن کے دفع کرنے اور قابو میں لانے کی غرض سے مجبور ہو کر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو ظاہری طور پر اپنا ولیعہد بنایا تھا۔ یا کوئی واقعہ یا معاملہ مامون کی ناراضی اور عتاب کا باعث نہیں ہو گا۔ اسی وجہ سے اُس نے خاصکر جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو انہیں الزامات میں گرفتار اور آلودہ کرنا چاہا۔ جس میں عام طور سے تمام سادات مجرم ہو چکے تھے۔ اُسکی کوتاہ نظری۔ دولت و ثروت اور تخت و سلطنت کی حرص کے اعتبار سے اُس کو یقین دلاتی تھی۔ کہ اُسکی تدبیر کو جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام بسہولیت تمام قبول و منظور بھی فرمالیں گے۔ مگر اُس عقل کے اندھے کو یہ سوجھا کہ ابھی سال بھر پہلے کیا ہو چکا ہے۔ ہم کیا۔ جب مامون خود اپنے ہاتھوں سے اس سلطنت کو آپ کے لئے تفویض کرتا تھا۔ اور آپ انکار پر انکار کئے جاتے تھے۔ اور کسی طرح اُسکی استدعا کو قبول نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی رد و کد میں تین روز کامل گزر گئے۔ اور فیما بین کوئی امر طے نہیں ہوا۔ تو اُس (فضل) نے آخرکار مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھکو ان دنوں کے ایسی اور کسی زمانہ میں دنیاوی حکومت اور سلطنت ایسی ذلیل و خوار نہیں معلوم ہوتی تھی جیسی کہ آجکل۔ آپ تو جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو اپنی سلطنت

دے رہے ہیں اور وہ اصرار پر اصرار کر رہے ہیں۔ اور وہ اسے کسی طرح قبول نہیں کرتے۔ اور انکار پر انکار کرتے ہیں۔ خود غرضی اور نفسانیت انسان کو بے بصیرت کر دیتی ہے۔ اور اُسکے قوائے ادراک کو بالکل ضعیف کر دیتی ہے۔ جب فضل کے ایسا دانشمند زمانہ اور مدبر جو اتنی بڑی مملکت کا مدار المہام تھا اپنے معاملات میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے استغنا۔ صداقت اور قناعت کو اس درجہ تک برأی العین مشاہدہ کر چکا ہو تو پھر آپ سے ایسی صریح خلاف ورزی۔ بدعہدی اور بغاوت کی امید رکھنا اُسکی دانشمندی اور اصابت رائے کے شایاں نہیں کہا جا سکتا۔ ہم جہاں تک خیال کرتے ہیں۔ ہمکو اپنی موجودہ بحث میں اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ کیونکہ اس موقع سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ فضل کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ کیسی سخت عداوت اور مخالفت تھی۔

فضل کی مامون سے کشیدگی

بہر حال۔ تھوڑے دنوں کے بعد مامون کو فضل کی اس چال کی بھی خبر ہو گئی جو فیما بین اور کشیدگی کا باعث ہوئی۔ آخر کار اُس نے فضل ابن سہل کے استیصال کو ہر طرح سے تسلط و تصرف اور اُنکی ترتیب و تنظیم کے لئے مناسب اور عین مصلحت سمجھا۔ اور اُسکی آیندہ مشورت پر کوئی توجہ نہیں کی فضل نے سفر عراق سے ہر چند منع کیا مگر مامون نے ایک نہ مانی۔ آخر کار مامون سے رنجش اور کاوش اسقدر بڑھی کہ فضل برخاستہ خاطر ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہا۔ مامون نے مگر اُسکو اپنے ہمراہ سفر میں لیجانے اور راستہ ہی میں اُس کے استیصال کی تدبیروں کو عمل میں لانے کی مصلحت مضبوطی سے اپنے دل میں قائم کر لی۔ کیونکہ اُس نے سوچ لیا کہ سفر کی حالت میں اُسکا مارا جانا عام شورش۔ غدر اور فساد کا ذرا بھی باعث نہ ہو گا۔ ان تجویزوں کو نہایت راز داری اور حزم و احتیاط سے اپنے ہی تک محدود رکھکر اس نے ایک دن اپنا ایک خاص ملازم فضل کی طلبی میں روانہ کیا۔ فضل نے بھی شاہی ملازم کو واپس دینا مناسب نہ سمجھا اور بلا عذر اُس کے ساتھ ہو لیا۔ جب مامون نے اُس کو آتا دیکھا تو باشفاق و اخلاق قدیمانہ اُسے اپنے پاس بٹھایا۔ اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اُس سے پوچھنے لگا کہ تمہاری خانہ نشینی اور ترک منصب کی کیا وجہ ہے۔

فضل نے کہا کہ اے امیر۔ میں آپ کے عزیز و اقارب اور جملہ خاندان شاہی کے نزدیک بہت بڑا گنہگار اور قصوروار ثابت ہوا ہوں۔ وہ لوگ امین کے قتل اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا بانی مبانی اور اصل الاصول مجھی کو جانتے ہیں۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ

میری طرف سے آپ کے دل کو نہ پھیردیں۔ جس کی وجہ سے میری جان ومال پر زوال آئے۔ اس لئے صلاح دولتخواہی اسی میں ہے کہ مجھے یہیں چھوڑ دیا جاوے کہ میں بکمال خلوص و دیانت یہاں کے معاملات ملکی انجام دیا کروں۔

مامون رشید نے جواب دیا۔ یہ صلاح دولتخواہی نہیں ہے بلکہ بدخواہی میں داخل ہے۔ میرے ساتھ تمہارا چلنا نہایت ضروری اور تمہیں چلنا ہوگا۔ کیونکہ جہانتک کہ میں خیال کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ میرا کوئی کام بغیر تمہارے پورا نہیں ہوگا۔ تمہارا یہ عذر کہ میرے برہمزن عزیز واقارب تمہاری طرف سے غمازی کرینگے۔ تمہاری شکایت سے میرے کان بھرینگے تو میں تمہیں یقین دلائے دیتا ہوں کہ میری خدمت میں کبھی کسی کی اتنی مجال اور اتنا مقدور نہوگا میں کسی کا کوئی کلام تمہارے خلاف کبھی نہ سنونگا۔ اور مجھ کو اس دم تک یقین واثق ہے کہ تم میرے سچے خیرخواہ ہو۔ اگر تمہیں میری باتوں کا یقین نہو تو اپنے رفع خلجان اور حصول مزید اطمینان کے لئے میری طرف سے اپنے لئے ایک امان نامہ لکھ لو اور اُس پر میری مہر و دستخط کرالو۔ اور عمائد و اراکین دولت کی شہادت لیلو۔

یہ سنکر فضل کو سوائے ایجاب کے کوئی دوسرا جواب نہ سوجھا۔ اُس نے فوراً ایک نہایت طول وطویل اور پُرتفصیل امان نامہ اپنے لئے مامون کی جانب سے تیار کیا اور اُسپر تمام عمائد وکبائر سلطنت کے مہرو دستخط کرائے۔ اس کے بعد مامون کے پاس دستخط کے لئے لیگیا۔ مامون نے بھی حسب الوعدہ بلا عذر اُسپر اپنے دستخط کردئے۔

جب مامون کے دستخط بھی ہوچکے تو فضل ابن سہل نے عرض کی کہ اس امان نامہ پر جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے بھی باضابطہ دستخط ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہ ولیعہد سلطنت ہیں۔

مامون نے کہا یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے اُن سے عہد کرلیا ہے کہ ہم اُن کو کسی ملکی امور میں مجبور نہ کرینگے۔ پس اس امر خاص میں تو اُن سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ ہاں تم بطور خود اُنکی خدمت میں عرض کرنا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تیری استدعا کو واپس نہ فرمائیں گے۔

الغرض فضل وہاں سے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ امان نامہ دکھلایا اور کہا کہ خلیفۂ عصر نے میری امان اور حفاظت جان کے لئے یہ وثیقہ لکھدیا ہے اور تمام اکابر وعمائد سلطنت نے اسپر اپنی گواہیاں ثبت کردی ہیں۔ التماس ہے کہ حضور بھی اپنی شہادت تحریر فرمادیں۔ حضرت نے وہ کاغذ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اُس کو شروع سے لیکر

آخر تک پڑھا اور اُسپر اپنے دست مبارک سے صرف یہ عبارت لکھدی یا فضل علینا ھذا اما اتقیت اللہ عزّ وجلّ۔ اے فضل جب تک تم تقوئے اور پرہیزگاری جناب باری عزّ اسمہ پر قائم اور مستحکم رہوگے تمہارے ساتھ میرا بھی یہی عہد قائم رہیگا۔
امام کی جامعیت اور قابلیت کی یہ شان ہوتی ہے کہ صرف ایک مختصر لیکن جامع اور مانع کلمہ نے اُسکی تمام بیش بندیوں کو ناقص کردیا۔ امام رضا علیہ السلام کے دستخط کرائے جانے کی ضرورت اُس کے مافی الضمیر کو پورے طور سے بتلائے دیتی ہے فضل کی حالت اسوقت چاروں طرف سے مشکوک اور مشتبہ ہو رہی تھی۔ اُسکے دیدۂ بصیرت اعمے اور گوش حقیقت ناشنوا تھے۔ جیسا وہ مامون کی طرف سے بدظن تھا۔ ویسا ہی جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی جانب سے بے اعتبار۔ غرضکہ اُس وقت اُسکو کسی کا اعتبار نہیں تھا فضل کی شیعیت پر ایمان لانیوالے حضرات اسی واقعہ کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھکر اپنی غلط فہمی کی اصلاح کرلیں۔

مامون کی مرو سے روانگی۔ مقام سرخس میں قیام اور فضل کا خفیہ قتل

چند روز کے بعد۔ مامون۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام اور فضل کو ہمراہ لیکر بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ اس سفر میں باقاعدہ فوج شاہی کے علاوہ صرف شاگرد پیشہ جماعت کی چار ہزار تعداد بتلائی جاتی ہے۔ پہلی منزل سرخس تھی۔ یہاں قیام ہوا اور بحکم فاذا جاء اجلہم لا یستقدمون فی الساعۃ ولا یستاخرون۔ فضل کی موت کا پیام آگیا۔ اور اُسکی دنیاوی زندگی اور اُس کے متعلق تمام عیش و عشرت کا زمانہ بھی تمام ہوگیا۔ اسکی کیفیت یہ ہے۔
یاسر ناقل ہے کہ سرخس کے قیام کے زمانہ میں حسن کا خط فضل کے نام آیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے نجوم کے قاعدے سے تمہارے زائچہ تقدیر کو جانچا تو معلوم ہوا کہ اس چہارشنبہ کے دن اس مہینہ میں تجھ پر آگ اور لوہے کی گرمی پہنچائی جائے گی میں نے یہ خیال کرکے کہ شاید یہ معاملات تمہاری جسمانی اور جانی مضرتوں کا باعث ہوں۔ اس کے دفعیہ اور تدارک کی یہ صورت نکالی ہے کہ تم اُس روز جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ حمام میں داخل ہو اور فصد لیکر جو خون اُس سے نکلے اُسے اپنے بدن پر مل لو۔
فضل نے یہ خط پڑھا اور اُس کے مضامین سے آگاہ ہوا تو چونکہ وہ بھی علوم نجوم میں پورا عبور اور وثوق رکھتا تھا اس لئے بھائی کی تجویز اور تدبیر سے پورا اتفاق کرکے مامون کو لکھا کہ

سرخس جہاں آجکل دائرہ دولت سلطانیہ کا نزول اجلال ہے۔ ایک ایسا مقام ہے جو ایام قدیم سے اپنے حمام کے لئے مشہور و معروف ہے۔ اس ادا و تمندکا ارادہ واثق اور عزم بالجزم ہے کہ کل اس مقام کے مشہور حمام کی سیر فرمائی جائے۔ اور مزید لطف و کرامت کے لئے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام بھی ساتھ لے لئے جاویں۔

ہم اپنے ناظرین کو اس مقام پر ایک خاص امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حسن ابن سہل نے اپنی غایت ہمدردی سے بھائی کے زائچہ تقدیر کا مطالعہ کیا تھا اور نہایت دلسوزی سے اسکی نحوست کے حالات کو مشاہدہ کرکے اس کے دفعیہ کی تدبیر نکالی تھی۔ پھر اس میں جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی شرکت کی کیا ضرورت تھی۔ اس کی ترکیب کے خاص دفعیہ میں آپ کا خاص نام تو لکھا نہیں تھا۔ مگر حسن نے ہمارے خیال میں دو وجہوں سے آپ کی شرکت کو ضروری سمجھا تھا۔ ایک تو یہ کہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے موجود رہنے سے بحکم آیۂ کریمہ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ[۱] فضل کے سر سے یہ آنیوالی بلا ٹل جاوے اور اسکے طالع کی نحوست۔ شامت۔ اسکی صحت و عافیت سے مبدل ہو جاوے۔ مگر اس کا یہ خیال بھی کسی خالص عقیدت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اسی اضطرار و انتشار کے شدید تقاضوں کی وجہ سے جو عموماً ایسے وقتوں میں انسان پر طاری ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ عموماً تھوڑی دیر کے لئے اپنی خواب غفلت سے چونک کر عقیدتمندی اور حق پسندی کی راہوں پر آجاتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ بھی کہ حسن نے یہ سوچ لیا تھا کہ اگر یہ بلا فضل کے لئے مقدر ہو چکی ہے تو اسکے ساتھ ممکن ہے کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام بھی مبتلا ہو جائیں۔ اور میرے بھائی کے ساتھ آپکی جان عزیز بھی تلف ہو جاوے۔

اب سنیئے۔ فضل نے یہاں مامون کو بھی اپنے ساتھ سمیٹا اور سوچا کہ مریں تو سب کے سب ساتھ ہی مریں۔ اور کوئی بھی اپنے موجودہ اقتدار و آثار پر قائم اور برقرار نہ رہے۔ نہ میری وزارت ہی باقی رہے۔ نہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولایت اور نہ مامون کی شاہی حکومت پھر

ع ۔ بعد از سر ما کن فیکون شد شدہ باشد۔ ایک حسن باقی رہجائیگا۔ وہ اپنے حصول مقاصد اور حفظ مراتب کے ذرائع آپ ڈھونڈ لیگا۔ خلق خدا تنگ نیست پاے مرا لنگ نیست۔ مگر افسوس۔ فضل کو سوچنے ہی تک کا اختیار تھا۔ کرنے نہ کرنے کا اختیار کسی دوسرے کے قبضہ

---

[۱] ترجمہ ۔ جن کے بیچ میں تم ہوگے وہ معذب نہ ہونگے ۱۲

قدرت میں تھا۔ پھر جیسا اُسنے چاہا ویسا ہی ہوا۔ واللہ لا یفعل ما یشآء فعّال لما یرید۔
بہرحال۔ اپنی اس خود غلطی اور سوء فہمی کو عین صلاح سمجھ کر فضل ابن سہل نے مامون کی خدمت میں نہایت خلوص و عقیدت سے یہ پیغام بھیجا جو اوپر لکھا گیا ہے۔ مامون نے فضل کے اس نامہ کو رکھ لیا اور کوئی فوری جواب نہیں دیا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ وہ فضل کی فکر میں اسقدر غلطاں و پیچاں ہو رہا تھا کہ سوائے اسکے اور کوئی دوسرا خیال اسکے پاس نہیں آتا تھا۔ اسکو فضل کی اس یکایک دعوت اور حمام کی صحبت سے کچھ شک ضرور ہوا۔ مگر اُسنے اس امر کا تصفیہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ اور یہ قصد کیا کہ اگر آپ حمام میں تشریف لیجانا قبول فرمائیں گے تو میں بھی منظور کر لونگا۔ اور اگر آپ نہ جائینگے تو میں بھی نہ جاؤنگا۔ یہ تجویز کر کے مامون نے فضل کا وہ رقعہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور کہلا بھیجا کہ فضل کی استدعا کے مطابق کل آپ بھی میرے ہمراہ حمام میں تشریف لے چلیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے وہ رقعہ ملاحظہ کر کے زبانی ارشاد فرمایا کہ میں حمام میں کل نہ جاؤنگا۔ مامون نے آپ کی اس زبانی تقریر کو اپنے اطمینان کے قابل نہ سمجھا۔ اور آپ کے پاس پھر باصرار مزید کہلا بھیجا تو آپ نے ابکی بار اُسکو لکھ بھیجا کہ میں تو حمام میں کل کسی طرح نہیں جا سکتا۔ بلکہ قرین مصلحت یہ ہے کہ تم اور فضل دونوں کل حمام میں جانے کے قصد کو ملتوی کر دو۔ کیونکہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات خواب میں یہ ارشاد کرتے دیکھا ہے کہ یا علی لا تدخل فی الحمّام غدا اے علی رضا علیہ السلام کل تم حمام میں نہ جائیو۔ مامون نے آپ کا رقعہ دیکھا تو اُسکو اب شک کی جگہ یقین کامل ہو گیا۔ اُسنے فوراً آپ کو جواب میں لکھ بھیجا صدّقت یا سیّدی و صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اور آپ کے جد بزرگوار حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت درست فرمایا ہے۔ اس کے بعد۔ مامون نے عزم بالجزم کر لیا کہ فضل کو اختیار ہے۔ چاہے جائے یا نہ جائے۔ مگر میں تو کبھی نہ جاؤنگا۔

بہرحال۔ اب فضل کے معاملات ہیں اور مامون۔ یہ تو پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ فضل کو انہیں خیالوں کے ساتھ وہ یہاں تک لایا تھا اور ہر وقت اس کے استیصال کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا۔ اتفاق سے یہ بہت اچھا موقع اُس کے ہاتھ لگ گیا۔ اور اُس نے سوچا کہ حسن کے لکھنے سے اُسے اپنی موت کا یقین تو کسی قدر ہو چکا ہے۔ اور اپنی نجات کی تجویز و تدبیر بھی معلوم ہو چکی ہے

اب اُس کے ساتھ اس قسم کی کارروائیوں کے عمل میں لانے کا خاص وقت آگیا ہے۔ اور ایسا اچھا کہ اسکی وجہ سے ہمارے اشارے اور ہماری تحریک کا خیال بھی کسی کو نہو گا۔
تاریخ طبری کا بیان ہے کہ مامون نے فضل کے قتل کے متعلق چار آدمیوں کو پورے طور پر آمادہ کرلیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنکو وہ تمام لوگوں سے زیادہ شقی القلب۔ بیرحم اور بیدرد جانتا تھا۔ وہ چار آدمی جن کو مامون نے فضل کے قتل پر مستعد کیا تھا۔ وہ یہ تھے۔ غالب ابن الاسود مولائے مامون۔ فرخ ابن الدیلی۔ موفق السکری۔ ان چاروں آدمیوں کو پورے طور سے اپنی سازش میں لاکر فضل کے قتل کرنے کی ترکیب اُنکو یوں بتلائی تھی کہ کل جس وقت فضل حمام میں جاوے۔ تم ایک بار حمام میں گھسکر اُسے قتل کرڈالنا۔ اور فوراً شہر سے اتنی دور بھاگ جانا کہ میں تمہیں گرفتار نہ کرسکوں۔ طبری صفحہ ۵۸۱۔
ان میں سے غالب ابن الاسود فضل کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اور رشتہ میں اُسکا ماموں ہوتا تھا صاحب روضۃ الصفا نے اُس کے بھانجے علی ابن سعید کو بھی اُس کے خون میں شریک بتلایا ہے۔ جو اسوقت دربار مامون میں بہت بڑا اعزاز رکھتا تھا اور ذوالقلمین کے لقب سے مشہور تھا۔ قرائن بتلا رہے ہیں کہ فضل کے معاملات میں مامون نے اسکے گھر والوں سے بھی سازش کرلی تھی۔
بہرحال۔ اب سنئے فضل پر کیا گزری۔ دوسرے دن چہارشنبہ کے روز اسکی اجل موجودہ کا روز موعودہ تھا۔ اُس غافل نے حکم تقدیر کو بالائے طاق رکھکر اپنے سیاق ترکیب اور تریاق تدبیر کو اپنی نحوست ایام کے دفعیہ کے لئے کافی سمجھ لیا۔ اپنی نحوست ایام کے مٹانے اور زائچۂ تقدیر کے مطابق اعمال دفعیہ بجالانے کی غرض سے فضل نے بخلاف شاہی انکار اور امتناع کے اپنی حمام میں جانا۔ فصد لیکر خون کا نکلوانا۔ اور اس طرح گرمی آتش حمام و نیز گرمی آہن حجام بمطابقت حکم زائچۂ تقدیر ظاہری طور پر بجالانا مقدم سمجھا۔ اور حقیقت میں بمفاد مضمون ہدایت مشحون وعسیٰ ان تحبتوا شیئا وکرہ لکم اکثرا وقات وہ چیزیں جو عزیز سمجھی جاتی ہیں باعث اکراہ ثابت ہوتی ہیں۔ بہرحال فضل نے اپنی جانی صحت اور جسمانی عافیت کے لئے جو امور ضروری اور لازمی سمجھے تھے وہ سب بحکم تقدیر اُس کے مخالف اور باعث مضرت ثابت ہوئے۔
فضل ابن سہل اپنی اجل موعود کے نتیجہ میں گرفتار ہوکر کچھ رات رہے سے داخل حمام ہوا۔ اور مطابق تدارک نجومیہ پہلے فصد لی۔ اُس سے جو خون نکلا وہ بخلاف حکم ایزدی اور شریعت نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بدن پہ مل لیا۔ اور پھر غسل کیا۔ وہ جب حمام ان سامانوں سے

مصروف رہا۔ اُسکی اجل موعودہ نے اپنے تصرّفات کے تمامی انتظام حمام کے دروازہ پر فراہم کرلیئے۔ اور عیسٰے۔ موفق قسطنطنین رومی۔ غلام مامون وغیرہ ننگی تلواریں لئے موقع پر آموجود ہوئے۔ فضل نہا دھو کر جونہیں دروازۂ حمام سے باہر قدم نکالنا چاہتا تھا ویسے ہی ان لوگوں نے سبقت کرکے اُسکو چھاپ لیا اور اُسکو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا اور دم کی دم میں اُسکو پارہ پارہ کر دیا۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے باوفا اور معتمد غلام یاسر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُس رات کو ہمارے امام علیہ السلام نے ہم لوگوں کو سخت تاکید کی تھی کہ طلوع سحر تک یہ دعا پڑھتے رہیں نعوذ باللہ من شرّ ما ینزل فی ھٰذہ اللّیلۃ۔ ہم خدائے سبحانہ تعالےٰ سے ان بلاؤں کے لئے پناہ مانگتے ہیں جو آج کی رات نازل ہونے والی ہیں۔ یاسر کا بیان ہے کہ ہم اور آپ کے تمام ملازمین رات بھر اس دعا کا ورد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کے آثار نمودار ہوئے جناب امام موسی رضا علیہ السلام نماز صبح سے فراغت فرما کر مجھ سے ارشاد کرنے لگے کہ سقف بام پر جاکر جا کر دیکھو تو یہ شور کیسا ہے۔ ہم کوٹھے پر چڑھے تو فضل کی قیامگاہ کی طرف سے رونے پیٹنے کی آواز آرہی تھی۔ ابھی ہم اچھی طرح سننے بھی نہ پائے تھے کہ دیکھا مامون حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے پہلو میں کھڑا کہہ رہا ہے اجرک اللہ فی الفضل یا ابن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ والہ وسلم اے فرزند رسول صلےاللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند عالم تمہیں فضل کی مصیبت میں اجر عطا کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ تین شخصوں نے ملکر اس کو حمام میں قتل کر ڈالا۔ تلواریں لیکر دوڑ پڑے اور اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ ان لوگوں میں اُسکا ایک خالہ زاد بھائی ذوالعلمین بھی تھا۔ ابھی یہی باتیں ہورہی تھیں کہ فضل کے خاصے کے فوجی ملازمین مامون کی سپاہی نوبت گاہ پر چڑھ آئے۔ اور محاصرہ کرلیا۔ اور کہنے لگے کہ ہمکو پورے طور سے تحقیق ہوچکا ہے کہ فضل کا قتل مامون کے اشارے سے ہوا ہے۔ مامون کے ہوا خواہوں نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ایوان میں آکر مامون کو اسکی اطلاع کی۔ وہ تو اس خبر کے سنتے ہی ایسا مضطرب الحال اور سراسیمہ ہوگیا کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام سے بصد منّت و سماجت کہنے لگا کہ ھٰذا وقت حاجتی الیک یا ابا الحسن علیہ السلام تنصرنی الامر وتعیننی اے ابوالحسن علیہ السلام میری ضرورت اور آپ کی اعانت و وفاداری کا یہی وقت ہے۔ اب ان امور میں آپ میری مدد فرمائیں۔

اُسکی یہ استدعا سنکر جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے سواری طلب کی اور اپنے مرکب پر سوار ہو کر فرودگاہ سلطانی پر پہنچے تو دیکھا کہ فضل کے خاصہ کے ملازمین اُس کے ایوان شاہی کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور اُن کی کثرت کی وجہ سے آمد و رفت کی راہ مسدود ہوگئی ہے۔ یہ دیکھکر آپ نے اُن لوگوں کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ کیا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اسکا اخیر میں جو نتیجہ نکلنے والا ہے وہ آیندہ تم اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لوگے۔ آپکے کلام معجز نظام سنکر وہ تمام مجمع آپ کے ارد گرد جمع ہوگیا۔ اور مامون کے مکر و دغا اور نقض عہد وغیرہ کی ساری معاملات کی شکایتیں کرنے لگا۔ آپ نے بمصلحت وقت اُن لوگوں کی تسکین و تشفی فرما کر رخصت کر دیا اور وہ سب کے سب اپنے اپنے مقاموں پر واپس گئے۔

بہرحال فضل کے قتل ہونے کے یہ صحیح حالات تھے۔ جو تاریخ کے معتبر اسناد سے لکھے گئے۔ اسلام کی معتبر تاریخیں پکار رہی ہیں کہ فضل کے قتل کا واقعہ مامون کے خاص اشارہ سے عمل میں لایا گیا۔ جیسا کہ ابھی ابھی طبری اور روضۃ الصفا کی عبارت سے اوپر لکھا گیا۔

اس مقام پر ہم آخر مرتبہ اپنی مزید احتیاط کے خیال سے پھر اُن حضرات کو خاص طور پر یاد دلاتے ہیں جو فضل کے شیعہ ہونے کے قائل ہیں کہ مامون کی زبانی اُسکے قتل کی ناگہانی خبر سنکر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے کوئی اظہار افسوس نہیں کیا۔ بلکہ نہایت خموشی اور سکوت سے اُسکے واقعات کو سنتے رہے۔ اور اُس کے ذائچہ تقدیر کے ناقابل اعتبار احکام کے مقابلہ میں خدائے انام کی تدبیروں کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ اگر وہ آپ کا معتقد اور اخلاصمند ہوتا تو ضرور تھا کہ اُس کے پُر درد احوال کو سنکر آپ اپنی طرف سے حسرت و افسوس کا اظہار فرماتے۔ بلکہ آپ تو اُسکے واقعات کو کردنی خویش و آمدنی پیش کا نتیجہ سمجھکر بالکل ساکت اور خموش رہنا پسند فرماتے تھے۔ اس کے معاملات میں آپ نے جو سکوت اور خاموشی اختیار فرمائی وہ بھی آپ کی حسن تدبیر اور عاقبت اندیشی کی معتبر اور سچی دلیل ہے۔ مگر باوجود ان مخالفتوں کے جو فضل کی طرف سے آپ کے امور میں ظاہر ہوئیں آپ نے اپنے انہیں اخلاق و اشفاق کریمانہ کے تقاضہ سے جو خاصان الٰہی کے اوصاف روحانی سے مخصوص تعلق رکھتے ہیں۔ مامون کے دوسرے رقعہ کے جواب میں لکھ بھیجا تھا کہ میں تو کسی طرح کل حمام میں نہ جاؤنگا۔ بہتر ہے کہ تم بھی نہ جاؤ اور فضل کو بھی منع کر دو۔ دنیا کے معمولی طبیعت والے ایسے امور میں مخالف کو غافل پا کر اُس سے انتقام لینے کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور ایسے خاص وقتوں کو

نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں جانتے ۔ مگر ہاں ۔ ایسی حالتوں میں خیال انتقام شان امام سے کوسوں دور ہوتا ہے ۔ بلکہ وہ بزرگواران اوقات میں زیادہ تر عفو جرائم کے محاسن سے کام لیتے ہیں جیسا کہ آپکی ذات بابرکات سے ظاہر ہوا ۔
اب دیکھنا چاہیئے کہ آپ کے بالعکس ۔ مامون نے باوجود اطلاع کے اس موقع کو اپنے امور کیلئے پورے طور سے کافی سمجھکر فضل کو حکم امام علیہ السلام سے آگاہ نہیں کیا ۔ اور چھپا رکھا ۔ اور اُسکے قتل کی تدبیروں میں مصروف ہوا ۔ اور آخر کار وہی کیا جو وہ چاہتا تھا ۔ اسی ایک واقعہ سے مامون کی طبیعت کی خباثت اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے محاسن ذاتی اور محامد اخلاق کے پورے ثبوت ملجاتے ہیں ۔ فضل کو آپ کے ساتھ جیسی کچھ مخالفت تھی وہ ظاہر ہے ۔ جیسی جیسی مخالفانہ چالیں وہ آپ کے ساتھ چل رہا تھا وہ سب آپ کو معلوم تھیں ۔ مگر تاہم آپ کے اخلاق کریمانہ و شان امامت اسکی مقتضی نہوئی کہ اُسکو اس کی حالتوں میں مامون کی طرح غافل چھوڑ دیا جاوے ۔ بلکہ آپ کی ارشاد و ہدایت کا لازمہ تھا کہ آپ اُس کو اُس کے آنے والے واقعات اور حادثات سے مطلع اور آگاہ فرمادیں ۔ جن لوگوں نے ائمہ معصومین کے اخبار و آثار کا مطالعہ کیا ہے وہ خاصان الٰہی کے ایسے محامد اشفاق اور محاسن اخلاق کی مثالیں پیش کر سکتے ہیں ۔ اور بخوبی جانتے ہیں کہ یہ حضرات مقدسین اپنے مخالفین کی مخالفت اور مخاصمت کی چالوں سے قطع نظر کر کے اپنی ہدایت اور رعایت کے حقوق پر نظر رکھتے ہیں ۔ اور اپنے محامد اشفاق و مکارم اخلاق کے اصول پر عمل کرتے ہیں ۔ خلاصہ یہ ہے کہ فضل ابن سہل کی ہدایت کے متعلق جو کچھ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے شروع سے آخر تک کیا وہ سب سیرت انبیائے مرسلین سلام اللہ علی نبینا و آلہ و علیہم اجمعین کے مطابق تھا ۔

فضل کے قاتلوں کی گرفتاری

بہر حال ۔ اب ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں ۔ اور اپنے موجودہ سلسلہ میں وہ حالات قلمبند کرتے ہیں ۔ جو اُسنے فضل کے قتل سے بری الذمہ ثابت ہونے کے لئے ظاہر کئے ۔ طبری کے اسناد سے یہاں تک تو ظاہر ہو چکا ہے کہ مامون نے قاتلان فضل کو اُس کے قتل پر مامور کرکے ہدایت کر دی تھی کہ تم اُسکا خاتمہ کرکے بعجلت تمام اتنی دور بھاگ جانا کہ میں تمہیں گرفتار نہ کرسکوں ۔ چنانچہ اُسکی ہدایت کے مطابق وہ چاروں کے چاروں فضل کا خاتمہ کرکے حمام سے بھاگے اور سرخس سے کوسوں دور نکل گئے ۔ مگر بخلاف اُن تاکیدوں کے ۔ مامون نے

اپنی برارت ثابت کرنے کے لیئے جس سرگرمی سے اُسکے قتل کرنے کا پوشیدہ سامان کیا تھا۔ اُسی مستعدی اور آمادگی سے قاتلان فضل کی گرفتاری اور سیاست کا ظاہری حکم نافذ فرمایا۔ مامون۔ واقعی عجب کشمکش میں اُس وقت مبتلا تھا۔ اگر انکی گرفتاری کا حکم نہیں دیتا۔ اور قاتلان فضل کے تجسّس و تلاش میں دیر کرتا ہے تو اُسکی برارت ثابت نہیں ہوتی اور اگر اُن کی گرفتاری کا فوری حکم سناتا ہے تو قاتلان فضل گرفتار ہوتے ہیں۔ اور تمام راز ایکبار افشا ہو جاتا ہے۔ چار و ناچار مامون نے اپنی بری الذمگی کو اس وقت سب سے عزیز سمجھا۔ اور ملازمین فضل کے ہنگامہ کے فرو ہو جانے کے بعد اُس نے ایوان شاہی میں آتے ہی قاتلان فضل کی گرفتاری کا حکم نافذ فرمایا۔ فوج سلطانی کے ہرکارے چاروں طرف دوڑ گئے۔ ان میں سے عباس ابن ہیثم دینوری ان چاروں کو گرفتار کرکے در دولت پر لے آیا۔ مامون اُسوقت سوائے حکم سیاست کے اور کر ہی کیا سکتا تھا کیونکہ معاملہ جس حد تک پہنچ چکا تھا وہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہو چکا تھا۔ بہر حال۔ اصول حکمرانی کی مطابق مامون نے ان لوگوں کے قتل کیئے جانے کا حکم دیا۔ یہ حکم سنکر اُن لوگوں نے۔ طبری۔ ابن اثیر اور روضۃ الصفا کے متفقہ اسناد کے مطابق۔ بیان کیا کہ ہم کو آپ ہی نے تو انکے قتل کرنیکا حکم دیا تھا۔ یہ سنکر مامون نے جواب دیا کہ ہاں تم اپنی برارت کے لیئے اب سوائے ایسی باتوں کے اور کیا کہہ سکتے ہو۔ یہ کہکر مامون کے حکم سے وہ چاروں قتل کر ڈالے گئے۔

طبری کے اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون نے فضل کے مارے جانے پر اپنی طرف سے بہت بڑا رنج و ملال کیا۔ اور ظاہری طور سے اُسکی عزا اور ماتم داری کے تمام مراسم بجالایا۔ عباس ابن ہیثم الدینوری کو جو قاتلان فضل کو پکڑ لایا تھا دو ہزار دینار اُسی وقت انعام دیئے۔ اور اسی طرح علےٰ قدر مراتب اُس کے ہمراہیوں کو اپنے جائزۂ شاہی سے مشرف فرمایا۔ پھر اسکے بعد۔ وہ اپنی طرف سے کمال ملال اور تاسف کا اظہار کرتا ہوا ادائے تعزیت کے لیئے فضل کی ماں کے پاس گیا۔ اور اُس سے بہت کچھ تسکین و تشفی کے کلمات کہے سُنے۔ اور یہ بھی کہا کہ اب آپ صبر فرمائیں۔ ذوالریاستین کے عوض میں میں آپ کا مطیع اور فرمانبردار فرزند موجود ہوں۔ فضل کی غمدیدہ اور آفت رسیدہ نے اُسکی باتوں کو غور سے سنکر کہا کہ تم ہی انصاف کرو کہ میں اپنے ایسے لائق اور سعادتمند بیٹے کا کیونکر غم نہ کروں جسکی مثال کے لیئے سوائے سلطان عصر۔ کوئی دوسرا کافی نہ ہو سکے۔ مامون کی غیرت اور

دنیا کی عبرت کے لئے فضل کی ماں کا یہی ایک فقرہ کافی ہے۔
مامون وہاں سے واپس آیا تو اُس نے حسن ابن سہل کو ایک بہت بڑا طول طویل اور تفصیل تعزیت نامہ لکھا۔ اور اُس میں فضل کے گزیرہ واقعہ کی نسبت اپنی طرف سے بہت کچھ تسکین وتشفی کے ایسے ایسے کلمات اور فقرات لکھے جو اُسنے آج تک اپنے کسی عزیز اور قریب کو بھی نہیں لکھے تھے۔ اور اُنکے ساتھ یہ بھی لکھا کہ میں نے تجھ کو آج سے تیرے بھائی کا منصب وزارت تفویض کیا۔ اور خاتم سلطانی بھی عطا فرمائی۔ غرض تمام ملکی سپید وسیاہ کا اختیار کامل دیدیا اور میں بھی تمہاری تجویز اور خواہش کے مطابق بغداد میں پہنچکر تمہاری ضرورتوں کو پورا اور تمہارے امور کو بہت جلد درست کردیتا ہوں۔
غرض ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون نے فضل کے قتل کا الزام اپنی گردن سے اُٹھا دئے جانے کے لئے یہ تمام فکریں کی تھیں۔ اور ان تدبیروں میں اُس نے اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور وہ تمام ذریعے جو اسکی برات اور بیزاری۔ اس معاملہ خاص میں ثابت کرسکیں اپنے لئے مہیا کرلئے۔ ان امور میں سب سے پہلے اُس نے جس امر کی کوشش کی وہ حسن کی دلجوئی اور تشفی تھی۔ جیسا کہ ابھی ابھی معلوم ہوچکا۔
فضل کے واقعہ سے دو تین روز بعد۔ مامون نے فضل کے تمام ملازمین اور متعلقین کو اندر سے لیکر باہر تک اسقدر جائزے پر جائزے اور انعام پر انعام دئے۔ اور اس طرح اُن سب کے لبہائے شکایت سیئے کہ اُن میں سے کوئی۔ اس واقعہ کا ذکر کرنا کیسا۔ فضل کا نام لینا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر کیا۔ ان کارروائیوں کے بعد دنیا کی حقیقت میں نگاہوں سے یہ واقعہ چھپ گیا۔ اور کیا مامون کی ان تدبیروں سے فضل کے قتل ہونے کا واقعہ مٹ گیا۔ بلکہ اسکے خلاف ہمارا یقین تو یہی کہ اس معاملہ میں مامون نے جہاں تک اپنی کارروائیوں کو چھپایا۔ وہاں تک اُس کے معائب اور الزام مشہور خاص وعام اور طشت از بام ہوتے گئے۔ ہمارے فاضل معاصر شمس العلماء مولوی شبلی صاحب پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ بھی جو مامون کے بہت بڑے مداح ہیں اُسکے ان کرتوتوں کو نہ چھپا سکے۔ آخر اُنہوں نے اُس کی تمام عیارانہ چالوں کا اعتراف فرمادیا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب المامون میں تحریر فرماتے ہیں۔
"تمام واقعات بتلارہے ہیں کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایما سے ہوا۔ مگر مامون نے اپنی متعدد کارروائیوں سے اس یقین کو شبہہ سے بدل دیا۔ قاتلوں کے سر حسن کے پاس بھجوائے۔

اور نامۂ تعزیت میں بہت کچھ رنج و غم کا اظہار کیا۔ اور لکھا کہ تم اپنے بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کئے گئے۔ ذوالریاستین کی ماں کے پاس بغرض تعزیت گیا اور تسلّی دیکر کہا کہ آپ صبر کریں۔ بجائے ذوالریاستین کے میں آپ کا مطیع فرزند موجود ہوں۔ اُس نے رو کر کہا کہ میں اپنے ایسے بیٹے کا کیونکر غم نہ کروں جس نے میرے لئے تم سا فرزند چھوڑا۔ اسی زمانہ میں حسن کی بیٹی سے شادی کر لی۔ ان کارروائیوں سے گو مامون کی گردن ہلکی نہوئی تاہم عام خلقت کی نگاہ کچھ بدل گئی۔ اور کم سے کم اتنی بات تو ضرور ثابت ہو گئی کہ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ تھا۔ ذوالریاستین کے عام احسانات کو اُسنے فراموش نہیں کیا۔ اور اُسکے خاندان کے ساتھ اُسکو اب بھی وہی ہمدردی تھی جو پہلے تھی"۔

ہمارے ہمعصر محقق اور مؤرخ عالیجناب مولانا سید مظہر حسن صاحب قبلہ۔ قابل شمس العلماء کے اس قول پر نوٹ کرتے ہیں کہ مولوی صاحب کو اپنی یہ تحریر کہ "یہ یقینی بات ہے کہ فضل مامون کے ایما سے قتل ہوا۔ باوجود اس کے اُسکی متعدد کارروائیوں نے جو پس ماندوں کے ساتھ کیں عام لوگوں کے نزدیک۔ اس یقین کو شبہہ سے بدلدیا"۔ تھوڑی دور آگے چلکر یعنی اسی کتاب کے دوسرے صفحہ میں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کی وفات کے مقدمہ میں فراموش ہو گئی۔ ہاں اس حسن سلوک کو جو بعد وفات امام علیہ السلام اُسنے سادات کے ساتھ کئے۔ دلیل برات اسکی از قتل آنحضرت علیہ السلام قرار دیتے ہیں چنانچہ وہاں اسطرح رقمطراز ہیں کہ "مامون کو اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ دلی خلوص تھا۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضا علیہ السلام کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کے ساتھ کیا رہا۔ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو۔ جو حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے۔ تو یہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتلادیگا کہ مامون پر یہ ایک غلط اتہام ہے"۔

مولف اوراق (مولانا مظہر حسن صاحب قبلہ) لکھتا ہے کہ جب فضل کے پس ماندوں کے ساتھ اسکی اچھی کارروائیوں نے لوگوں کے نزدیک اسکے قتل کے یقین کو شبہہ سے بدلدیا تو یہاں بھی وہی تقریر شیعوں کی طرف سے قبول کی جائے کہ سادات کے ساتھ اس کے حسن سلوک نے یقینی ہو قتل شبہہ میں ڈالدیا۔ کہ وہ قتل امام علیہ السلام کو۔ کہ درحقیقت یہی اسکا مرتکب ہوا اس پر تہمت جاننے لگے۔ لمعۃ الضیا صفحہ ۲۹۰۔

ہم نے مامون کے ان محاسن سلوک کی نسبت جہاں تک تحقیق کی ہے یہ ثابت ہوا ہے کہ اُس کے یہ

محاسن سلوک اور رفق و مدارا بھی اُسکی عیاری اور چالاکی سے خالی نہیں تھے۔ اور ان تمام ظاہری اسباب میں بھی اُسکی حسن تدبیر کی ایک نئی شان پوشیدہ تھی۔

مامون کے محاسن سلوک میں پوشیدہ چالیں

مامون کے محاسن سلوک کے ذیل میں جو اُس نے حسن کے ساتھ ادا کئے طبری کا بیان ہے کہ بھائی کے قتل کی خبر سنکر حسن کو اس قدر رنج و ملال طاری ہوا کہ آخر وہ بیمار ہوگیا۔ اور اس کے مزاج پر خلط سودا کا ایسا غلبہ ہوگیا کہ وہ تھوڑے ہی دن میں دیوانہ ہوگیا حسن ابتک واسط میں تھا۔ اور ابراہیم کے خوف سے بغداد میں قیام کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ اُس کی یہ حالت دیکھکر اہل واسط نے اُسکو پا بزنجیر کر کے مقید کر دیا۔ اور مامون کو اس کی روئداد اور افتاد لکھ بھیجی۔

مامون نے اپنا خاص طبیب اُس کے علاج کے لئے روانہ کیا۔ یہ بھی ظاہرداری کی نئی چال تھی اور اپنے خاص غلام سراج نامی کو اُسکی تیارداری کے لئے ہمراہ کیا طبیب سے بتاکید تمام کہدیا کہ اُسکو بھیڑی اور گائے کا گوشت اور دوسری ایسی چیزیں برابر کھلاتا رہے جس سے اُسکے اخلاط سوداویہ بڑھتے رہیں۔ اور اُسکی بیماری میں روزانہ اضافہ ہوتا رہے۔ اور بیماری کی ترقی کے بہانے سے اُس کی زنجیر اور قید کا سلسلہ موقوف نہ کیا جاوے۔ اور وہ برابر اسی حال میں رکھا جاوے تا وقتیکہ میں بغداد میں نہ پہنچ لوں۔ طبری صفحہ ۱۴۰

اس واقعہ سے مامون کے حلم کی دورنگی اچھی طرح سے معلوم ہوگئی اور اُسکی ان چپٹ پٹی تاکیدوں سے ثابت ہوگیا کہ شیرینئ رعایت کے ساتھ زہر عداوت بھی ملحق ہے۔ اور ظاہر میں تو حسن کے ساتھ حقوق پرورش اور نوازش ادا کئے جاتے ہیں اور باطن میں اُسکے استیصال اور دفعیہ کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ عام نگاہوں میں تو اُس کے علاج و مداوا کی فکر کر اپنے اخلاص و اختصاص سلطانی کا پورا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور در پردہ اُسکے مار ڈالنے کی صریح اور صحیح ترکیبیں اس وجہ سے عمل میں لائی جاتی ہیں کہ اُس کے بھائی فضل کے قتل کی طرح اسکے خون پر بھی ان امور سے خاک پڑجائے۔ یا کم سے کم اسکے دفعیہ کے معاملات بھی عام طور سے مشتبہ ہو جائیں۔ بہر حال فضل اور حسن دونوں بھائیوں کے حالات کو خاتمہ تک پہنچا کر اب ہم مامون کی اُن ترکیبوں اور عیارانہ چالوں کو اپنے سلسلۂ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔ جو وہ مختلف طریقوں سے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ عمل میں لایا۔

مامون کی حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے مخالفت

ہم اسکے ظاہری اخلاص اور عارضی عقیدت کی حقیقت برابر دکھلاتے آئے ہیں۔ اس لئے ہمکو اُن امور کے بار دیگر اعادہ کی مطلق ضرورت باقی نہیں ہے۔ اور ہر شخص اُسکے خلوص و اعتقاد کو پورے طور سے اندازہ کر چکا ہے۔ مگر بار دیگر عام یاد دہانی کے لئے ہمارا اتنا لکھدینا کافی ہوگا کہ مامون اپنی ان مخالفانہ کارروائیوں میں من اولہ تا آخرہ نہایت حزم و احتیاط سے برابر کام لیتا تھا۔ اور اپنی پوشیدہ مخالفت کے ساتھ اپنی ظاہری موافقت کے آثار کو بھی برابر قائم رکھتا تھا۔ اور اپنی غایت درجہ کی کوششوں سے اپنی مخالفانہ کارروائیوں کو بھی موافقت اور رعایت ظاہری کے محاسن سلوک کے مقابلہ میں نمودار اور آشکار ہونے نہیں دیتا تھا اس لئے اُس کی رعایتوں کے سامنے اُس کی مخالفت کارروائیاں علانیہ ظاہر نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ نہایت غور اور تلاش کے بعد معلوم ہوتی تھیں۔

بہر حال۔ اتنی مختصر تمہید کے بعد ہم اپنے اصلی مقصود کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں وہ واقعات بیان کرتے ہیں جو مامون کے دل میں حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی مخالفت کا باعث ہوئے۔ سب سے اول امر جو مامون کی طبیعت کی ناگواری کا باعث ٹھیرا وہ آپکا استقرار علے الحق و اعلائے کلمۃ الحق تھا جسکی نسبت وہ آج تک اپنی بے بصیرتی اور کوتہ بینی کی وجہ سے شان امام علیہ السلام کے خلاف۔ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام اپنے احکام کے اجرا میں ہمارے موجودہ اقتدار سلطانی اور عز و اعتبار خسروانی کا ضرور لحاظ ملحوظ فرماتے رہیں گے۔ مگر اُس کی امیدوں کے برخلاف۔ اُسکی تمناؤں کے برعکس جیسا کہ تاریخ اور سیر کے معتبر اسناد ثابت کر رہی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام حق بات کے کہنے میں مامون کا ذرا لحاظ بھی نہیں فرماتے تھے۔ جو کچھ کہنا ہوتا تھا وہ بے دھڑک کہہ گزرتے تھے۔ گو مامون اس سے کراہت کرتا تھا۔ اور خفا ہوتا تھا مگر منہ سے کچھ نہ کہتا تھا۔ ہاں اپنے دل میں عداوت اور مخاصمت کا بیج بو لیتا تھا۔ یہی چھوٹی چھوٹی اور معمولی سے معمولی باتیں جمع ہو کر آخرکار اسکا باعث ہوئیں کہ مامون نے آپکو قتل ہی کر ڈالا۔ بعض علمائے کرام رضوان اللہ علیہم کی تصنیفات و تالیفات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ علاوہ ان امور کے جو اوپر لکھے گئے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام اُسکو (مامون کو) خلوت و صحبت میں بیجا اور خلاف شریعت امور کے متعلق پند و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اور خوف خدا سے ڈرایا کرتے تھے۔ مامون بظاہر تو آپ کے ارشادات کو قبول کر لیتا تھا۔ مگر باطن میں

اُس کو آپ کی یہ باتیں اپنی شان کے خلاف اور اپنے شاہی اقتدار و افتخار کی ہتک کا باعث معلوم ہوتی تھیں اور وہ ان سے حقیقت میں ملول اور کشیدہ خاطر ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام مامون کے پاس تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ مامون وضو کر رہا ہے۔ اور اُس کا ایک خادم کھڑا ہوا ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہے۔ آپ نے یہ حال دیکھکر ارشاد فرمایا لا تشرک بعبادۃ ربك احداً تم اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ مامون کو آپ کی یہ بے وقت تعریض نہایت بُری معلوم ہوئی۔ مگر غصہ کو پی گیا۔ اور خادم سے لوٹا لیکر اپنے وضو کا تمام کیا۔

مامون کو آپکی ہدایت کیوں بُری معلوم ہوئی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ وضو کے ارکان کو حقیقت میں ایک محض معمولی مسئلہ سمجھے ہوئے تھا۔ اور اُس میں اتنی خفیف اور باریک احتیاط کو ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ اور یہ اُسکے ذاتی ظنیات اور قیاسات میں داخل تھا۔ اور وہ اسی پر عامل ہوکر وضو کر رہا تھا۔ جو جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے نزدیک بالکل بیکار اور ساقط از اعتبار تھا۔ اس لیئے آپکا فرض تھا کہ آپ عام اس سے کہ کوئی بادشاہ وقت ہو یا محتاج زمانہ۔ اپنی ہدایت تعلیم اور تلقین کے احکام اُسپر جاری فرمائیں اور اُسکو شریعت کے اصلی اور صحیح احکام سے مطلع فرمائیں۔ مگر مامون بادشاہ تھا۔ گاہے بگاہے بر بخند کے اوصاف مخصوصہ سے موصوف۔ اسکو ایسی خفیف اور ادنے باتوں میں آپ کی یہ روک ٹوک نہایت خلاف شان اور سخت گراں گزری اور اُسکو اُس نے اپنی ہتک کا باعث سمجھکر آپ کی طرف سے اپنے دل میں دشمنی پیدا کرلی۔ لمعۃ الضیا وغیرہم۔

اسی طرح یہ واقعہ بھی مامون کی مخالفت کے متعلق اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا نعمت اللہ جزائری علیہ الرحمہ اپنی ہر دلعزیز اور معتبر کتاب زہرۃ الربیع جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں۔ جسکا خلاصہ یہ ہے۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے ولیعہد کیئے جانے کے بعد مامون نے اپنا یہ معمول مقرر کیا تھا کہ ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور پنجشنبہ کے دن دربار شاہی کرکے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو اپنی داہنی طرف بٹھلاتا تھا۔ اور مظلومان دولت اور مستغیثان ممالک کی استغاثے سنتا تھا۔ اور اُن کو فیصل کرتا تھا۔ ایک بار ایک سید صوفی دربار میں بعلت سرقہ گرفتار ہوکر آیا۔ مامون نے دیکھا تو کثرت سجود سے اُسکی پیشانی پر گھٹا پڑا تھا۔ بدلت

میں بالوں کا کرتہ۔ سر پر عمامہ بندھا تھا۔ غرض صلحا و ثقہ کے تمام آثار ہویدا اور آشکار تھے۔ یہ دیکھکر مامون اُس سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ صورت تو ایسی اور سیرت ایسی لاحول ولا قوۃ۔

صوفی نے جواب دیا کہ یہ کام میں نے از روئے اختیار نہیں کیا ہے بلکہ بباعث اضطرار کیونکہ تم نے تو ہمارا حق مار رکھا ہے۔ اور اُسے مجھے نہیں دیتے ہو۔ مامون نے متعجب ہوکر پوچھا کہ میں نے تمہارا کونسا حق مار لیا ہے بتاؤ تو۔ مرد صوفی نے کہا۔ رقم خمس اور رقم فے جس کو حضرت واہب العطایا نے چھ حصوں پر تقسیم فرمایا تھا۔ ان میں سے ایک تو ابن السبیل کا ہے۔ اور میں ابن السبیل اور مسافر تو ضرور ہوں۔ پھر مرد صوفی نے اُن دونوں آیتوں کو تلاوت کیا۔ جن میں ان حقوق عامہ کی تفصیل وتاکید کی گئی ہے۔ یہ آیتیں پڑھکر صوفی نے کہا کہ جب میرا حق مجھے نہیں ملا اور کار بجان وکارد بہ استخوان کی نوبت پہنچ گئی تو مجھ سے یہ اختیار یہ عمل سرزد ہوا۔ مامون نے اُسکی یہ دلیل سنکر کہا کہ میں تیری ان باتوں سے حدود والٰہیہ کے اجرا کو روک نہیں سکتا۔ شریعت میں جو چور کی سزا مقرر کی گئی ہے وہ تجھے بھی ملیگی۔ صوفی نے جواب دیا کہ اگر اجرائے حدود خداوندی ضروری اور لابدی ہیں تو تم پہلے اپنے اوپر وہ حدود جاری کرلو۔ پھر مجھ پر جاری کرنا۔ مامون نے متحیر ہوکر پوچھا کہ میں نے کس کی چوری کی ہے جو حدود کی تعذیر کے قابل سمجھاؤں۔

آخر اُس نے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام سے اسکا مطلب پوچھا تو آپنے ارشاد فرمایا کہ یہ کہتا ہے کہ تو نے میرا حق چرایا۔ میں نے اوروں کا چرا لیا۔ یہ سنکر مامون کو اب غصہ آگیا اُس نے اُس مرد صوفی کو مخاطب کرکے کہا کہ اب میں تیرا ہاتھ قلم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُس مرد صوفی نے کہا۔ سبحان اللہ۔ تم میرے ہاتھ کیسے کاٹ سکتے ہو جا لانکہ تم تو میرے غلام ہو۔ مامون اور تیز ہوا۔ اور اُسی جھنجھلاہٹ میں صوفی سے پوچھنے لگا کہ سبحان اللہ۔ میں اور تیرا غلام۔ یہ کیسے؟ صوفی نے کہا۔ تنہا میرا ہی غلام نہیں بلکہ تمام اہل اسلام کا۔ اور وہ اس طرح کہ میں نے آج تک تجھے آزاد بھی نہیں کیا۔ اور میں نے کیا اہل اسلام میں سے کسی نے بھی نہیں۔ اسکی حقیقت یوں ہے کہ تیرے باپ نے تیری ماں کو رقم بیت المال سے خرید کیا جو تمام مسلمانوں کا مال ہے۔ انہیں مسلمانوں میں میں بھی ایک ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ میں نے تجھے آزاد نہیں کیا۔ بلکہ میں نے کیا کسی مسلمان نے بھی نہیں کیا۔ تو پس اگر اصولاً

دیکھا جاوے تو ایک نجس شے دوسری نجس شے کو پاک نہیں کرسکتی۔ تو ایسی حالت میں کہ جب تو حدود الٰہیہ کا خود سزاوار اور مستحق ہے تو پھر مجھ کو یا دوسرے کو حدود الٰہیہ کے اندر کیسے لے سکتا ہے۔ کیونکہ جناب باری عزاسمہ فرماتا ہے اتأمرون النّاس بالبرّ وتنسون انفسکم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہیں اور خود اپنے نفس کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اب تو مامون چپ ہوا۔ ایکبارگی حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا کہ اس مرد صوفی کے معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے نہایت آزادی اور متانت سے جواب دیا کہ دنیا وعقبےٰ دونوں طریقوں سے اس نے اپنی حجت اور دلائل قائم کرئیے مامون آپ کی یہ تقریر سنکر سناٹے میں آگیا۔ اس مرد صوفی کو جیوں تیوں کرکے افشائے حال کے خوف سے رہا کردیا مگر جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی طرف سے اسکے دل میں ایسی مخالفت سما گئی کہ پھر کسی طرح نہ نکلی۔ نہ نکلی۔

اکثر علمائے کرام کی یہ رائے ہے کہ اس معاملہ کے بعد سے مامون اپنے دفعیہ اور آپ کے ہٹانے کی فکریں کرنے لگا۔ اس واقعہ کے بعد وہ اکثر آپ کے اقوال پر تعریضیں کرتا اور اشارۃً وکنایۃً کبھی آپ کے ولیعہد بنانے اور کبھی مدینہ سے مرو میں بلائے جانے پر اپنی طرف سے امتنان اور خاص احسان کا اظہار کرتا۔ چنانچہ اس نے ایک مرتبہ آپ کی ولیعہدی پر اپنا احسان جتایا تو اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ من اخذ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخلیق ان یعطی بہ جو شخص جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت جاہ ورفعت اور مال وحشمت حاصل کرے سزاوار ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے اسے ایثار بھی کرے۔

پھر ایک بار اسی تعریض کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے امیر۔ مجھ کو تمہاری اس ولیعہدی سے کوئی شرافت تازہ یا نعمت جدید نہیں ملی ہے۔ میں اس سے پہلے مدینۂ منورہ میں جس عزت و حرمت سے رہتا تھا اس میں میرا کوئی دوسرا شریک نہیں تھا۔ میرے احکام شرق وغرب عالم میں جاری تھے میں بے تکلف اپنے دراز گوش پر سوار ہوتا تھا۔ اور گلی کوچوں میں نکلتا تھا۔ اور جہاں کوئی مستحق اور محتاج پاتا اسکی ضرورتوں کو رفع کرتا تھا۔

عیسےٰ ابن ریزان ناقل ہیں کہ مجھے مامون نے ایک بار ایک شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس مرد نے بہزار منت وسماجت کہا کہ اے امیر۔ مجھے زندہ رہنے دو کہ میں زندہ رہکر تمہارے

احسانات کا شکریہ ادا کیا کرونگا۔ مامون نے اُسکی التجا کو سُنا اور نہایت حقارت سے اُس کے جواب میں کہا کہ تو کیا اور تیری شکر گزاری کیا۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام موجود تھے۔ مامون کا یہ مغرورانہ جواب سُنکر جو اُسکی پوری خسروانہ شان میں ہوکر نکلا تھا ارشاد فرمایا کہ شکر ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی شخص اپنے آپ کو مستغنی سمجھے۔ اے امیر۔ تمہاری کوئی حالت کیوں نہو۔ تم کبھی اپنے آپ کو اس نعمت الٰہی اور اس دولت لامتناہی سے مستغنی نہ سمجھنا۔ کیونکہ شکر ایسی چیز ہے جس کی ادا کاری کا حکم نہایت سخت تاکیدوں کے ساتھ جناب باری عزّ اسمہ نے دیا ہے۔ اور جن لوگوں نے شکر کیا ہے انہیں عفو فرمایا ہے۔

یہ مسلم ہے کہ جب کسی کی طرف سے طبیعت میں اختلاف اور مزاج میں کد پڑ جاتی ہے تو پھر اُسکی ہر ہر باتوں پر اعتراض کی تلاش طلب آنکھیں پڑنے لگتی ہیں۔ اور اُس کے تمام حرکات و سکنات کو غور کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک تو ان تعریضات سے معلوم ہو چکا ہے کہ مامون کے دل میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی طرف سے خلش پیدا ہو چکی تھی تو اس وجہ سے وہ آپ کی ایک ایک بات بلکہ ایک ایک حرف پر نکتہ چینی اور خوردہ گیری کیا کرتا تھا۔ انہیں تعریضات کے ساتھ مامون نے قدیم مساوات کا مسئلہ ہی چھیڑ دیا۔

مامون اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام سے مساوات

یہ مسئلہ مامون کا کوئی ایجادی نہیں تھا۔ بلکہ یہ وہم تو وہی تھا جس میں اُس کے اسلاف پیشین اور سلاطین ماضیین گرفتار ہو چکے تھے۔ یہ وہی بیجا اور فضول دعوے تھے جن پر نازاں ہو کر بنی عباس اور بنی امیہ حکمرانوں نے حضرت ائمۂ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے مقابلہ کا قصد کیا تھا۔ اور اپنی ان کوششوں میں انواع اقسام کی تدبیریں عمل میں لائے تھے۔ اور اُن کے امکان اور قدرت میں جہاں تک ممکن ہوتا تھا ان حضرات کی تحقیر۔ کسر شان اور منقصت ساری دنیا کو دکھلاتے تھے۔ وہی طریقہ اور وہی اصول مامون نے بھی اس وقت حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے مقابلہ میں اختیار کیا۔ چنانچہ ایک بار اس نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ اے ابو الحسن علیہ السلام میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے جد امجد امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہما السلام کو قسیم نار و جنت کس باعث سے کہتے ہیں۔ آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کیا تمکو تمہارے آباؤ اجداد کے ذریعہ سے یہ حدیث نہیں پہنچی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی دوستی ایمان ہے اور آپکی دشمنی

کفر۔ مامون نے کہا ہاں مجھے ایسی حدیث پہنچی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو بس حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی دوستی اور دشمنی پر جنت وجہنم کو قسمت فرما دیا ہے۔ مامون آپ کا یہ جواب سنکر بظاہر تو بہت محظوظ ہوا اور کہنے لگا لا ابقانی اللہ بعدك یا ابا الحسن علیہ السلام۔ خدائے سبحانہ تعالےٰ مجھ کو تمہارے بعد زندہ نہ رکھے۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ تم بیشک وبلاشبہہ وارث علم حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو۔

ابوالصلت ہروی۔ جو خصوصیت کے ساتھ آپ کی خدمت میں حضوری کا شرف رکھتے ہیں۔ ناقل ہیں کہ اس گفتگو کے بعد جب جناب امام رضا علیہ السلام دربار مامون سے دولتسرا کی طرف تشریف لائے تو میں نے عرض کی کہ کیا خوب مامون کو جواب دیا گیا ہے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ اے ابوالصلت وہ جواب مامون اور اسی کے ایسے لوگوں کے لئے تھا۔ اس امر میں ہمارا عقیدہ وہی ہے جو ہمارے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ جیسا کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی علیہ السلام تم قسمت کنندۂ نار وجنّت ہو۔ بروز قیامت جہنم سے کہوگے ھذا لی وھذا لك یعنی وہ میرا ہے یہ تیرا۔

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ مامون مرو سے خراسان کی طرف جا رہا تھا اور جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام بھی ہمراہ تھے اثنائے راہ میں اُس نے آپ سے پوچھا کہ مجھے بڑے غور و تامل کے بعد معلوم ہوا ہے کہ ہم آپ حسب ونسب کی شرافتوں میں برابر ہیں۔ یہ ہمارے دوستوں اور تمہارے شیعوں کا صرف تعصب ہے کہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپنے کہا کہ تمہارے اس سوال کا جواب میرے پاس موجود ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں بیان کروں وگرنہ خاموش رہوں۔ مامون نے کہا سبحان اللہ۔ میں نے تم سے یہ ذکر اسی لئے تو کیا ہے کہ اس امر میں آپ کی رائے دریافت کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ اگر حق سبحانہ تعالےٰ حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت مبعوث کرے اور وہ اس پہاڑ کے پیچھے سے نکل کر سامنے تشریف لائیں اور تمہاری دختر کی خواستگاری فرمائیں تو تم اُسکا نکاح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کروگے۔ مامون نے کہا کہ وہ کون مسلمان ہوگا جو اپنی لڑکی اُن کو نہ دیگا۔ یہ سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب میں تمہیں سے پوچھتا ہوں کہ آیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلال ہے کہ مجھ سے میری دختر کا خطبہ کریں۔ یہ جواب سنکر مامون بالکل بند ہوگیا اور تھوڑی دیر تک تامل کرکے کہا واللہ امنس

برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قسم خدائے بزرگ کی آپ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت قریبہ رکھتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر مامون نے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام سے فرمائش کی کہ جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہما السلام کی فضیلت قرآن مجید سے بیان فرمائیے۔ آپنے فوراً یہ آیۂ وافی ہدایہ تلاوت فرمایا فمن حاجک بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات حسنین علیہما السلام کو بلایا اور وہ ابنائنا میں داخل ہوئے۔ پھر جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو بلایا۔ وہ نسائنا میں داخل ہوئیں۔ پھر جناب امیر علیہ السلام بلائے گئے اور وہ انفسنا میں داخل ہوئے۔ تو اس صورت میں جناب امیر المومنین علیہ السلام حسب ارشاد باری جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس وذات جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھیرے۔ پس جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ مخلوقات سے افضل اور اشرف ہیں اُسی طرح حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہما السلام بھی حسب نص قرآنی تمام خلائق سے افضل واشرف ثابت ہوئے۔ مامون نے پوچھا کہ حسنین علیہما السلام دو ہیں اس لئے بلفظ جمع (ابنائنا) تعبیر کئے گئے۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا واحد ہیں۔ ان کے لئے نسائنا بصیغۂ جمع فرمایا گیا۔ اسی طرح جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام بھی فرد واحد ہیں۔ تو ان کے لئے انفسنا بطریقۂ جمع کیوں لایا گیا۔ انفسنا سے جو بصیغۂ جمع وارد ہوا ہے۔ نفس اور ذات جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لی گئی ہے۔ جیسا کہ ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ دعوت (بُلانا) حقیقت میں دوسروں کے لئے خاص طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ امر (حکم) بھی غیروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس اسی طرح جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اور کسی دوسرے کو نہیں بُلایا۔ اور اپنے نفس وذات کے ساتھ خطاب کو دعوت نہیں کہہ سکتے۔ تو اس دلیل سے صاف ہو گیا کہ خدائے تبارک وتعالےٰ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو نفس رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا ہے۔ مامون آپ کی یہ مدلل تقریر سنکر ایسا ساکت ہوا کہ پھر کچھ جواب نہ دے سکا۔

یہ واقعات ایسے ہیں اور معاملات ایسے جنکا ذکر ہم برابر اپنی پہلی کتابوں میں بھی مفصل طور سے کر آئے ہیں۔ جن میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے احوال سے لیکر جناب امام موسی کاظم علیہ السلام تک کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ اور ہم اُن میں ان احوال کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کر آئے ہیں۔ اور تاریخ وسیر کے معتبر اور مستند مشاہدات سے ثابت کر آئے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کے مقابلہ میں سلاطین عباسیین نے اپنی ہمسری اور برابری کے ایسے ہی دعوے کئے ہیں اور اس مسئلہ پر خاصکر اُن بزرگواروں سے نہایت شدومد کے ساتھ بالمشافہا کامل مباحثے اور پورے مناظرے کئے ہیں۔ مگر جس طرح مامون نے اپنی دعوت میں زک اُٹھائی ویسی ہی ان لوگوں نے بھی مُنہ کی کھائی ع یا آل نبی ہر کہ براند اخت سر انداخت بہر حال۔ مامون بظاہر توان امور میں معقول ہوکر خاموش ہو جاتا تھا۔ مگر اُسکی خموشی اُسکا سکوت حقیقت میں ع خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید۔ کا پورا پورا مصداق تھی۔ اور اُسکی یہ خموشی اور یہ سکوت اندر ہی اندر آپ کی مخالفت اور مخاصمت کی بنا قائم کر رہی تھی اور مامون کچھ تو اپنی فطرت کے تقاضہ سے اور زیادہ تر اپنی سطوت اور اقتدار و ثروت کی غیرت سے ان امور میں روز بروز سخت سے سخت اور شدید سے شدید ہوتا چلا جاتا تھا کہاں تو ابتدائے زمانہ میں اُس کے خلوص آپ کے ساتھ یہ تھے اور کہاں آپ کے ساتھ اُس کے اختلاف کی یہ حالت ہوگئی کہ آپ کا کوئی فعل اب اسکی آنکھوں میں اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ مخالفان جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے مامون کو یہ خبر پہنچائی کہ امام علیہ السلام کے در دولت پر کثرت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہ آپ کی صحبت میں عموماً ایسے ذکر و اذکار کرتے ہیں جو خلیفہ عصر کی ہتک شان ہوتے ہیں۔ یہ سنکر مامون نے چند آدمی اپنی طرف سے ایسے مقرر کر دئے جو ایسے مجمع کو آپ کی خدمت میں جمع ہونے سے منع کریں۔ اور نہ ایسے ذکر و اذکار کو آپ کی صحبت میں ہونے دیں۔ مامون کے اس انتظام سے آپ کی صحبت میں اصحاب مخصوصین کا آنا جانا بھی قطعی کم ہوگیا۔ اور جو لوگ اپنے رسوخ اور خلوص کے تقاضوں سے گاہ بیگاہ آتی جاتے بھی تھے وہ بھی نہایت درجہ کی احتیاط اور بہت بڑی دیکھ بھال کرنے لگے۔ اور جاسوسان شاہی کی آنکھیں بچا کر نہایت مشکل سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کرنے لگے۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام سے مامون کی یہ حد درجہ کی مخالفت تھی۔ یہ واقعات اور

قرائن بتلارہے ہیں کہ آپ کی طرف سے وہ کیسا بدگمان اور بدظن ہو رہا تھا۔ اسوقت اُسکی آنکھوں کے سامنے اُسکی پولیٹیکل ضرورتیں موجود تھیں۔ اور یہ ضرورتیں ایسی شدید تھیں اور اُسکے لئے ایسی لازمی اور ضروری جن کے مقابلہ اور موجودگی میں وہ دنیا کے تمام سلاطین اور امرا کی طرح عموماً اور اپنے بزرگان پیشین کی طرح خصوصاً کسی دوسرے کو عزیز نہیں سمجھتا تھا۔ اور نہ اُس کے آگے کسی چیز کی کوئی قدر اور وقعت باقی تھی۔

جن لوگوں نے مامون کے واقعات کو غور اور استیعاب کی نگاہوں سے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے انعقاد ولیعہدی کے تھوڑے دنوں کے بعد ہی مامون ان معاملات میں گرفتار ہوگیا۔ اور حسن ابن فضل کی اُس اخیر اطلاع کے وقت سے جو اُسنے بغداد کی پرآشوبیوں سے تنگ آکر مامون کی خاص خدمت میں لکھ بھیجی تھی مامون کو سخت انتشار اور بیچینی ہو گئی۔ اور وہ اُسی وقت سے اس مسئلہ پر غور کرنے لگا۔ یہ تو اوپر کسی مقام پہ لکھا جاچکا ہے کہ ممالک حجاز اور عراق کے لوگ مامون اور اُس کی حکومت سے بالکل ناراض تھے۔ رعایا کے طبقہ کی ناراضی کا سبب تو وہی حسن ابن فضل کی ناقابلیت تھی۔ اور بنی عباس کی رنجش کی وجہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا مسئلہ تھا۔

مامون نے بلاد مغربیہ کی ان بدنظمیوں کا پورا حال دریافت کرکے جو اُس وقت تک اُسکی آنکھوں سے بالکل پوشیدہ تھیں انہیں امور کے دفعیہ اور اصلاح کو نہایت ضروری سمجھا۔ اور اُنکے بہت جلد رفع کرنے کی فکر میں ہمہ تن مصروف ہوگیا۔ مگر تاہم اُسنے ان امور کو نہایت خموشی کے ساتھ طے کرنا مصلحت سمجھا۔ اور اُسکے خلاف اپنی برات اور عالم فریبی کی نیت سے اُسنے ان امور کو رفع کرنے کے تمام ذریعوں کو نہایت حزم اور احتیاط کے ساتھ اپنی ظاہری عقیدت اور خلوص کی آڑ میں قائم رکھنا چاہا۔ چنانچہ سب سے پہلے مامون نے اس اصول کے ساتھ جس کے ہٹانے اور مٹانے کی فکر کی وہ فضل ابن سہل خراسانی تھا۔ اُس کے ساتھ مرتے دم تک اور پھر اُسکے مرنے کے بعد بھی مامون نے اپنے خلوص اور محبت کی جیسی کچھ ظاہرداری نباہی وہ پوری تفصیل کے ساتھ اوپر لکھی گئی۔ اور اپنی انہیں ظاہرداریوں کی آڑ میں اپنے خاص آدمیوں کو مقرر کرکے اُسکا شکار بھی کر لیا۔ اور یہ تمام امور ایسے حزم و احتیاط۔ ہوشیاری اور رازداری سے ادا کئے گئے کہ جب تک قاتلین فضل نے مامون کے دربار شاہی میں علے رؤس الاشہاد یہ نہ بیان کر لیا کہ ہمکو تو خلیفہ نے اس امر پہ مقرر فرمایا تھا کسی شخص کو کانوں کان نہ معلوم ہوئی۔

اور نہ اس سے قبل اعیان شاہی میں سے کسی ایک متنفّس کو بھی مامون کے اس ارادے اور اس تجویز کی کوئی خبر نہیں پائی۔

مامون کی خموشی اور آہستہ تدبیروں نے خلوص و محبت کے ظاہری طریقوں میں اپنی مخالفت اور مخاصمت کے تمام کام انجام دے دیئے۔ اور اپنی تمام دلی تمنائیں پوری کرلیں۔ اور اُس کے ظاہری خلوص و اتحاد کیوجہ سے کوئی شخص اُسکے اصلی مدعا تک نہ پہنچ سکا۔

مامون نے ان ظاہرداریوں کو فضل کے مرنے ہی تک تمام نہیں کر دیا۔ بلکہ اُسکے مرنیکے بعد بھی اُسکے اعزّہ اور احبّا کی دلجوئی اور اشک شوئی کی غرض سے اپنے ان ظاہری اصول کو برابر قائم رکھا۔ فضل کے مرتے ہی حسن کو اپنا وزیر بنایا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اُسکے خاندان اور اعزّہ کے ساتھ جیسے جیسے گرانمایہ عطایا اور محاسن سلوک قائم کئے۔ وہ بھی تحریر ہو چکے۔ اُنکی سرفرازی اور ممتازی کا سر یہانتک اونچا کیا گیا کہ حسن ابن سہل کی لڑکی کے ساتھ عقد کرلیا گیا۔ اور علاقہ فارس کا سہ سالہ خراج حسن ابن سہل کے لئے معاف کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ تو کیا گیا مگر جب ان معاملات کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی جاوے تو ثابت ہوجاتا ہے کہ ان ظاہرداریوں کے پردے میں وہ حسن ابن سہل کے بھی استیصال کی فکروں سے غافل نہیں تھا۔ بلکہ وہ انہیں ترکیبوں کی آڑ میں اُسکو مٹانے کی بھی تدبیریں کر رہا تھا۔ جیسا کہ تاریخ طبری کے اسناد سے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حسن کی علالت کی خبر سنکر اُسنے ظاہری طور پر اپنا خاص طبیب شاہی اُس کے علاج کے لئے۔ اور اپنا خاص ملازم اُسکی تیمارداری کے لئے بھیجا تو۔ مگر اُسے یہ تاکید بھی کردی تھی کہ اُسکو ایسی غذا کھلائیں جو اُس کے مزاج کے خلاف اور مرض کے اضافہ کا باعث ثابت ہوں اور اپنے غلام سے بھی تاکید کردی کہ اُسکی تیمارداری تو کی جاوے مگر اُس کے ہاتھ پاؤں سے زنجیر کے حلقے جو بخیال جنون پہنائے گئے ہیں نہ نکالے جائیں۔ اس لئے وہ مطلق العنان اور آزاد ہو کر کسی امور ملکی میں مداخلت نہ کرسکے۔ یہ واقعات مامون کی ظاہری چالوں کو اچھی طرح بتلا رہے ہیں اور اُس کے دلی مدعا کو بخوبی ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اپنے ان معاملات میں اپنی ظاہری محبت والفت کے ساتھ اپنی مخالفت اور مخاصمت کے طریقے بھی کس خموشی اور آسانی سے قائم رکھتا تھا۔ اب انہیں حالات اور واقعات کو پڑھکر ہر شخص بآسانی اندازہ کرسکتا ہے کہ مامون نے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے معاملات میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اور حقیقت میں تھا بھی ایسا ہی۔ قرائن اور وقتی ضرورت بتلا رہی ہے کہ مامون کے دل میں

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی طرف سے بھی ویسے ہی اندیشے پیدا ہو گئے تھے جیسے کہ فضل کی جانب سے۔ کیونکہ وہ اپنی موجودہ فکروں کے متعلق پہلے ہی سوچ چکا تھا۔ جیسا کہ اس مضمون کی ابتدا میں بیان ہو چکا ہے کہ بلاد مغربیہ کے تمام فتنہ و فساد کا باعث دو امر ثابت ہوتے تھے۔ ایک حسن ابن سہل کی امارت۔ دوسرے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی ولایت حسن کی امارت سے حجاز و عراق کے لوگ ناراض تھے تو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی سے تمام بنی عباس۔ غرضکہ جب تک ان دونوں صاحبوں کو ہٹا دیا انہیں ہٹا یا نہ جائیگا ملک میں تسلط۔ امن اور امان نہیں پیدا کیا جا سکتا۔ انہیں تجویزوں کو مد نظر رکھکر فضل کا تو خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ اور حسن کی اتفاقی علالت کی وجہ اور اُس کے پابجولاں کر دئے جانے سے مامون کو اپنی دو فکروں میں سے ایک فکر کی طرف سے تو یوں فراغت ہو گئی۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے شہید کرنے کی ضروری تدبیر

فضل کی فکر کے بعد مامون کو جو دوسری فکر لگی۔ وہ کسکی تھی۔ وہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی فکر تھی۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مامون اپنے ان تمام امور میں نہایت رازداری اور احتیاط و ہوشیاری ہی سے کام لیتا تھا۔ اور اپنے ظاہری خلوص و محبت میں سر مو فرق نہیں آنے دیتا تھا۔ اُس نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات میں بھی یہی طریقے اختیار کئے۔ بلکہ فضل کے معاملات سے زیادہ آپ کے امور میں اپنی رازداری اور ہوشیاری کا اظہار کیا۔ اُن میں سے ایک تو یہی تھا کہ مامون نے آپ کے معاملات کو بھی سرخس ہی کی منزل میں ختم کر دینا پسند نہیں کیا اور اُن کے ایسے دو عظیم الشان واقعات کو ایک ہی مقام پر واقع ہونا کسی طرح مصلحت نہ سمجھا۔ مامون سرخس کے موقع کو ٹال کر۔ دوسری منزل۔ خراسان میں پہنچا۔ یہاں پہنچکر جیسا کہ تمام کتب تاریخ و سیر کا اتفاق ہے۔ مامون نے بلاد مغربیہ۔ ماوراءالنہر۔ شام۔ الجزائر وغیرہ وغیرہ میں اپنی آمد کی حکمنامے لکھے۔ اور ان تمام مقامات کے عمالان ملکی کو اپنے آنے کی اطلاع لکھ بھیجی۔ ان حکمناموں میں یہ عبارت مندرج تھی۔ "کہ نابدولت بہت جلد تمہارے علاقوں میں نزول اجلال اور صدور اقبال فرما کر تمہاری ملکی ضرورتوں کو بنفس نفیس درست فرمائینگے"

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ مامون اپنے معاملات میں اب جو کچھ کرتا تھا۔ یا کرنیوالا تھا وہ اپنی خاص تجویز اور خاص اختیار سے۔ اُسکے موجودہ امور میں نہ کسی وزیر کی مشارکت تھی اور نہ کسی مشیر کی مداخلت۔ وہ اپنے نظم و نسق ملکی میں بالکل آزاد ہو گیا۔ اور مطلق العنان

چنانچہ یہ حکمنامے جو ممالک محروسہ میں چاروں طرف مشتہر کئے گئے۔ صرف اُسی کے مہر و دستخط کے جاری ہوئے تھے۔ اور اُسپر وزارت وغیرہ کا جائزہ اور تصدیق کچھ بھی نہیں لکھی تھی۔ اور یہ بالکل خلاف قاعدہ اور ضابطہ تھا۔ مگر مامون کو تو اب ان قدیم قواعد وضوابط سے کوئی واسطہ رکھنا ہی منظور نہیں تھا۔

اپنی ملکی ضرورتوں کے اعتبار سے مامون کو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے خاتمہ کی فکر ہوئی اور وہ خراسان پہنچکر اپنی اس دوسری فکر میں مصروف ہوا۔

جن لوگوں نے حضرات ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات پڑھے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس مبارک اور مقدس سلسلہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد۔ پھر ان کے کسی دشمن نے آپ حضرات میں سے کسی بزرگ کو بظاہر قتل نہیں کیا۔ اسکی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد کامل پانچ برس تک تمام ملک میں جیسی جیسی عام پرآشوبی۔ پرجوشی اور بدنظمی پھیلتی گئی۔ اور ان کے باعث سے سلاطین معاندین کو جیسی جیسی ملکی۔ مالی اور جانی تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھانی ہوئیں وہ آج تک اسلامی تاریخوں میں محفوظ ہیں۔

انہیں دقتوں اور آفتوں کو مدنظر رکھکر ان سلاطین مخالفین میں سے پھر کسی نے ان حضرات کے بظاہر قتل کئے جانے کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اور متواتر زہر دہانی کی انواع و اقسام کی خفیہ ترکیبوں اور سازشوں کے ذریعہ سے ان خاصان الٰہی کو خاتمہ تک پہنچادیا جیسا کہ ہم اپنے موجودہ سلسلۂ تالیف کے ہر نمبر میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔

انہیں قدیم سلاطین کی تقلید میں مامون نے بھی اس وقت کسی طرح حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے قتل پر اپنا ہاتھ اُٹھانے کی جراءت نہیں کی۔ بلکہ اُسنے بھی آپ کے مار ڈالنے کی خفیہ ترکیب کو قدیم دستور کے مطابق مناسب سمجھا۔ کیونکہ آپ کے بظاہر قتل کئے جانے سے اُسکو ملکی فتنہ و فساد کے فوراً واقع ہوجانے کا بہت بڑا خوف لگا ہوا تھا خصوصاً خراسان اور ممالک ایران کے باشندوں میں بدامنی اور بدنظمی پھیل جانے کا پورا یقین ہوتا تھا۔ اس لئے کہ یہاں کی رعایا سلاطین عباسیہ کیا ملوک امویہ کے وقت سے حضرات اہلبیت کرام علیہم السلام اور سادات عظام کی عقیدت رکھتے تھے۔ اس لئے مامون نے سوچ لیا کہ ان لوگوں کے مقابلہ میں فضیل کے قتل کی ایسی کھلی ترکیب مفید نہیں ہوگی۔ اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے قتل کے متعلق کوئی خفیہ تدبیر ان لوگوں سے مخفی نہیں رہ سکیگی۔

مامون یہاں انہیں فکروں کے ایچ پیچ میں تھا۔ اور ادھر بغداد میں ابراہیم کے داؤں چل رہے تھے۔ مامون کے تمام انتظام۔ دستور اور احکام اُن علاقوں سے اٹھ چکے تھے۔ اور روز بروز مٹتے چلے جاتے تھے۔ اُسکی سطوت اور حکومت کے آثار رعایا کے دلوں سے یوماً فیوماً مٹتے جاتے تھے۔ غرض بغداد میں مامون کے لئے اس وقت وہ تمام آثار جمع ہو رہے تھے جو اس سے تین برس پہلے اس کے بھائی امین کے لئے اکٹھا ہو چکے تھے۔

مامون کو روزانہ خبریں پہنچا کرتی تھیں۔ اور ان دہشت انگیز اور وحشت خیز اطلاعوں نے اُس کو ایسا مضطرب الحال بنا رکھا تھا کہ دنیا کی دنیا اُسکی آنکھوں میں سیاہ ہو رہی تھی۔ وہ تھا اور ہر وقت کی سوچ۔ وہ تھا اور ہر وقت کی غوطہ۔ مامون کو انتشار و اضطرار سے سامنا کرنے کا یہ دوسرا موقع تھا۔ پہلا موقع تو وہ تھا جب اُس نے اپنے ملک پر امین کی تاخت کی خبر پائی تھی۔ اُس وقت بھی وہ ایسا پریشان اور حیران تھا کہ بالآخر ہر طرف سے مایوس ہو کر جناب باری تعالےٰ عزاسمہ کی درگاہ میں نذر کی تھی کہ اگر میں امین کے مقابلہ میں کامیاب ہوا تو میں امر خلافت کو ضرور اسکے مرکز اصلی کی طرف پھیر دونگا۔ جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس وقت بھی اسکے دل اضطرار اور قلبی انتشار کی یہی کیفیت تھی۔ مگر قدیم حالت سے موجودہ حالت میں جو فرق تھا وہ یہی کہ اُسکے اضطرار و انتشار کی پہلی حالت کے ساتھ جہاں اسکے دل میں امین کا خوف سمایا ہوا تھا وہاں خدائے تبارک وتعالیٰ کی تائید کی امید بھی تھی۔ اور اُسکی قوت وجبروت کا اعتراف بھی تھا۔ اگرچہ وہ محض وقتی اور عارضی کیوں نہو۔ اُس وقت مامون کے دل میں اُس کی موجودہ حسرت و یاس نے خلوص وعقیدت خداوندی کے تھوڑے بہت جوہر بھی پیدا کر دئے تھے۔ مگر اُسوقت کی حالتوں کے بالکل خلاف۔ اس وقت مامون اپنی ملکی تدبیروں اور عملی ترکیبوں پر اعتبار کرتا تھا۔ اس وقت اسکے دل میں خدا کے خوف کی جگہ اپنی مفسدہ پرداز رعایا کی دہشت اور اپنی سلطنت چلی جانے کی حسرت دل میں سمائی ہوئی تھی۔ اور وہ اپنے امور کی ترتیب اور اصلاح میں خاصکر اُن تدابیر اور حیلہ و حوالہ کی ترکیب سے کام لینا چاہتا تھا جن کو دیانت اور راستبازی کے طریقوں سے کوئی واسطہ اور سروکار باقی نہیں تھا۔

ارباب بصیرت اور اصحاب حقیقت پر اچھی طرح روشن ہے کہ انہیں وجہوں سے مامون کے ارادوں میں توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ جو اُس کے طرز عمل کو خلوص و نیک نیتی کے جوہروں سے راستہ کرتی۔ بلکہ بخلاف اس کے اُسکی تمام کارروائیوں میں مکر، حیلہ اور دغا و فریب کی ترکیبیں برابر

داخل ہوتی گئیں۔ اور وہ ابکی بار اپنے ملک و دولت کے استحفاظ و استحکام کے طریقوں میں ہوائی
بڑے راستوں کے کوئی مستحسن طریقہ اختیار نہ کر سکا۔ صدق اللہ العلی العظیم وما ابری
نفسی لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی۔ اگرچہ اُس وقت بھی مامون وہی مامون تھا اور اُسکے
حفظان سلطنت اور قیام ملک و دولت کی ضرورتیں بھی وہی تھیں۔ مگر فرق تھا تو یہ اور یہی
تھی تو اتنی کہ اُس وقت توفیق رفیق اُسکے شامل حال تھی۔ اور اس وقت غرور سلطنت کی
شامت اعمال نتیجہ یہ ہوا کہ اُس وقت اُسکے حسن تدبیر نے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام
کی معرفت حقوق کا شرف حاصل کیا اور اس وقت اسکی سوء تدبیری نے حضرت امام موسی رضا
علیہ السلام کے قتل کی فکریں کروائیں۔ اُس وقت اسکی قلبی کیفیت خشوع الہی کی خبر دے رہی
تھی اور اس وقت اُسکا غرور سلطنت اُس سے کوس لمن الملکی بجوا رہا تھا۔ اُسکی نشہ شاہی کی
ترنگیں اور عروج سلطنت کی اُمنگیں اُسکے دماغ میں اس وقت جیسے جیسے مجنونانہ خیالات پیدا
کر رہی تھیں۔ وہ انہیں کے مطابق کام کر رہا تھا۔ اس لئے وہ اُسکی قدیم دینداری۔ راستبازی۔
ہر معاملہ میں حد درجہ کی شرعی احتیاط۔ سادات کرام کے ساتھ خلوص و عقیدت۔ علماء و فضلاء کی
تعظیم و تکریم سب رخصت ہو گئیں۔ اب اس وقت اپنی سلطنت بچانے کے سوا اُسکے دل میں کوئی
دوسرا خیال باقی نہیں ہے۔ اور وہ اپنی ان فکروں میں ایسا مبہوت ہے کہ نیک و بد اور بجا و بیجا
کی تمیز سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ بیخودی کا عالم ہے۔ اور مدہوشی کی کیفیت۔ اپنی اسی کیفیت
میں اُسنے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات پر بھی غور کیا۔ اور اپنی غلط تجویز اور سراسر
خطا تدبیر کے اعتبار پر آپ کے معاملات کو فضل ابن سہل کے امور کا مساوی اور ہموزن ٹھیرایا۔
حالانکہ دونوں امور میں جو آسمان زمین کا فرق تھا وہ روز روشن کی طرح اُسکی آنکھوں کے سامنے
موجود تھا۔ اور جسکو وہ ہر روز۔ ہر امر۔ ہر حال اور ہر صورت سے براۃ العین دیکھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ
کھلی۔ واضح اور موٹی بات تو یہ تھی کہ آغاز سلطنت سے فضل اُسکے تمام ملکی۔ مالی۔ فوجی۔ حتی کہ اُسکی
امور خانگی میں بھی پوری مداخلت رکھتا تھا۔ اور وہ اسکے مزاج میں اتنا رسوخ رکھتا تھا اور
اُسکے تمام معاملات میں اتنا حاوی ہو گیا تھا کہ اُسکے خلاف مامون بھی کوئی امر اپنی طرف سے
باختیار خاص نہیں کر سکتا تھا۔ یہ فضل کے رسوخ کی انتہا تھی کہ اُسنے امیر سلطانہ۔ جو مامون کی
بہت بڑی چہیتی بہن تھی۔ اُسکے محلسرا کے دروازے کو۔ جو مامون کی خلوت سے ملا ہوا تھا بند
کروا دیا۔ وہ خاتون جب چاہتی تھی اُسی دروازے سے بھائی کے پاس چلی آتی تھی۔ اسی واقعہ

سے فضل کے رسوخ اور غلبہ کا کامل اندازہ کر لیا جا سکتا ہے۔
اب فضل کے رسوخ کے مقابلہ میں ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ نہ فضل کے ایسی قدامت آپکو حاصل تھی۔ نہ مداخلت۔ قدامت کی نسبت تو معلوم ہے کہ آپ کی ولیعہدی کو ابھی سال بھر بھی نہیں گذرا ہے۔ باقی رہی مداخلت۔ اُسکی حالت یہ ہے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے قبول ولیعہدی کے وقت ہی ان امور کے وقوع کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔ اور فضل کے موجودہ اختیار اور اُس کے آیندہ زوال وادبار کو مدنظر رکھکر صاف صاف لفظوں میں لکھدیا تھا کہ میں تمہاری ولیعہدی کو اس شرط کے ساتھ البتہ قبول کرتا ہوں کہ میں سوائے مشورۂ نیک کے تمہارے اور کسی امر میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرونگا۔ جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ آپ کی کل یکسالہ ولیعہدی کے حالات دیکھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنے اس قول اور اپنے اس اقرار پر کس استقلال اور استحکام سے کام لیا۔ اور اتنی مدت میں مامون کے کسی معاملہ میں سوائے مشورت کے کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں فرمائی۔
پھر ایسی حالت میں مامون کا آپ کے معاملات کو فضل کے امور کے برابر اور مساوی سمجھنا۔ اُس کی کوتہ اندیشی، سوء فہمی اور ناانصافی کی دلیل نہیں تو کیا ہے۔ یہ حالات مامون کی خطا اور غلطی کو صاف صاف بتلا رہے ہیں۔
ان امور کے علاوہ۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام اور فضل کے فیمابین، جو حسن کے اطلاعنامہ کے وقت سے لیکر اس وقت تک باہمی اختلاف چلا آتا تھا وہ بھی مامون کو پورے طور سے معلوم تھا۔ اور جب اُسے یقین تھا کہ فیمابین مشاجرت اور مخالفت کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اور فضل جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی اُس راست بیانی اور صدق کلامی کے باعث سے بہت ناراض ہے جو آپ نے فضل اور حسن کی بدعملی اور سوء تدبیری کے متعلق اُس کے دربار میں ظاہر کی تھی تو پھر یہ سب باتیں جانکر فیمابین مساوات قائم کرنا اور فضل کی طرح حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو بھی مخالف سلطنت تجویز کرنا۔ کسی دانشمند انصاف پسند کا کام نہیں ہو سکتا۔
اسکے علاوہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے مامون کو تو فضل کے اُس حریفانہ ارادے اور مخالفانہ مشورے سے بھی مطلع کر دیا تھا جو اُس نے انتزاع سلطنت کر لئے جانے کی نسبت اور آپ کو مسند امارت پر اُسکی جگہ بٹھلائے جانے کے متعلق دی تھی۔ کیا یہ امور فضل کی مخالفت اور

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی نیک نیتی۔ صداقت و دیانت کو ثابت نہیں کرتے۔ ان واقعات اور حالات کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ مامون نے فضل اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات میں مساوات قائم کرنے کی جو تدبیر اور تجویز کی وہ بالکل بیجا غلط اور غیر مناسب تھی فضل اور آپ کے معاملات میں ملکی ضرورتوں کے اعتبار سے کوئی مساوات نہیں تھی۔ اور اُس کے امور کو آپ کے معاملات سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔ اب اس مقام پر ایک شبہہ اور پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ کیا مامون باوجود اپنے ذاتی علم اور اطلاع کے ان معاملات کی اختلاف اور حقیقت احوال کو نہیں جانتا تھا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ وہ ان معاملات سے بخوبی واقف تھا۔ اور جیسا کہ تاریخی مشاہد ثابت کر رہے ہیں۔ وہ ان امور سے پورا واقف تھا۔ فضل کے مخفی جاسوسوں کی بھی اُسے خبر تھی اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی راستبازی اور صداقت کی بھی اُسے کامل اطلاع تھی۔ وہ فضل کی عادات سے بھی مطلع تھا اور حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے اخلاق سے بھی آگاہ۔ مگر دنیا جانتی ہے۔ زمانہ آگاہ ہے کہ دولت بڑی بُری شے ہے۔ حرص سلطنت اور طمع امارت بجائے خود سخت بلا اور دشوار گزار آفت ہے جسکی آرزو جس کے اشتیاق اور جسکی تمنّا میں انسان سے جو نہو جاوے وہ تعجب کا مقام اور حیرت کی جگہ نہیں ہے۔ دنیا کے کارنامے ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اور دنیا کی وسیع آبادی میں ایسے واقعات برابر مشاہدے میں گزرتے ہیں۔ کسی ملک کسی قوم کی تاریخ اُٹھا کر دیکھی جائے تو اُس میں ایسے واقعات ضرور پائے جائینگے کہ اس سلطنت کی طمع اور اس دولت کے لالچ میں پڑکر بیٹے نے باپ کو۔ باپ نے بیٹے کو مار ڈالا۔ بھائی نے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ جب اسکے اشتیاق اور اسکی تمنّا میں یہ شقاوت بھری ہوئی ہو تو پھر انسان اسکا گرویدہ بنکر اپنے قریب سے قریب اور اپنے عزیز سے عزیز کو نہ قتل کر ڈالے تو کیا تعجب ہے۔ اور وہ کون ہے جو ان امور کے یقین کرلینے اور مان لینے سے انکار کرسکتا ہے۔ مامون بھی تو آدمی ہی تھا معصوم نہیں۔ محفوظ الخطا والعصیان نہیں۔ اُسے بھی تو اپنی جاتی ہوئی سلطنت و شاہی کی فکر دل سے لگی ہوئی تھی۔ اور وہ اپنی ان غلط فہمیوں کی وجہ سے مساوات کے اصول پر اعتبار کر کے فضل اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو خاتمہ تک پہنچانے کے لئے بالکل مستعد اور تیار ہو چکا تھا۔ پھر اگر اُس نے اپنے اس قصد کو پورا کیا اور فضل کی طرح جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو بھی قتل کیا۔ تو اُسکا یہ فعل خلاف عقل کیونکر ہوسکتا ہے۔ تاریخی مشاہد۔ واقعات اور قرائن تو اسکے ان ارادوں اور طرز عمل کو پورے طور سے بتلا رہے ہیں۔

حقیقت احوال یہی ہے کہ مامون نے اسی کمبخت سلطنت کے لالچ میں پڑ کر۔ جو اس وقت شدت سے اُس کے تمام عقل وشعور پر اپنا پورا غلبہ کئے ہوئے تھی اور اُسکی آنکھوں کو مشاہدۂ حقیقت سے بالکل بے بصیرت بنائے ہوئے تھی۔ فضل اور جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے معاملات میں کوئی فرق اور کوئی امتیاز کرنے نہیں دیا۔ اگر وہ اپنی ان خواہشوں سے علیحدہ ہوکر ان امور میں عدالت سے کام لیتا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے اصل معاملہ کی تلاش کرتا تو اُسے معلوم ہو جاتا کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے قتل کرنے میں اُس کی تجویز ہرگز مناسب نہیں تھی۔ نہ کوئی ملکی تدبیر آپ کے استیصال اور خاتمہ کو ضروری بتلاتی تھی اور نہ کوئی سیاسی ضرورت آپ کے دفعیہ کو لازمی قرار دیتی تھی۔ اور یہ ضرورت یہ احتیاج ہوتی تو کیسے۔ آپ نے تو ابتدا ہی سے کسی ملکی امر میں کسی قسم کی مداخلت ہی نہیں کی۔ پھر اُس کے نفع اور ضرر کا یقین آپ کی ذات ستودہ آیات سے متعلق بتلایا جاتا تو کیسے۔ پھر ایسے بے سروکار اور قطعی دست بردار شخص کے قتل کو مصالح ملکی کا سبب بتلانا شقاوت کا کام نہیں تو کیا۔

ہم اس کتاب سے پہلی کتاب میں جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فضائل ومناقب کے سلسلہ سے متعلق اسی مامون کی زبانی ہارون رشید کی وہ وصیت درج کر چکے ہیں جو اُس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی فضیلت اور قدر ومنزلت کے اعتراف میں مامون اور اپنی دیگر اولاد سے کہا تھا۔ اور اپنے سلسلۂ کلام میں آپ کے تمام مدارج و مراتب کو بیان کرکے صاف صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ باوجود اتنے علم اور اتنی اطلاع کے میں نے اُن سے مخالفت کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میں اس کے لئے مجبور بھی تھا کیونکہ ملک ودولت عقیم ہے۔

ہارون کی اس تجویز ناقص کی تردید ہم پوری تفصیل کے ساتھ اُس کتاب میں درج کر چکے ہیں۔ اب باپ کے طرز عمل پر بیٹے کے عملی طریقوں کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ مامون نے اپنی خلوص اہلبیت کرام کے سبب کو یہی باپ کی وصیت بتلائی ہے۔ جیسا کہ صواعق اور فصل الخطاب اور روضۃ الصفا کے اسناد سے اوپر لکھا گیا ہے۔ مگر ہم جہاں تک اس امر پر غور کرتے ہیں۔ ہمکو یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح مامون نے خلوص وعقیدت کو اپنے باپ کی وصیت سے حاصل کیا تھا اُسی طرح مخالفت اور عداوت کا ضروری سبق بھی اُسی کے پاس سے لیا تھا۔

اور وہ اس طرح سے کہ مامون نے اپنے اوائل ایام حکومت میں ہارون کی وصیت کے ابتدائی حصہ پر اپنے طرز عمل کو اختیار کیا اور اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق ان حضرات سے اپنی محبت اور ارادت کے ذریعے قائم کئے۔ مگر پھر چند روزوں کے بعد اپنے باپ کی اُسی وصیت کے آخری مضمون پر کہ ملک وو ولت عقیم ہے پورا پورا کار بند ہوگیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات میں اُس نے اپنے طرز عمل کے اظہار سے اپنے آپ کو رشید کا خلف الرشید ثابت کردیا۔

جن لوگوں نے مامون کے پورے حالات کو دیکھا ہے وہ پورے طور سے جانتے ہیں کہ مامون نے اپنے باپ ہارون کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ اپنی محبت۔ اپنی عقیدت اور اپنے خلوص کی بہت بڑی پُرجوشی دکھلائی۔ مگر آگے چل کر جب ملک وودولت کی ضرورت سامنے آگئی اور اُس کے عظیم ہونے کی شان نظر آنے لگی تو وہ پھر ہارون کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق کہ "اگر میری عزیز ترین اولاد میں سے بھی کوئی ان امور سلطنت کی خواہش کرے تو میں آنکھیں نکلوا لوں"۔ سابق کے خلوص و عقیدت کو بھلا بیٹھا۔ اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی مخالفت اور مخاصمت میں شدید ترین طرز عمل اختیار کیا۔ جب ان معاملات پر غور کی نگاہ ڈالی جائیگی تو معلوم ہو جائیگا کہ جس طرح ہارون نے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کو اپنی سلطنت و حکومت کے لئے مضر اور مخل سمجھنے میں غلطی کی تھی ویسی ہی مامون نے بھی اس وقت جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو اپنی دولت و حکمرانی کے لئے باعث مضرت سمجھ کر بہت بڑی خطا کی۔ جیسا کہ اوپر کے واقعات سے ثابت کردیا گیا ہے۔ بہرحال مامون کے تمام طرز عمل کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات میں پہلے تو اپنے خلوص و عقیدت کا ضرور اظہار اور اقرار کیا تھا۔ مگر پھر سال ہی بھر کے بعد اُس کی رائے پلٹ گئی۔ اُس کے خیالات تبدیل ہو گئے۔ اُسکے ارادے اور نیت بدل گئے۔ خلوص اور محبت کی جگہ اُس کے طرز عمل سے مخالفت اور مخاصمت کا کامل اظہار ہونے لگا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ شہر خراسان میں پہنچکر اُس نے اپنی اُس مخاصمانہ تجویزوں اور مخالفانہ تدبیروں کو پورا کردیا جنہیں وہ پہلے سے اپنے دل میں سوچ چکا تھا۔ غرض ان تمام اندرونی اور بیرونی قرائن اور واقعات پر پورا غور کرنیکے

بعد۔ ہماری کتاب کے تمام ناظرین بخوبی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے پوشیدہ قتل کئے جانے کا باعث مامون ہی تھا۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کی زہر دہانی کی ترکیبیں تنہا اُسی کی طرف سے عمل میں لائی گئی تھیں۔ اور اُس کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے نہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ اُس نے آپ کے معاملات میں شروع سے آخر تک عام عالم فریبی کی غرض سے اپنے ظاہری خلوص اور عقیدت کی ایسی چادر ڈال رکھی تھی کہ عام لوگوں کیا۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ اچھے اچھے اور خاص خاص حضرات بھی اُس کو آپ کے قتل کے الزام سے نکال کر نواصب بنی امیّہ کو آپکی زہر دہانی کا باعث بتلانے لگے۔ مگر ایک ذراسی فکر اور تلاش کے بعد۔ یہ پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور حقیقت حال کی پاک وصاف صورت دکھلائی دینے لگتی ہے۔ جن حضرات کو ایسے شبہے واقع ہوئے ہیں۔ حقیقت میں وہ اصل واقعات کی تحقیق اور تلاش کی طرف بہت کم گئے ہیں۔ اور اُنہوں نے اس کی تلاش اور تحقیق میں تاریخی مشاہد کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی ہے۔ اور اسی وجہ سے ان معاملات میں اُن کو ایسے شبہے واقع ہوئے ہیں۔ اس سے تو شاید کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ مامون کے درمیان سفر شہر خراسان میں واقع ہوا۔ اس سفر میں مرو سے لیکر خراسان تک کوئی بنی عباس عام اس سے کہ وہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کا مخالف ثابت ہوتا ہو۔ یا موافق۔ مامون کا رفیق اور شریک نہیں پایا جاتا۔ جو فضل یا اور دیگر عمائد اور اکابر دولت کی طرح اُس کے کاروبار ملکی میں دخیل اور متصرف ثابت ہوتا ہو۔ اس کے خلاف تاریخی واقعات بتلا رہے ہیں کہ اس وقت تمام بنی عباس مامون کی تجویز ولیعہدی سے ناراض ہو کر ابراہیم کے پاس بغداد میں جمع تھے۔ اور ممالک مغربیہ میں مامون کی جگہ اُس کی امارت اور حکومت کے استحکام کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر ایسے وقت میں خراسان میں آپ کی شہادت کو ان لوگوں کے اغوا اور ایما کی تحریک بتلانا کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ ان لوگوں نے بغداد سے اس امر کی سلسلہ جنبانی کی تو یہ بھی عقل سے بعید ہے۔ کیونکہ مامون کے موجودہ ہمراہیوں میں کوئی شخص ایسا نہیں پایا جاتا جس پر ابراہیم اور اُس کی پارٹی والوں کے زیر اثر ہونے کا گمان بھی ہو سکے۔

خلاصہ یہ کہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مامون کو چھوڑ کر بنی عباسیوں کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کا قاتل ٹھیرایا جاوے۔ یہ کسی واقعہ شناس اور تاریخ سے خبر رکھنے والے کا کبھی کام نہیں ہوسکتا کہ وہ اتنے واضح اور کامل ثبوتوں کی موجودگی میں مامون کا الزام بنی عباسیہ کے سر لگائے گا۔ اور اگر بہزار دشواری۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ مان بھی لیا جاوی کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی شہادت کے باعث یہی بنی عباسی ہوئے۔ تو وہ بھی اگر ہونگے تو پھر مامون ہی کی طرف سے اس کارگذاری پر مامور کئے گئے ہونگے۔ جیسا کہ فضل کے قتل کے وقت بھی ڈھونڈھ ڈھونڈھکر ایسے ہی لوگ نکالے گئے تھے۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام اور اپنی وفات کی پیشین گوئی

ہم اپنی مندرجہ بالا طول وطویل بحث کو تمام کرکے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی وفات حسرت آیات کے مفصل حالات قلمبند کرتے ہیں۔ اور مامون کی وہ مخاصمانہ ترکیبیں جو اُسنے اپنے ظاہری خلوص وعقیدت کی آڑ میں آپ کے استیصال وہلاکت کے متعلق عمل میں لائیں۔ بیان کرتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم آپ کی شہادت کی احوال شروع کریں۔ سب سے پہلے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے وہ اقوال اور ارشاد درج کرتے ہیں جو آپ نے اپنی وفات سے پہلے پیشینگوئی کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔ امام ابن حجر صواعق محرقہ میں اور خواجہ محمد پارسا فصل الخطاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید مدینۂ منورہ زاداللہ شرفاً میں آیا۔ وہ اُس کی سلطنت کا اخیر زمانہ تھا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اُسے دیکھکر ارشاد فرمایا کہ ہم اور یہ ایک ہی مقام پر مدفون ہونگے۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد جب خراسان میں آپکی شہادت واقع ہوئی تو آپ ہارون کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

حسن ابن عباد حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے کاتب ناقل ہیں کہ جب مرو سے مامون نے بغداد جانے کا ارادہ کیا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس سفر کی نسبت آپ سے استفسار کیا تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں۔ مامون تو بغداد تک ضرور پہنچ جائیگا مگر افسوس کہ ہم وہاں تک نہ پہنچیں گے۔ اور نہ اُس سرزمین کو پھر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ حسن ابن عبادہ کا بیان ہے کہ اتنا کہکر آپ کچھ ایسا ملول ہوئے کہ بیساختہ آپکی چشم مبارک سے آنسو نکل آئے۔ میں آپکی یہ حالت دیکھکر سخت منتشر ہوا۔ اور عرض کی کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم یہ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ میں تو اس امید پر کہ آپکے ہمراہ داخل عراق ہوکر اہل وعیال کی ملاقات سے ایک مدت کے بعد مسرور الحال ہوں نہایت خوش ہوتا تھا۔ اور آپ سے حقیقت احوال پوچھنے آیا تھا۔ مگر آپ نے وہ مایوسانہ کلام ارشاد فرمائے کہ اب میری تمام امیدیں منقطع ہوگئیں۔ یہ سنکر آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ صورت حال صرف میرے ہی ساتھ ہونے والی ہے۔ الحمدللہ تم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی وفات کے متعلق ہم نے اس مقام پر صرف دو پیشنگوئیاں درج کردی ہیں۔ ابھی اسکے ایسے کثیر التعداد اخبار وآثار اس وقت پیش نظر ہیں۔ جن کو ہم طوالت کے باعث سے قلم انداز کرتے ہیں۔ ان دونوں پیشین گوئیوں سے معلوم ہوگیا کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنی وفات کی پیشین گوئیوں کا سلسلہ مدینہ کے قیام کے وقت سے بغداد کی روانگی کے وقت تک برابر قائم رکھا۔ بلکہ خراسان پہنچکر شہادت کے دو روز پہلے ہرثمہ سے اپنے قتل کئے جانے کی ساری روئداد پوری تفصیل کے ساتھ بیان کردی۔ اور ہم اسکو بھی ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

شہادت سے دو روز پہلے اپنی وفات کے تمام حالات ہرثمہ سے بیان فرمادئے

قبل اسکے کہ ہم اپنے موجودہ بیان کو آغاز کریں ہمکو لازم ہے کہ ہم ہرثمہ کے متعلق اپنے ناظرین کو بتلادیں کہ یہ ہرثمہ ابن اعین نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرا شخص ہے۔ راویوں کو اسکے نام لکھنے میں شبہہ ہوگیا ہے۔ ورنہ ہرثمہ ابن اعین تو حسن ابن سہل سے ناراض ہوکر مرو میں مامون کے پاس اسکی شکایت کرتے آیا۔ اور وہیں فضل کے اشارہ سے بحکم مامون قتل کیا گیا۔ اسکی پوری کیفیت روضۃ الصفا جلد سوم میں مندرج ہے۔

بہرحال۔ اتنا لکھ کر ہم اپنے موجودہ بیان کو شروع کرتے ہیں کہ ہرثمہ کا بیان ہے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اپنی وفات سے دو روز پہلے مجھے آدھی رات کے قریب بلابھیجا میں خدمت بابرکت میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ صحن خانہ میں محزون ومغموم بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بسلام کرکے ایک طرف بیٹھ گیا۔ آپ نے مجھ سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ اے ہرثمہ۔ میری عمر تمام ہوگئی۔ اور میری اجل نزدیک آگئی۔ میں بہت جلد اپنے خدائے عزوجل کی طرف رجوع کرنیوالا ہوں۔ اور اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے ملنے والا ہوں۔ اے ہرثمہ آگاہ ہو کہ اس باغی (مامون) نے پورا ارادہ کرلیا ہے کہ انگور اور انار میں مجھے زہر دلوائے۔ انگور

میں زہر اس طرح مخلوط کیا جاوے کہ سوئی کو تاگے سمیت زہر ہلاہل میں ڈبو ڈبو کر دانہ ہائے انگور میں ... پرسے لیکر نیچے تک دو تین بار نکالے اور بیٹھا لینگے۔ یہاں تک کہ وہ سم قاتل اُس تاگے کے ذریعہ سے اُس انگور میں پورے طور پر اثر کر جائیگا۔
اور انار میں وہ زہر اس ترکیب سے ملائیں گے کہ اس زہر کو اُس کے ملازم اپنے ہاتھوں میں اچھی طرح مل لیں گے اور اپنے اُنہیں سم آلود ہاتھوں سے وہ انار نچوڑ کر میرے لئے آب انار تیار کیا جائیگا۔ اور اس ترکیب سے وہ زہر آب انار میں مل جائیگا۔ یہی آب انار میری اجل موعودہ کا ساغر سرشار بنکر میرے پاس بکمال اخلاص گزاری و منت داری پیش کیا جاویگا۔ میں بھی چونکہ یہی تکلیف میرے لئے روز ازل سے مقدر ہو چکی ہے اور میں اُسپر پوری اطلاع رکھتا ہوں رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ سمجھکر قبول کرلونگا۔ اور پی جاؤنگا۔ اور اس دار ناپائدار سے دار القرار کی طرف کوچ کر جاؤنگا۔
اے ہرثمہ جس وقت مامون کو میری شہادت کی خبر ہوگی تو وہ میرے غسل وکفن کا اہتمام اپنے پاس سے کرنا چاہیگا۔ اور اپنا یہ ظاہری خلوص وارادت دکھلاکر میری شہادت کا الزام اپنے سر سے اُٹھانا چاہے گا۔ تو اے ہرثمہ۔ اس امر پر تم اُسکو مستعد پاکر خلوت میں اُس سے یہ پیغام میرا کہدینا کہ اگر تو میرے ان امور میں مداخلت کریگا جو دنیاوی امور سے قطعی طور پر علیحدہ ہو کر معاملات عقبےٰ سے تنہا تعلق رکھتے ہیں۔ تو حق سبحانہ تعالےٰ۔ تجھے ذرا بھی مہلت نہ دیگا۔ اور جو عذاب کہ روز آخرت میں میری شہادت کے عوض میں تیرے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ دنیا میں فوراً تجھ پر نازل ہو جائیگا۔ اے ہرثمہ۔ جب تجھ سے وہ میرا یہ قول سنیگا تو اپنے اس ارادے سے باز رہیگا۔ اور میری خدمات آخری کا سرانجام تیرے سپرد کرکے خود اُس کے ملاحظہ کے لئے سقف خانہ پر جا بیٹھے گا۔ اے ہرثمہ۔ تم بھی اُس کے کہنے کے مطابق میرے غسل وکفن کے سامان میں مصروف ہونا۔ بلکہ یہاں تک انتظار کرنا کہ اس خیمہ سفید میں کچھ لوگوں کی آوازیں محسوس ہوں۔ تو تم میری لاش کو وہاں رکھکر فوراً اُس خیمہ سے باہر چلے آنا۔ اور خبردار۔ قنات یا دیگر روزن خیمہ وغیرہ کے ذریعہ سے ان اسرار کے دیکھنے کی کبھی جرأت نہ کرنا۔ کیونکہ یہ امر تمہاری مضرت اور ہلاکت کا باعث ہوگا۔ جب ان امور سے فراغت ہو جائیگی۔ تو اے ہرثمہ۔ تعریضاً مامون تم سے باواز بلند کہیگا کہ کیوں۔ کیا شیعوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ امام کو امام ہی غسل دیتا ہے اور کوئی نہیں۔ اس وقت یہ تو ہمارے پاس طوس میں ہیں۔ اور اُن کے صاحبزادے

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ پھر یہ امور کیسے انجام پائے۔ تو تم اُس کے جواب میں کہنا کہ اس میں شک نہیں کہ شیعوں کا یہی اعتقاد ہے۔ اگر کوئی مانع نہو۔ مگر جب کوئی ظالمترین خلائق مانع ہو تو اُس کی مخالفت یا مخاصمت سے اُن کی امامت باطل نہیں ہوتی۔ پس اگر جناب امام موسی رضا علیہ السلام مدینہ میں انتقال فرماتے تو بھی اُنہیں حضرت امام محمد تقی علیہ السلام غسل دیتے۔ اور یہاں بھی انشاء اللہ تعالٰے وہی غسل دینگے۔ مگر مخفی طریقہ سے۔ اے ہرثمہ۔ تم اُس خیمہ میں جس میں میری لاش رکھی ہوئی ہے۔ دروازہ کھلنے تک انتظار کرنا۔ جب دروازہ کھلے۔ تو تم مجھے غسل و کفن کردہ پاؤگے۔ اس کے بعد میرے جنازے کو مدفن تک لے جانا۔ وہاں پہنچکر مامون کی تجویز ہوگی کہ وہ مجھے اپنے باپ کی پشت پر مشرق طرف دفن کرے۔ مگر اُس کی یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ کتنا ہی کھودیں۔ ایک ریزہ زمین نہ کھُدیگی۔ یہ حالت دیکھکر تم مامون سے کہدینا کہ یہ جگہ میری قبر کی نہیں ہے جسے تو نے تجویز کیا ہے۔ بلکہ ہارون کی قبر سے آگے پچھم کی طرف بڑھکر کھودو۔ وہی میرے مدفن کا مقام ہے۔ مامون میرے اس پیام کو مان لیگا۔ اور مقام مذکورہ پر قبر کھُدوائیگا۔ تھوڑی سی مٹی ہٹائے جانے کے بعد میری قبر کھُدی کھُدائی پائی جائیگی۔ اُس وقت تم لوگ میرے دفن کر دینے میں جلدی نکرنا۔ تھوڑی دیر توقف کرنا۔ یہاں تک کہ میری قبر میں پانی نمودار ہوگا۔ اور اُس میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ضرور نمودار ہونگی۔ انکے نمودار ہونے کے بعد پھر ان میں ایک بڑی مچھلی ظاہر ہوگی جو تھوڑی دیر میں ان چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جائیگی۔ پھر وہ بھی غائب ہو جائیگی۔ اور تھوڑی دیر میں وہ پانی بھی زمین میں جذب ہو جائیگا۔ اُس وقت تم لوگ مجھے قبر میں اُتارنا۔ میری قبر خود بخود بند ہو جائیگی اور تمہیں مدفون کرنے کی بھی چنداں تکلیف نہیں کرنی ہوگی۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ آپ کی یہ وصیتیں سُنکر اُن کی مفارقت سے میں از حد ملول ہوا۔ اور خدمت مبارک میں عرض کی کہ آپ نے جیسا ارشاد فرمایا ہے انشاء اللہ تعالٰے ویسے ہی عمل میں آئیگا۔ اس کے بعد میں اپنے گھر واپس آیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مامون کا ملازم شاہی میری طلبی میں آیا۔ میں اُس کے پاس گیا۔ مامون نے مجھ سے کہا کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو جاکر جلد از جلد بُلالاؤ۔ اور میری جانب سے کہو کہ آپ اس وقت تھوڑی تکلیف گوارا فرماکر یہاں تشریف لائیں آپ نہ آئینگے تو میں خود حاضر ہوتا ہوں۔

اس انوکھی فہمائش اور عجیب وغریب فرمائش کو دیکھکر ہر شخص بخوبی اندازہ کرسکتا ہے کہ مامون کے

دلی ارادے۔ اسوقت کی بیوقت طلبی سے کیا تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نہ اسوقت کوئی ایسی ملکی ضرورت لاحق تھی جس میں آپ کی مشورت ضروری تھی اور نہ کوئی سیاسی مسئلہ ایسا تھا جس میں آپ کی تشریف آوری لازمی سمجھی گئی تھی۔ اور اگر تھی بھی تو جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو اُس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اور آپ اپنے حسب الاقرار ہمیشہ اُن امور سے غیر سروکار اور قطعی دست بردار رہتے تھے۔ تو پھر بلا ضرورت اور بیوقت آپ کی ایسی شدید طلبی کے کیا معنی۔ اس سے تو صاف صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مطلب سعدی دیگر است۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی وفات

ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں مامون کا یہ پیغام لیکر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں پہنچا۔ آپ یہ پیغام سنتے ہی فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا چلو میں چلتا ہوں میں تو خاصکر اسی لئے آیا تھا۔ اتنا فرما کر آپ نے باطمینان تمام باستقلال کمال کپڑے پہنے۔ ردائے مبارک دوش پر ڈالی۔ اور میرے ہمراہ ہو لئے۔ جب کچھ آگے بڑھے تو ارشاد فرمایا کہ میں تجھے رات کی باتیں پھر اس وقت یاد دلاتا ہوں۔ اور اس وقت کی طلبی اُن تمام معاملات کی ابتدا ہے جس کا ذکر میں تجھ سے کر چکا ہوں۔ رضاً بقضائہٖ وتسلیماً لامرہٖ۔

بہرحال آپ مامون کے پاس تشریف لے گئے اور وہ آپ کو آتا ہوا دیکھکر اپنے مقام سے اُٹھا۔ اور حسب دستور قدیم آپ کی تعظیم وتکریم کرکے آپ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور دست بوسی کے بعد آپ کو اپنے پہلو میں بٹھلایا۔ مزاج پرسی کے بعد اپنے خادم کو آواز دی۔ وہ آیا تو اُس سے کہا کہ وہ انگور جو میں نے رکھوائے ہیں اُٹھا لاؤ۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ انگور کا نام سنتے ہی چونکہ میں حقیقت احوال سے واقف تھا۔ میرے تمام بدن میں تھرتھری پڑ گئی۔ اور تمام عضو کانپنے لگے۔ اسی حالت میں میں نے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے چہرے کی طرف نظر کی تو آپ کے روئے مبارک پر کسی قسم کا کوئی تغیر ذرا بھی نہ پایا۔ آپ اسی طرح بکمال استقلال اور عزّ ووقار بیٹھے تھے۔ میں آپ کے صبر وسکون اور تسلیم ورضا کی یہ شان دیکھکر سکتے میں آگیا۔ مگر اپنی موجودہ حالتوں کو کسی طرح نہ سنبھال سکا۔ اور آخرکار اس خوف سے کہ شاید میرے یہاں رہنے سے مامون پر میری ذاتی واقفیت کا راز کھل جائے۔ جو آگے چل کر میرے لئے

مصیبت اور آفت کا باعث ہو۔ وہاں سے باہر چلا آیا۔
دوپہر ہونے سے پہلے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام مامون کے پاس سے اُٹھ آئے۔ میں اُس وقت تو حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ اپنی خانگی ضرورتوں میں لگ گیا۔ مگر قریب شام در دولت پر پہنچا تو دیکھا کہ اطبا کا ہجوم ہے۔ معلوم ہوا کہ طبیعت ناساز ہے۔ معالجہ ہو رہا ہے۔ اکثر لوگ وہاں موجود تھے۔ اور وہ آپ کے موجودہ عارضہ کے مختلف اسباب اور توجیہات اپنے قیاس کے مطابق بتلا رہے تھے۔ مگر میں تو جملہ حال سے پورا واقف تھا۔ مگر زبان سے کچھ بھی نکال نہیں سکتا تھا۔ میں نے اُن کے ذکر کو سنکر اپنی طرف سے کوئی رائے قائم نہیں کی۔ اور وہاں سے نہایت ملول و محزون ہو کر اپنے مقام کو واپس آیا۔ رات کے نو بجے ہونگے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے انتقال فرمانے کی خبر تمام شہر میں شائع ہو گئی۔ میں بیتاب ہو کر سر و پا برہنہ دولتسرائے امام علیہ السلام کی طرف دوڑا۔ کاشانہ امامت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مامون صحن خانہ میں کھڑا رو رہا ہے۔ یہ عالم دیکھکر مجھے بھی بے اختیار رقت آئی اور میں بھی دیر تک اُسکے پاس کھڑا روتا رہا۔
بہر حال۔ جب صبح ہوئی تو مامون نے آپ کے غسل و کفن وغیرہ کا انتظام کرنا چاہا۔ دیکھکر میں اُسے خلوت میں لے گیا۔ اور امام علیہ السلام کا تمام پیغام اُس سے کہدیا۔ وہ توڑ گیا۔ اور اُسی وقت اپنے ارادہ سے باز رہا۔ مگر تاہم اپنی ظاہرداری قائم رکھنے کے لحاظ سے اُسکا اہتمام میرے سپرد کیا۔ ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں اُسکا حکم پاکر جب صحن میں آیا تو دیکھا کہ اُس خیمہ اسفید میں کچھ لوگوں کی تسبیح و تہلیل کی آوازیں آرہی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ یہ دیکھکر حسب الوصیت میں نے آپ کی لاش مطہر کو اُس خیمہ میں پہنچایا۔ اور فوراً باہر نکل آیا۔ اور خیمہ کے دروازے کو بند کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس خیمہ سے پانی گرانے اور برتنوں کے ٹکرانے کی آوازیں آنے لگیں۔ اور ایسی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی کہ ویسی خوشبو آج تک میں نے سلاطین عباسیہ کے عطار خانوں میں بھی نہیں سونگھی تھی۔ میں یہ تمام عالم دیکھتا تھا اور روتا تھا۔ مگر بکمال استقلال ان حالتوں پر ضبط کرتا جاتا تھا۔ اور ایک حرف بھی اپنی زبان سے نکالنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔
اس اثنا میں مامون اپنے ملازمین ہمراہی کے ساتھ میرے قریب آیا اور مجھ سے آپکے غسل و کفن کے متعلق ویسا ہی تعریضاً سوال کیا جسطرح کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے مجھ سے

پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا۔ میں نے بھی اُس وقت اپنا دل مضبوط کر کے مامون کو اُنہیں لفظوں میں جواب دیا۔ جیسا کہ امام علیہ السلام نے مجھے تعلیم فرمایا تھا۔ اتنے میں اُس خیمہ کا پردہ اُٹھ گیا۔ اور میں آپ کی لاش اُس میں سے نکال لایا۔ تو وہ جمیع مراتب سے من احسن الوجوہ تیار اور مرتب تھی۔ مامون لاش مطہر کو دیکھکر اپنے موجودہ ارا کین عمائد اور ملازمین کی ساتھ آگے بڑھا۔ اور آپ کے جنازے کی نماز پڑھی۔ پھر لاش مطہر اپنے کاندھے پر اُٹھا کر قبۂ ہارون کی طرف لے چلا۔ جب قبر ہارون کے قریب پہنچا تو پہلے اُس نے قبر ہارون کے پیچھے مشرق کی طرف آپ کی قبر کھودی جانے کا حکم دیا۔ مگر لوگوں نے ہر چند کوشش کی۔ وہاں ایک سخت پتھر کے یکایک نکل آنے کی وجہ سے۔ ایک ذرہ برابر زمین بھی نہ کھد سکی۔ آخر کار میں نے مامون کو اُس مجمع سے علیحدہ لیجا کر آپ کی ہدایت اور وصیت بیان کی۔ تو وہ دل ہی دل میں سخت نادم اور پشیمان ہوا۔ مگر ظاہر طور پر کہنے لگا کہ اچھا۔ کیا مضائقہ۔ آپ کی قبر منور ہارون کی قبر سے آگے بڑھا کر مغرب کی طرف کھودی جاوے۔ چنانچہ فرمودۂ امام علیہ السلام کے مطابق آپ کی قبر مقدس وہیں تیار کی گئی۔ جہاں نشان بتلایا گیا تھا۔ اور اُس قبر نورانی میں لاش مطہر کے رکھے جانے کے وقت سے وہ تمام امور اُسی طرح بجنسہ ایک ایک کر کے مشاہدۂ عام میں آتے گئے۔ جس طرح آپ نے ارشاد فرمائے تھے۔ ان تمام امور کو دیکھکر مامون نے مجھ سے کہا کہ ابوالحسن علیہ السلام سے کوئی بات تعجب نہیں ہے۔ وہ اپنی زندگی میں بھی ہمکو عجائبات دکھلاتے تھے۔ اب وفات پانے کے بعد بھی اُن کا مشاہدہ کراتے ہیں۔ پھر آپ کے جملہ امور سے فارغ ہو کر جب مامون اپنے مقام کو واپس آیا تو مجھے بلا کر کہنے لگا کہ میں تجھے قسم شرعیہ دیتا ہوں کہ جو باتیں تو نے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی زبانی مجھ سے کہی ہیں کسی دوسرے سے نہ کہنا۔ اور اس کے علاوہ اگر تو نے کوئی اور بات میرے متعلق آپ سے سُنی ہو تو مجھ سے بیان کر دے۔ میں نے انگور اور آب انار کے مسموم کرنے کی ترکیب اور اُن کے کھلائے اور پلائے جانے کی تمام روداد بھی اُس سے کہدی۔ یہ سارا واقعہ سنتے ہی اُس کا رنگ سفید ہو گیا۔ اور عضو عضو کانپنے لگا۔ آخر کار انہیں کیفیتوں میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اور اپنے اُسی عالم میں کہتا تھا۔ کہ مامون پر حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وائے ہو۔ مامون پر جناب علی مرتضے علیہ السلام کی وائے ہو۔ مامون پر

جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی وائے ہو۔ مامون پہ جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی وائے ہو۔ مامون پر جناب حسین شہید کربلا کی وائے ہو۔ مامون پر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام امام محمد باقر۔ امام جعفر صادق۔ امام موسی کاظم علیہم السلام کی وائے ہو۔ مامون پہ جناب ابوالحسن امام موسی رضا علیہ السلام کی وائے ہو۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ مامون اپنے اسی عالم اضطراب میں ان کلمات کو بتکرار کہے جاتا تھا اور نالہ پر نالہ۔ فریاد پر فریاد کئے جاتا تھا۔ میں اسکا یہ عالم دیکھکر خود اسقدر ہراساں اور ترساں ہوا کہ ایک گوشہ میں جا چھپا۔ اسکے خاص ملازم اسے تھامکر کسی نہ کسی طرح مکان کے ایک اندرونی حصّہ میں لے گئے۔ جب اسکی بیتابی میں کچھ افاقہ ہوا تو اسنے اپنا ایک آدمی بھیجکر مجھے پھر بلا بھیجا۔ میں گیا تو اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ اے ہرثمہ میں اپنے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے دنیا میں کوئی شخص امام موسی رضا علیہ السلام سے زیادہ عزیز نہیں تھا۔ مگر میں تجھے اسی وقت سے آگاہ کئے دیتا ہوں کہ اگر میں نے سُنا کہ تو نے اُن باتوں کا کسی سے ذکر کیا جو تو نے امام علیہ السلام سے سُنی ہیں اور مجھ سے کہدی ہیں تو یاد رکھنا کہ میں تجھے اسی وقت قتل کر ڈالونگا۔ میں نے ڈر کر عرض کی کہ کیا مجال اس کے متعلق ایک حرف بھی اپنی زبان سے نکالوں تو بے شک وشبہ میرا خون امیر پر مباح اور حلال ہوجائیگا۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی وفات کا یہ واقعہ ہے جسے ہمنے ملتہ الضیائی عمدۃ اخبار الرضا علیہ التحیۃ والثنا مطبوعہ نولکشور پریس لاہور سے نقل کیا ہے۔ اب ہم ناظرین کے مزید اطمینان کے لئے اسی سے ملتی ہوئی وہ روایت بھی ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں جو آپ کی شہادت کے متعلق فریقین کی کتابوں میں مرقوم ہے جسکو روضۃ الصفا میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ان دونوں روایتوں کے مطالب ومقاصد ایک ہیں مگر راوی جُدا جُدا ہیں۔ ممکن ہے کہ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے ہرثمہ کی طرح ابوالصلت ہروی کو بھی اپنے واقعۂ شہادت سے آگاہ کر دیا ہو۔ کیونکہ کتب رجال کے مطالعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابوالصلت ہروی کا اعزاز ووقار بھی ہرثمہ سے کبھی کم نہیں تھا۔ بلکہ جہاں تک تحقیق کیا گیا ہے خدمت امام علیہ السلام میں ابوالصلت ہروی کو خاص طور پر حضوری کا شرف اختصاص حاصل تھا۔

بہرحال ابوالصلت ہروی ناقل ہیں کہ میں ایک روز جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے مجھ سے ارشاد کیا کہ اے ابوالصلت جاؤ اور قبۂ ہارون میں سے کچھ مٹی تو اٹھالاؤ۔ ابوالصلت کا بیان ہے کہ میں گیا اور مٹی لایا۔ آپ نے اُس مٹی کو پہلی بار سونگھکر ارشاد فرمایا کہ ماموں مجھے اس مقام پر دفن کرنا چاہیگا۔ مگر وہاں ایک ایسا سخت پتھر نکل آئیگا کہ اگر خراسان کے تمام لوگ جمع ہوکر اُسے نکالدینے کی کوشش کرینگے تاہم اُسکا ایک ریزہ بھی جدا نہوگا۔ پھر دوسری بار دوسری مٹی مجھ سے لیکر کہا کہ ہاں اس زمین میں عنقریب میرا مدفن تیار کیا جائیگا۔ اے ابوالصلت میری قبر کے کھودنیوالوں سے کہدینا کہ قبر کی گہرائی سات درجہ تک لیجائیں۔ اور اڑھائی ہاتھ تک اُسکی لحد رکھیں۔ بعدکو حق سبحانہ تعالےٰ جسقدر چاہیگا کشادہ فرمادیگا۔ اور اُس کو باغ بہشت کا ایک ٹکڑا بنادیگا۔ اس کے بعد قبر میں سرہانے کی طرف کچھ رطوبت نمایاں ہوگی۔ میں تمہیں ایک دعا تعلیم کرتا ہوں۔ تم اُسے پڑھتے رہنا۔ اس کے پڑھنے سے بقدرت خدا قبر میں پانی جاری ہوجائیگا۔ اور اُس میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نمودار ہوجائینگی۔ پھر ایک بڑی مچھلی ظاہر ہوکر ان چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جائیگی۔ اُس وقت تم پانی پر یہ دعا پڑھ دینا۔ وہ پانی خشک ہوجائیگا۔ اور مچھلیاں بھی غائب ہوجائینگی۔ اور یہ تمام امر تم ماموں کے سامنے کرنا کہ اُسکی عبرت اور غیرت کا باعث ہو۔ اے ابوالصلت ستو کل میں اُسکے پاس جاؤنگا۔ اگر میں اُس کے پاس سے سربرہنہ ننگے پاؤں آؤں تو تم مجھ سے حسب المعمول باتیں کرنا۔ اور اگر سر ڈھانپ کر آؤں تو خاموش رہنا۔

ابوالصلت کا بیان ہے کہ دوسرے روز صبح کو نماز کے بعد جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کپڑے پہنے منتظر بیٹھے ہی تھے کہ ماموں کے چند غلام آپ کی طلبی میں آئے۔ آپ فوراً رضاً بقضائہ وتسلیماً لامرہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ردائے مبارک دوش مطہر پر رکھی۔ نعلین پائے اقدس میں پہن لی۔ اور روانہ ہوئے۔ جب ماموں کے پاس پہنچے تو چند میوے کے چنے ہوئے طبق اُس کے پاس رکھے ہوئے دیکھے۔ اور ماموں ایک خوشۂ انگور ہاتھ میں لئے آپ کے انتظار میں کھڑا تھا۔ جو پہلے سے سم آلودہ ہوچکا تھا۔ اور اُس میں سے مخصوص آپ کے کھانے کے لئے وہی دانے توڑ توڑ کر کھا رہا تھا جو زہر سے خاص طور پر محفوظ چھوڑے گئے تھے۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو تشریف لاتے ہوئے دیکھکر وہ بدستور قدیم آپ کی تعظیم کو آگے بڑھا۔ اور اپنے ساتھ اپنی مسند پر لایا۔ اور وہ خوشہ جو ہاتھ میں لئے تھا آپ کو دیا اور کہا کہ لیجئے یابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم اسے کھائیے۔ یہ ایسے اعلےٰ قسم کے انگور ہیں کہ میں نے آج تک ایسے انگور نہیں کھائے تھے۔ آپ نے تبسم زیرلب فرماکر ارشاد کیا کہ انشاء اللہ تعالےٰ انگور بہشت اس سے زیادہ لذید اور خوش ذائقہ ہونگے۔ مامون بولا۔ خدا اُنہیں ہم آپ دونوں کو نصیب کرے۔ مگر اس میں سے بھی تو چند دانے تناول فرمائے جائیں۔ ارشاد کیا۔ نہیں میں تو ان میں سے ایک بھی نہ کھاؤنگا۔ مامون نے پوچھا کیوں۔ یابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم بایں اخلاص و عقیدت آپ اب تک مجھ سے مشتبہ رہتے ہیں۔ اور خوف کرتے ہیں۔ آپ اس وقت ان میں سے چند دانے ضرور نوش فرماویں۔ مجبور ہوکر آپ نے کُل تین دانے اُن میں سے کھالئے۔ کھانا تھا کہ آپنے اُس کے اندرونی زہر کا اثر پوری طرح سے خود محسوس کیا۔ وہ خوشہ فوراً دست مبارک سے پھینکدیا۔ اور ردائے مبارک سر پر ڈالکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور دولتسرا کا رستہ لیا۔ مامون نے یہ دیکھکر پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ آپ نے فوراً جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہیں جہاں تم نے بھیجا۔ یہ کہکر آپ باہر چلے آئے۔

ابوالصلت ہروی کا بیان ہے کہ میں نے آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کا فرق مبارک ڈھکا ہوا دیکھکر آپ سے کلام کرنے کی جرأت نہیں کی مگر آپ کے پیچھے پیچھے دولتسرا تک آیا۔ آپ اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اور بستر استراحت پر لیٹ رہے۔ میں تنہا دالان میں کھڑا چپکے چپکے رو رہا تھا۔ کہ اس اثنا میں ایک جوان رعنا از بس حسین و شکیل جو آپ سے شکل و صورت میں بالکل مشابہت رکھتا تھا۔ آیا۔ میں نے اُس سے بڑھ کر پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ جواب ملا کہ اے ابوالصلت۔ میں تجھ پر اور تمام خلائق پر خدا کی حجت ہوں۔ میں محمد ابن علی (علیہما السلام) ہوں۔ میں ابھی ابھی مدینۂ منوّرہ سے صرف اسی لئے چلا آرہا ہوں کہ اپنے پدر مظلوم و مسموم کی آخری زیارت سے مشرف ہوں۔ اور اُنکی آخری خدمات بجا لاکر سعادت دارین حاصل کروں۔

یہ فرماکر وہ حجرۂ مطہر کی طرف تشریف لے گئے۔ اور جب داخل ہوئے تو حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اُنکو دیکھتے ہی اپنے سینے سے لگایا۔ اور پہلوئے مبارک میں بٹھلا لیا۔ اور جبین نور آگیں کے درمیان متواتر بوسے دیئے۔ پھر اسی طرح اپنے قریب لٹاکر دیر تک سرگوشی کرتے رہے۔ جسے نہ میں سُن سکا اور نہ سمجھ سکا۔ اُسکی تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اعلےٰ علیین

جنّت کی طرف رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون ۔ یہ واقعہ صفر ۲۰۳ھ میں واقع ہوا۔
یہ عالم مشاہدہ فرما کر جناب امام محمد تقی علیہ السلام حجرۂ مقدس سے باہر نکل آئے اور مجھ سے ارشاد کیا کہ اے ابوالصّلت اس کوٹھڑی میں جاؤ سیاہی کے گھڑے اور غسل دینے کا تختہ نکال لاؤ۔ میں حیران ہوا کہ استراحت فرمانے کے مقام میں یہ چیزیں کہاں سے آگئیں۔ مگر حجت خدا کے حکم سے مجبور ہو کر اندر گیا تو یہ سب چیزیں وہاں موجود پائیں۔ اُنہیں باہر نکال لایا۔ آپ غسل دینے لگے۔ میں بھی اپنی آستین چڑھا کر آپ کی اعانت کے لئے مستعد ہوا۔ تو آپ نے مجھے منع فرمایا۔ اور کہا کہ تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ میری مدد کرنے والے مجھے مدد دے لینگے۔ جب لاش مطہر کو غسل دے چکے تو مجھ سے فرمایا کہ اندر جا کر حنوط و کفن رکھا ہوا ہے۔ لے آؤ میں اندر گیا۔ تو یہ دونوں چیزیں بھی ایک نفیس اور پاک و پاکیزہ ظرف میں رکھی ہوئی پائیں۔ آپنے لاش مطہر کو کفن پہنایا۔ جا بجائے سجود پر کافور خالص ملا۔ پھر مجھ سے کہا کہ تابوت لاؤ۔ میں نے عرض کی کہ چلیے بڑھئی (نجّار) سے کہکر اُسے مرتب کرا لاؤں۔ آپ نے تبسّم زیرلب فرما کر کہا کہ اندر جا کر وہ بھی لے آؤ۔ ابوالصلت ناقل ہیں کہ میں اندر جا کر وہ بھی لے آیا۔ جناب حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے لاش مطہر کو اُس میں رکھا۔ اور مصروف نماز ہوئے۔ اور نماز میّت سے فارغ ہو کر میری نظروں سے غائب ہوگئے۔
اس کے بعد فوراً ہی مامون اپنے حشم خدم کے ساتھ دولتسرا میں داخل ہوا۔ اور بہت دیر تک آپ کے تابوت پر نالاں و گریاں رہا۔ بعد اُسکے لاش مطہر (   ) کو اُٹھا کر قبۂ ہارون کی طرف لے چلا۔ اور اُسکی پشت پر آپ کی قبر کھودی جانے کا حکم دیا۔ لوگوں نے کھودنا شروع کیا تو جیسا جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ وہاں کی زمین ایسی سخت نکلی کہ ایک ذرّہ بھی کسی سے نہ کھد سکی۔ اسی اثنا میں اُس کے اصحاب مخصوصین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ آیا امام علیہ السلام کی امامت کے آپ قائل ہیں یا نہیں۔ اُسنے کہا کہ ضرور۔ اُسنے عرض کی کہ امام حیات اور ممات دونوں میں امام کو مقدم ہونا چاہیئے۔ مامون قائل ہو گیا۔ اور ہارون کی قبر سے آگے قبلہ کی طرف آپ کی قبر کھدوائی۔ جب قبر کھد کر پانی اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نظر آئی دیں۔ تو مامون نے کہا کہ ابوالحسن علیہ السلام ایّام حیات میں بھی ہمکو عجائبات و معجزات دکھلاتے تھے۔ اب مرنے کے بعد بھی اپنی کرامات سے مستفیض فرماتے ہیں۔ اتنے میں ایک

بڑی مچھلی نمودار ہوئی اور وہ اُن چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو کھا گئی۔ یہ واقعہ دیکھ کر مامون اور بھی حیران ہو گیا۔ اُس کے ایک مصاحب خاص نے کہا اے امیر۔ اس معجزے سے کیا مراد ہے۔ اُس نے کہا کہ میں تو کچھ نہ سمجھا۔ اُس نے جواب دیا کہ اس اعجاز سے یہ تنبیہ منظور ہے کہ سلاطین اپنی کثرت کے اعتبار سے ان چھوٹی مچھلیوں کے مثال ہیں۔ مگر آیندہ ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جو اس بڑی مچھلی کی طرح حکمرانان بنی عباسیہ کے سلسلہ کو ان چھوٹی مچھلیوں کی طرح منقطع اور بالکل نیست و نابود کر دیگا۔ مامون نے کہا تم سچ کہتے ہو۔

ابوالصلت ہروی کا بیان ہے کہ آپ کے دفن سے فراغت کر کے مامون اپنی فرودگاہ کو واپس آیا۔ تو مجھے تخلیہ میں بُلا بھیجا۔ میں اُس کے پاس گیا۔ تو وہ اپنا سر زانو پر جُھکائے خموش بیٹھا تھا۔ اُسنے مجھ سے پوچھا کہ وہ دعا جو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے پانی نکلنے اور مچھلیوں کے نمودار ہونے کے وقت پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی۔ مجھے بتلادے۔ یہ سُنکر اب جو میں اُس دعا کو اپنے ذہن میں یاد کرتا ہوں تو اُسکا کوئی حرف اپنے حافظہ میں حاضر اور موجود نہیں پاتا۔ آخر کار میں نے مامون سے حقیقت حال کہدی۔ اور اُس نے میرے بیان پر اعتبار نہ کیا۔ اور اسکو میرا بہانہ اور حیلہ و حوالہ جانا۔ اور مجھ کو اسکی سزا میں قید کر دیا۔ جہاں مجھے ایک سال کی کامل میعاد کاٹنی ہوئی۔ اور آخر کار جناب امام محمد تقی علیہ السلام کی کوششوں سے مخلصی پائی۔

ان دونوں روایتوں کے علاوہ۔ صاحب روضۃ الصفا اور علامہ شیخ مفید طاب ثراہ کتاب ارشاد میں آپکی شہادت کے متعلق ایک اور روایت تحریر فرماتے ہیں۔ جسے ہم ناظرین کتاب کے مزید اطمینان کو لئے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

ایک روز مامون اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے باہم ملکر کھانا کھایا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ مامون نے بھی۔ اگرچہ وہ حقیقت میں بیمار نہیں تھا۔ مگر اپنی طرف سے مصنوعی طور پر بیماری کا اظہار کیا۔ عبداللہ ابن بشر ناقل ہیں کہ اس واقعہ سے کچھ پیشتر مامون نے مجھے حکم دیا تھا کہ اے ابو عبداللہ۔ آج سے خیال رکھنا۔ اور حجامت کے وقت اپنے ناخن نہ ترشوانا۔ میں نے اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ اور متواتر کئی حجامتوں تک اپنے ناخن نہ لئے۔ اور وہ اپنی حد سے کہیں زیادہ بڑھ گئے۔ پر جس روز اُس علالت کا واقعہ پیش ہوا اُس کے ایک دن بعد مامون نے مجھے اپنی خلوت میں بلا بھیجا۔ جب میں گیا تو اُس نے مجھے ایک چیز تمر ہندی کی ایسی دی کہ اسے اپنے ہاتھوں سے خوب ملو۔ اور خمیر کی طرح گوندھو۔ اور خبردار اسکا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

مجھ سے یہ کہکر مامون فوراً حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی عیادت کے لئے چلا گیا۔ اور آپ کی خدمت میں پہنچکر مزاج پرسی کی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ انشاءاللہ صحیح و درست ہو جاؤنگا مامون نے کہا کہ میں کل کی نسبت آج تو بہت اچھا ہوں۔ اور پھر اپنے ہمراہیوں کی طرف دیکھکر پوچھا کہ کیا اطبائے شاہی میں سے کوئی طبیب حاضر نہیں ہے۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ آج تو کوئی صاحب موجود نہیں ہیں۔ یہ سُنتے ہی مامون سخت برہم اور اپنے ملازمین پر نہایت غصہ ہوکر کہنے لگا کہ آپ کے علاج میں اسقدر غفلت اور تساہل کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت امام علیہ السلام سے کہا کہ آپ اس وقت آب انار ضرور نوش فرمائیں۔ آپ نے ابھی انکار وایجاب کے متعلق اپنی زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا تھا۔ کہ مامون نے فوراً اپنے ایک غلام کو بھیجکر مجھے (عبداللہ ابن بشر) بلا بھیجا۔

عبداللہ کا بیان ہے کہ میں جب وہاں پہنچا تو مامون نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ اسی وقت جاکر عطارخانۂ شاہی سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے لئے۔ اپنے خاص ہاتھوں سے اچھے اور دانہ دار اناروں کو نچوڑ کر آب انار تیار کرلاؤ۔ میں گیا۔ اور میں نے اپنے اُنہیں زہر آلود ہاتھوں سے انار کے دانے نچوڑے۔ اور ایک کٹورے میں۔ آب انار۔ جو باطن میں زہر ہلاہل سے مملو تھا۔ تیار کر لایا۔ مامون نے وہی عرق آپ کو اپنے سامنے پلوایا۔ اور وہی آب انار آپ کی شہادت کا باعث ہوا۔

ابوالصلت ہروی کا بیان ہے کہ مامون تو آب انار پلاکر چلتا ہوا۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے اُسی وقت مجھ سے ارشاد فرمادیا یا ابالصلت قد فعلوها "اے ابوالصلت۔ یہ لوگ اپنا کام کر گئے" پھر اُسی وقت سے ذکر تمجید و تسبیح الٰہی ورد زبان فرمائی۔ اور سلسلۂ اوراد و اذکار وقت وفات تک برابر جاری رہا۔

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کا قاتل مامون تھا

حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی وفات کے متعلق یہ تین روایتیں فریقین کی کتب تاریخ و سیر میں بالعموم مندرج پائی جاتی ہیں۔ جن کو ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ اس مقام پر لکھدیا ہے۔ اوّل دو روایتوں کے مضامین میں تو سوائے راویوں کے نام کے اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اگر تیسری روایت کے مضامین پر لحاظ کیا جاوے۔ تو اُس میں بھی کوئی ایسا تغیر نہیں پایا جاتا۔ سوائے اسکے کہ پہلی دونوں روایتوں میں زہر دینے کی ترکیب انگور کے ساتھ لکھی ہے۔ اور اس میں آب انار کے ساتھ۔ ممکن ہے کہ انگور کی ترکیب کے بعد مزید اطمینان کے لئے

اب انار کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہو۔ مگر با ایں ہمہ ان تمام روایتوں کی صحت میں جو خوبی ہے۔ وہ یہی ہے کہ ان کے ناقلین ان تمام واقعات کے شاہد عینی ہیں۔ اور ایسے کہ آغاز واقعہ سے لیکر آخر وقت تک تمام ترکیبوں میں شریک اور ساری تدبیروں میں شامل۔ اگر انہوں نے ان حالات کو کسی دوسرے یا تیسرے یا چوتھے شخص کی زبانی بیان کیا ہوتا تو البتہ اُن کی مرویات میں کمی بیشی اور دوسرے اقسام کی تحریف اور اختلاف کا شبہہ ہوتا۔ مگر اُن کے بیانات تو اُن کے خاص مشاہدات ہیں۔ جن میں سوائے اُن کے اور کسی دوسرے کے کلام یا بیان کی مداخلت نہیں ہے۔ پھر ایسی حالت میں۔ اُن کے مشاہدات پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

بہرحال۔ ان روایتوں سے ثابت ہو گیا کہ ع اے صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ یہ سارے کرتوت مامون کے سوا اور کسی کے نہیں تھے۔ جیسا کہ یہ روایتیں بتلا رہی ہیں کہ سوائے مامون کے اُس کے کسی اور درباری۔ ملازمین۔ یا تا حسین بنی عباسیہ کی۔ جیسا کہ اکثر حضرات کو شبہہ ہوتا ہے۔ یہ حرکت نہیں تھی۔ اور نہ ان امور میں کسی دوسرے کی مداخلت یا شراکت تھی۔ قرائن بتلا رہے ہیں کہ مامون اپنی غرض نکالنے کی مجبوری سے جس طرح پہلے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کا خیر خواہ اور دردمند نکلا۔ اُسی طرح پیچھے چل کر آپ کا دشمن اور قاتل ثابت ہوا۔ فضل ابن سہل کے قتل والے معاملات میں جسطرح اُسنے اپنی تنہا تجویز و تدبیر سے کام نکالا اور اپنی دلی اغراض کو کامیابی کے حدود تک پہنچایا۔ اُسی طرح جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے امور کو بھی تمام کیا۔ اپنی ان تجویزوں میں وہ اپنے باپ ہارون سے بھی نمبر لے گیا تھا۔ مگر مامون نے اپنی موجودہ تدبیروں میں۔ اخفائے حقیقت کی ضرورت اور افشائے راز کی دہشت سے کسی کو بھی شریک نہیں کیا۔ اُسنے جو کچھ کیا۔ وہ تنہا اپنی تجویز اور اپنی رائے سے۔

اگر شروع سے لیکر آخر تک ان امور پر غور کیا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ ان معاملات میں اُسکی تدبیریں اور اُسکا طرز عمل پوشیدہ اور مخفی تھا۔ وہ ان امور میں نہایت رازداری احتیاط اور خاموشی سے کام کرتا تھا۔ اور انہیں کے ساتھ ساتھ اپنے خلوص و عقیدت میں بھی کوئی کمی یا کوئی فرق نہیں ظاہر ہونے دیتا تھا۔ زہر خورانی کا موقع بھی ایسی خوبی سے ہاتھ لگا جو کسی طرح اُس کی خفیہ کارروائیوں کا پردہ فاش نہیں کر سکتا تھا۔ اور ایسے وقت محفوظ میں

کوئی شخص اُسپر کسی قسم کا شبہہ بھی نہیں لا سکتا۔ کیونکہ پچھلی روایت سے جو علمائے شیعہ سے زیادہ علمائے اہلسنت میں معتبر اور مستند ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت کی بدمزگی سنکر آپ کو آب انار سم آلود خاصکر اس وجہ سے پلایا گیا کہ یہی قدیم علالت آپ کی وفات کا ظاہری سبب ثابت ہو۔ اور پھر آپ کے مزاج کی ناسازی سنکر مامون کا اپنی علالت ظاہر کرنا اور اپنے آپ کو خواہ مخواہ علیل بنانا۔ اُس کی غایت درجہ کی احتیاط اور مآل اندیشی کو بتلا رہا ہے۔ جس سے اُس کی اصلی غرض یہ تھی کہ اگر اُسکی خفیہ کارروائیوں کا پردہ کبھی کسی طرح فاش ہونیکے قریب پہنچیگا تو اُس کی موجودہ علالت کی وجہ سے ہر شخص اُس کو اس حرکت کا عامل نہ کہہ سکیگا۔ اور ایسی حالت میں اُسکو آپکا قاتل ہونا قبول نہ کریگا۔

شربت سم آلود کی تیاری بھی ایک محض معمولی شخص کے سپرد کی گئی جس کو خود اُسکے زہر ہونیکا کوئی خاص علم نہیں تھا۔ اسکا انتظام اپنے مقربین اور مخصوصین لوگوں کو اس لئے خاصکر نہیں دیا گیا کہ اُن سے اس زہر کے پہچانے جانے کا پورا احتمال تھا۔ اور عبداللہ ابن بشر کے ایسے معمولی شخص سے نہ اس سم کے پہچانے جانے کی امید تھی اور نہ اس پردے کے فاش ہونے کا کوئی گمان تھا۔ کیونکہ عبداللہ ایک معمولی خدمتگار تھا۔ نہ مامون کا محرم راز تھا اور نہ رفیق و دمساز۔

پھر اس پر بھی اس شربت سم آلود کو اپنے ہی ہاتھ سے دیا۔ اور کسی غیر کو ذریعہ اور واسطہ نہ بنایا۔ یہ بھی مامون کی کمال احتیاط۔ ہوشیاری اور عیاری تھی۔ کیونکہ اُسنے سمجھ لیا تھا کہ اگر کسی غیر کے ذریعہ سے یہ شربت سم آلود دلایا گیا تو ممکن ہے کہ وہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی ذاتی وجاہت اور عظمت سے مؤثر ہو کر۔ یا آپ کی بیقصوری اور بیگناہی پر غور کرکے آپ کی عزیز جان کو تلف کرنے سے باز رہے۔ یا کم سے کم آپ کو اس شربت سم آلود کی حقیقت سے آگاہ کردے۔ تو اُسکا سونے کا بنا بنایا گھر مٹی ہو جاوے۔ اور اگر اُس شخص کو زہر کی حقیقت بھی نہ معلوم ہو تو بھی ممکن ہے کہ وہ اس شربت کو آپ کی خدمت میں لیجاوے اور آپ اُس سے لیکر اُس وقت رکھ لیں۔ پھر نہ پئیں یا پینا بھول جاویں غرض کوئی اتفاقی سبب ایسا واقع ہو کہ اُسکی عملی کارروائیوں میں غیر معمولی طور پر رکاوٹ پیدا ہو جاوے۔ اور اُسکی خاطر خواہ مراد نہ حاصل ہو۔ تو کی کرائی محنت رائگاں ہو جائے۔ غرض کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سے اس خدمت کی انجام دہی مامون کو پورا اطمینان نہیں دیسکتی تھی۔

اس لئے اُسنے یہ جرأت اپنے ہی ہاتھوں سے کی تھی۔
اب مامون کی ان حرکات ظاہری سے قطع نظر کرکے جو ہمکو تاریخ کی شہادت عینی کے ذریعہ سے ثابت ہوئی ہیں۔ ہم اگر اُسکی ظاہرداریوں کے امور پر غور کریں۔ جو اُس کی برائت اور بیقصوری کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں تو معلوم ہوجائیگا کہ یہی ظاہری اور مصنوعی اخلاص و محبت اُسکو ملزم اور مجرم قرار دئے جانے میں پورے طور سے کافی ہے۔
اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی عیادت کو گیا۔ معالجہ کے لئے طبیب شاہی مقرر کئے۔ پھر آپ کی وفات پر کمال درجہ کا رنج و ملال بھی ظاہر کیا۔ نہایت استحکام اور مستعدی سے آپ کی تدفین کے خدمات انجام کئے۔ جناب محمد ابن جعفر الصادق علیہ السلام اور محمد ابن عباس العلوی اور دیگر سادات کے پاس جاکر آپ کی رسم تعزیت بجالایا۔ پھر بعد ان معاملات کے بھی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اپنے محاسن سلوک قائم رکھے۔ غرض سب کچھ کیا اور کیا نہیں کیا۔ مگر ایک تحقیق حق کا طالب اور اصلی واقعات کا جویا حقیقی اغراض کی معلوم کرنیکا شائق جب ان تمام واقعات پر اپنی تلاش اور تفحص کی نظر ڈالیگا اور اس کے ہر ایک پہلو اور ہر جانب کو اپنی تحقیق اور غور و خوض کی نظر سے دیکھیگا تو معلوم ہوجائیگا کہ مامون کا یہ ظاہری خلوص و اتحاد اور اُسکی یہ ظاہری عقیدت و ارادت بھی اُسکی مخالفت قلبی اور مخاصمت ذاتی کا ضمیمہ تھیں اور کچھ بھی نہیں۔ اور وہ اپنی ان ظاہرداریوں کی آڑ میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کا موافق اور ہمدرد بنکر آپکا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ اور آپکا دوست بنکر دشمن کی پوری خدمات انجام دینا چاہتا تھا۔
حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ جو ظاہری خلوص و محبت سے برتاؤ قائم رکھے گئے وہی امور فضل کے ساتھ بھی تھے۔ اور اُس کے بھائی حسن کے ساتھ بھی۔ ان امور پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوجائیگا کہ اپنی برائت اور بیقصوری ثابت کرنے کے لئے مامون نے یہ تمام اہتمام کئے تھے۔ فضل کا اعزاز بھی اُسکی نگاہوں میں جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی قدر و منزلت سے کم نہیں تھا حسن بھی اُسکو ایسا ہی عزیز تھا مگر ان تمام لوگوں کی قدر و منزلت اُس کی نگاہ میں اسی وقت تک قائم تھی جب تک کہ اُسکی تدبیر اور غرض انکے خلاف نہیں تھی۔ جب اُسکی ملکی تدبیر دل کا قدم درمیان میں آگیا تو انکی عظمت و جلالت کے تمام اعتبار اُٹھا دئے گئے اور ایسی شان اور ایسے مرتبہ کے لوگ معمولی اور عام لوگوں کی طرح حد و دسیاست تک پہنچائے گئے۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی طرح بغداد میں حسن ابن سہل کے علیل ہونے کی خبر پا کر بھی مامون نے اپنے طبیب شاہی کو اُس کے علاج کے لئے بھیجدیا تھا۔ مگر اُس کے ساتھ ہی اُسکے علاج کرنے کی جو ترکیب بتلادی تھی وہ تاریخ طبری کے اسناد سے اوپر نقل ہو چکی ہے۔ فضل کی ماتم پرسی کے مراسم ادا کرنے کے بعد حسن کے اعزاز میں نمایاں اضافہ کیا گیا۔ اور اُسکو فضل کی جگہ وزیرالملک بنایا گیا جسطرح۔ امام موسی رضا علیہ السلام کے بعد آپ کی تعزیت کے مراسم حضرت محمد ابن جعفر الصادق علیہ السلام اور دیگر سادات کرام کے ساتھ بجالائے گئے۔ اور پھر آپکے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی قدر و منزلت میں کافی اضافہ کیا گیا۔ غرضکہ ان تمام مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ مامون کے ایسے خود غرض اور حیلہ باز کے ظاہری خلوص و اتحاد پر وہی اعتبار کریگا جو شاہد تاریخی پر پوری اطلاع اور کافی علم نہیں رکھتا ہو گا۔

جس نے فضل ابن سہل اور حسن ابن سہل کے حالات کو دیکھا ہے۔ اور اُنکے واقعات کی پوری حقیقت اسلامی تاریخوں میں پڑھی ہے وہ مامون کے ان ظاہری اور مصنوعی خلوص و اتحاد کی اصلی اغراض و مقاصد کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور وہ اسکے طرز عمل کی ایک رُخی تصویر کی دورویہ رنگ آمیزی کو خوب جانتے ہیں۔ وہ لوگ ایسے ہی حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے معاملات میں بھی اُسکی روش اور عملی طریقوں کو پورا پورا اسی پیمانہ اور اندازہ پر اُترا ہوا تسلیم کرتے ہیں۔ یہ کوئی ایسا مشکل مسئلہ نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آوے۔ اور یہ کوئی خلاف عقل اور امر محال تو ہے نہیں جو یقین نہ کیا جاوے۔ ایک معمولی سی معمولی سمجھ والا آدمی بھی۔ تاریخوں کے معتبر اسانید کے ذریعہ نہایت آسانی سے معلوم کرلیگا کہ مامون نے سب سے پہلے فضل کو قتل کرایا۔ پھر حسن کی دائم المرضی کا یہی باعث ہوا۔ اور آخر میں حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو بھی اسی نے زہر دلوایا۔

مامون کی برات اور بےقصوری ثابت کرنے والے حضرات جو مامون کے اخلاص و محبت کی ظاہری آڑ پکڑ کر جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے خون ناحق سے اُسے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ فضل اور حسن کے معاملات سے اپنی تشفی اور خاطر خواہ اطمینان فرما کر یقین کرلیں کہ بخلاف اسکے کہ وہ اپنی موجودہ دلائل سے مامون کی برات ثابت کریں۔ اُن کی یہی دلائل اُسکے قاتل ہونے کے دعوے کو پورے طور سے قوی اور صحیح و معتبر ثابت کرتی ہیں۔ اسوجہ سے ان ظاہری خلوص و عقیدت کے اظہار سے بحث کرنا۔ جو مامون کی تدبیر اور پولیٹکل انداز تھے۔ محض بے سود اور بیکار رہیگا۔

فضل ابن سہل کے معاملات میں مامون کے ظاہری خلوص و محبت کی بحث کو ہمارے فاضل معاصر شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی نے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ اور فضل کے قتل کو مامون کے اشارہ ہی سے بتلایا ہے۔ مگر ہمکو اُن کے اس قول کے دیکھنے سے نہایت افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے موجودہ قول کو صرف فضل ہی کے معاملات تک محدود کردیا ہے۔ اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے خاص امور میں اپنی موجودہ تجویز کو اختیار نفرمایا۔ بلکہ اپنے قدیم اقرار کے خلاف۔ اپنے سابق مختار کے برعکس مامون کے انہیں خلوص و عقیدت کو امور شہادت میں پیش کرکے اُس کو بیجرم و بے خطا ثابت کرنیکی فضول کوشش فرمائی ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اُن کا یہ اختلاف اور تغیر اُن کے مؤلف ہونے کی موجودہ شان اور اُن کی تالیفات کی عام وقعت میں کہانتک اثر پہنچائیگا۔

ہمارے فاضل معاصر نے المامون میں بے دیکھے سُنے یہ بھی لکھدیا ہے کہ کوئی سُنی مورخ مامون پر جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے شہید کرنے کا الزام نہیں لگاتا۔ حالانکہ روضۃ الصفا سے ابھی ابھی ہم آپ کی شہادت کی مفصل کیفیت درج کرچکے ہیں۔ اس کے علاوہ طبری نے بھی جلد چہارم میں اگرچہ شیعوں ہی کی طرف سے کیوں نہو۔ مامون پر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے زہر دینے کے الزام کو تحریر کیا ہے۔ طبری کو بھی جانے دیجئے۔ امام شبلنجی مصری نے نور الابصار میں اور ملا عبد الرحمن جامی نے شواہد النبوۃ میں ہرثمہ ابن اعین والی روایت کو اُسطرح مندرج کیا ہے جس طرح ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ پھر سواد اعظم کے اتنے معتبر اور مستند علماؤ مورخین کے مقابلہ میں ہمارے فاضل معاصر کی یہ رائے کہ "کسی سُنی مورخ نے ایسا نہیں لکھا" کیسے صحیح اور اعتبار کے قابل مانی جاسکتی ہے۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے محاسن اخلاق

جناب امام موسی رضا علیہ السلام اُس مقدس سلسلہ اور اُس مبارک خانوادہ کے آٹھویں بزرگ ہیں جس کے افسر اور سر دفتر بزرگوار سلام اللہ علیہ وآلہ من رب الکلیا ہکے اخلاق محاسن انک لعلی خلق عظیم سے خاص طور پر ہویدا اور آشکارا ہیں۔ جب اس خاندان اعلے اور دودمان والا کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات پر نصوص الٰہیہ دال ہوں۔ تو پھر وہ میری کسی تصریح اور تشریح کے محتاج نہیں ہوسکتے۔ اس کے علاوہ ہم اُن کے محاسن اخلاق کے نمونے۔ ان کے محامد اشفاق کی مثالیں۔ اپنی پچھلی تمام کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔ اس لئے اُسی التزام و انتظام تالیفی کی ضرورت سے۔ جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے محاسن اخلاق

کی چند مثالیں ذیل کے واقعات ہیں لکھے دیتے ہیں۔
معادن العلم والآیات والحکم وموضع الجود والافضال والکرم قوم بھم فتح اللّٰہ الھدٰی وبھم ختامة عند درس الحق فی الامم کانوا الذی العرش انوار تضی بھم طرف السّماء بما فیھما من الظلم وملجاء لابینا عند توبتہ من ذنبه فی قبول التوب والندم
وہ علم وحکمت الٰہی کی کان ہیں اور فضل وکرم وجود وسخا کے محل ومقام۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالےٰ نے ہدایت کی ابتدا ان سے کی ہے اور بوقت مندرس ہو جانے حق کے درمیان لوگوں کے۔ اسکا (حق کا) خاتمہ بھی انہی لوگوں پر ہوگا۔ وہ اپنی خلقت سے پہلے انوار خدا تھے جن سے آسمان کی تاریکیاں نور وضیا حاصل کرتی تھیں۔ اور ہمارے جد امجد آدم علیہ السلام کے بوقت توبہ از گناہ ملجا وماوا ہیں۔ چنانچہ انکی توبہ وندامت آنحضرت کے طفیل سے قبول ہوئی۔
اخلاق عامّہ ۔ بیہقی نے صولی کے اسناد سے۔ ابراہیم ابن عباس کی زبانی بیان کیا ہے کہ جناب ابوالحسن امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے کبھی کسی شخص کے ساتھ گفتگو کرنے میں سختی نہیں کی۔ اور کبھی کسی کی بات کو قطع نہیں فرمایا۔ آپ کے مکارم عادات سے تھا کہ جب بات کرنے والا اپنی بات ختم کر لیتا تب حضرت اپنی طرف سے آغاز کلام فرماتے۔ کسی کی حاجت روائی اور کام نکالنے میں حتے المقدور دریغ نہ فرماتے۔ کبھی اپنے ہمنشین کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔ اور نہ اہل مجلس کے روبرو کبھی تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ کبھی آپ نے اپنے غلاموں کو گالی نہ دی۔ اوروں کا تو کیا ذکر میں نے کبھی آپ کو تھوکتے یا ناک چھنکتے بھی نہیں دیکھا۔ آپ قہقہہ کے ساتھ ہرگز نہ ہنستے تھے۔ خندہ آپ کا صرف تبسم ہوتا۔ محاسن اخلاق اور تواضع اور انکسار کی یہ صورت تھی کہ دسترخوان پر سائیس اور دربان تک کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیتے۔ راتوں کو نہایت کم سوتے اور زیادہ جاگتے۔ اور اکثر راتوں میں شام سے صبح تک شب بیداری کرتے۔ آپ اکثر اوقات روزہ سے ہوتے۔ مگر مہینہ کے تین روزے تو آپ سے کبھی فوت نہ ہوئے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھ لینا ایسا ہے جیسا کہ کوئی ہمیشہ روزے سے رہے۔ خیرات کثرت سے کرتے تھے۔ اور اکثر چھپا کر دیتے۔ خاصکر شبہائے تاریک میں عطا فرماتے تھے۔ پس جو کوئی تم سے کہے کہ میں نے آنحضرت علیہ السلام کی مثل ومانند دوسرا دیکھا ہے اُس کی تصدیق نہ کرو۔ وہ جھوٹا ہے۔
زہد وتواضع ۔ موسم گرما میں آپ کا فرش جس پر آپ جلوس فرماتے تھے بوریا ہوتا تھا۔ اور سرما

میں کمبل۔ اور لباس اشرف جب تک گھر میں تنہا بیٹھتے خشن۔ موٹے کپڑے کا ہوتا تھا۔ باہر مجمع میں تشریف لاتے تو رفع طعن کے لئے نفیس پارچہ پہن لیتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ کے ایک فقیہ نے آپ کو خز کا کپڑا پہنے دیکھکر اعتراض کیا۔ اور کہا کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اس سے آپ کم درجہ کا کپڑا پہنتے تو آپ کے لئے زیادہ مناسب تھا۔ یہ سنکر آپ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آستین مبارک میں داخل کیا کہ دیکھو کہ اس کے نیچے پیراہن گلیم ہے۔ الخز للخلق والمسیح للحق لباس خز خلقت کے دکھانے کو ہے کہ زاہد ریاکار نہ کہیں اور کمبل عبادت خدا وخضوع وخشوع کے واسطے ہے ؎

بزرگاں کہ نقد صفا داشتند | چنیں خرقہ زیر قبا داشتند

غلاموں کے ساتھ شریک۔ ایک مرد اہل بلخ سے خراسان کے سفر میں آپکے ہمرکاب تھا۔ ناقل ہے کہ ایک روز دسترخوان بچھا تو غلامان حبشی وغیر حبشی تمام کھانے کے لئے برابر آکر بیٹھ گئے۔ میں نے عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہوں۔ اگر ان لوگوں کے لئے علیحدہ کھانے کا بندوبست کردیا جاوے تو اس میں کیا حرج ہوگا۔ فرمایا اللہ ایک ہے۔ اور ماں ان سب کی حوّا اور باپ آدم ہے۔ جزاو سزا ہر ایک کو اُس کے عمل کے بموجب ملیگی۔ پھر تفاوت اور تفرقہ کیسا۔

یاسر آپکے خاص خادم نقل فرماتے ہیں کہ ہم کو برابر تاکیدی حکم ہوا کرتا تھا کہ جب تم کھانا کھاتے ہو اور میں آجاؤں تو میری تعظیم کو نہ اُٹھا کرو۔ اکثر اوقات کسی خادم کو بُلاتے اور کہدیا جاتا کہ وہ کھانا کھاتا ہے تو ارشاد ہوتا کہ اچھا کھانے دو۔ جب تک فراغت نہ پاتا کسی خدمت کو نہ فرماتے

خاص قسم خیرات۔ معمر ابن خلاد کہتے ہیں کہ معمول تھا جس وقت کھانا نوش کرنے بیٹھتے تھے تو ایک خوان سامنے رکھا جاتا۔ ہر قسم کے کھانوں سے تھوڑا تھوڑا لیتے اور اُس خوان میں رکھتے جاتے تھے۔ فارغ ہوتے تو وہ خوان مسکینوں۔ محتاجوں کو اُٹھوا دیا جاتا۔ اُس وقت اس آیہ وافی ہدایہ کی تلاوت فرماتے فلا اقتحم العقبۃ وما ادرٰلک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ۔ ترجمہ "نہ سختی میں پڑا وہ گھاٹی کی اور کیا جانے تو کہ گھاٹا کیا ہے۔ وہ کہ ایک بردہ آزاد کرتا ہے۔ یا کھانا کھلاتا ہے بروقت گرسنگی۔ یتیم رشتہ دار کو۔ یا مسکین خاک نشین کو" یہ آیہ تلاوت کرکے ارشاد فرماتے کہ حقتعالیٰ جانتا ہے کہ اُس کے تمام بندے بردہ آزاد کرنے پر قادر نہیں پس اُنکے جنت میں جانے کی یہ سبیل نکالی کہ یتیم ومسکین کو گرسنگی کے وقت کھانا کھلا دیں۔

فروتنی۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ موسٰے بن نصر رازی سے نقل کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے کہا۔ قسم خدا کی بروئے آباؤ اجداد کوئی شخص آپ سے افضل نہیں۔ فرمایا محض تقوٰی اور پرہیزگاری خدا کی طاعت و بندگی ہے جس سے اُن کو یہ فخر و شرف حاصل ہوا ہے۔
ایک روز کسی نے کہا کہ واللہ آپ بہترین انام ہیں۔ بکمال انکسار ارشاد کیا "اے شخص قسم نہ کھا۔ جس کا تقوٰے مجھ سے زیادہ ہے وہ مجھ سے افضل ہے۔ قسم خدا کی یہ آیۂ وافی ہدایۂ منسوخ نہیں ہوا۔ اِنَّا جَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ کہ ہم نے تمکو شعبے اور شاخیں قرار دیا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ ورنہ کریم تر تم سے خدا کے نزدیک وہ ہے جو سب سے پرہیزگار تر ہے۔

چو خواہی کہ در قدر والا رسی — زشیب تواضع بہ بالا رسی
دریں حضرت آناں گرفتند صدر — کہ خود را فروتر نہادند قدر
بلندی بناموس و گفتار نیست — بزرگی بہ دعوے و پندار نیست

ابراہیم ابن عباس ناقل ہیں کہ آپ ایک مرتبہ اپنے ایک غلام حبشی کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میرے سب غلام لونڈی آزاد ہو جائیں کہ میں اپنے آپکو صرف قرابت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے بھی اس غلام اسود سے بہتر نہیں جانتا۔ مگر ہاں جب کوئی عمل خیر بجا لاؤں تو بوجہ اُس عمل کے اس سے افضل ہونگا۔

بزرگاں نکردند در خود نگاہ — خدا بینی از خویشتن بیں مخواہ
ازاں بر ملائک شرف داشتند — کہ خود را بہ از کس نہ پنداشتند

کرم وجود۔ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ میرے ساتھ بقدر اپنے حوصلہ ومروت کے احسان کیجئے۔ فرمایا اسکی گنجائش نہیں۔ عرض کی تو میری مروت و حوصلہ کے موافق عطا ہو۔ فرمایا ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ یہ کہکر غلام کو حکم دیا کہ اسکو دوسو اشرفی دیدو۔
ایک عجیب طرح کی سخاوت۔ احمد ابن عبید اللہ غفاری کہتے ہیں کہ اولاد آنحضرت یعنی جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ایک شخص کا قرض میرے ذمہ تھا۔ اُس نے بہت سخت طلبی کی۔ تو میں نے ایک روز مسجد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نماز صبح پڑھکر جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونیکا ارادہ کیا۔ آپ اُن دنوں بمقام عریض بیرون شہر تشریف رکھتے تھے۔ در دولت کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ آپ

پیراہن پہنے۔ ردا اوپر لئے۔ دراز گوش پر سوار۔ تشریف لا رہے ہیں۔ نزدیک پہنچے تو توقف فرمایا میں نے سلام کیا۔ پھر عرض کی فدا ہوں آپ پر۔ میرے اوپر فلاں کا قرضہ ہے۔ وہ بہت تقاضہ کرتا ہے۔ امید وار ہوں کہ حضور اُس سے فرمادیں کہ اتنا تشدّد نہ کرے۔ مطلق اسکا ذکر نہ آیا کہ کتنا روپیہ ہے۔ فرمایا میرے واپس آنے تک یہاں ٹھیرو۔ میں بیٹھ گیا۔ ماہ مبارک رمضان تھا بیٹھے بیٹھے شام ہوگئی۔ حتےّ کہ مغرب کی نماز پڑھکر فارغ ہوا۔ لیکن حضرتؑ تشریف نہ لائے۔ روزہ سے بہت ملول تھا۔ اور ارادہ واپس آنے کا کر رہا تھا کہ اتنے میں سواری نظر آئی لوگ گرد تھے۔ اور آپ سائلوں کو عطا کرتے چلے آتے تھے۔ حتےّ کہ دولتسرا میں تشریف لے گئے۔ پھر باہر آکر مجھے بُلا بھیجا۔ میں پاس گیا۔ ابن مسیب جوان دنوں مدینہ کا حاکم تھا۔ اُسکا ذکر آیا۔ میں اکثر آپ سے اُس کا ذکر کیا کرتا تھا۔ یہ باتیں ہوچکیں تو فرمایا کہ شاید تم نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ عرض کی نہیں۔ غلام کو حکم دیا کہ کھانا لاؤ۔ اور دوسرے خادم کو حکم ہوا کہ ان کے ساتھ بیٹھکر کھاؤ۔ کھاکر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ فرش کا کونا اُٹھاکر جو کچھ اس کے نیچے ہو اُٹھالو۔ میں نے وہ کونہ اُٹھایا تو وہاں دینار تھے۔ میں نے بلا شمار اپنی آستین میں رکھ لئے۔ پھر آپ نے اپنے چار خادموں کو حکم دیا کہ میرے مکان تک پہنچا دیں۔ میں نے گھر پر آکر چراغ کے روشن دیناروں کو گنا تو اڑتالیس دینار تھے۔ ایک دینار اُس میں زیادہ چمکتا تھا۔ اُس کو شمع کے نزدیک لیکر دیکھا تو اُس پر واضح حرفوں میں تحریر تھا۔ تیرا کُل قرضہ اڑتالیس دینار ہیں۔ ۲۸ اس میں سے قرض ادا کرو۔ باقی بیس حوائج ضروری میں خرچ کرو قسم خدا کی میں نے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو مقدار قرض سے ہرگز خبر نہیں کی تھی۔

مُنھ چھپاکر خیرات کرنا۔ یسع ابن حمزہ کا بیان ہے کہ میں مجلس اقدس میں حاضر تھا خلقت کا انبوہ تھا۔ لوگ مسائل حلال وحرام آپ سے پوچھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک مرد طویل القامت گندم گوں داخل ہوا۔ اور بعد سلام کے عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں حضرت کے اور آپ کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے شیعوں میں ہوں۔ حج کرکے آرہا ہوں جو کچھ نفقہ لایا تھا سب تمام ہوگیا۔ اب اتنا بھی پاس نہیں کہ ایک منزل کا خرچ چلے۔ اگر آپ اس قدر سلوک میرے ساتھ کریں کہ میں اپنے وطن تک پہنچ جاؤں۔ تو وہ روپیہ حضور کی طرف سے تصدق کردونگا (چونکہ آپ کے شرائف خصائل سے واقف تھا اس لئے نہ کہا کہ واپس بھیجدونگا) کیونکہ میں بجائے خود آسودہ حال ہوں۔ خیرات کا مستحق نہیں۔ فرمایا ذرا توقف کر۔ رحمت خدا ہو

تجھ پر۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مجمع متفرق ہو گیا۔ اور صرف سلیمان جعفری اور خیثمہ اور وہ شخص باقی رہ گئے۔ تو آپ اندر تشریف لے گئے۔ اور ایک ساعت بعد کواڑ دروازے کے بند کر کے دست مبارک اُن کے درمیان سے باہر نکالے۔ اور فرمایا۔ کہاں ہے وہ مرد خراسانی۔ وہ شخص نزدیک گیا تو فرمایا۔ یہ دو سو دینار لو۔ اور اپنا زادِ راہ بناؤ۔ اور ہماری طرف سے انکو خیرات کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا کہ پس اب تم یہاں سے رخصت ہو جاؤ کہ میں تجھے اور تو مجھ کو نہ دیکھنے پائے۔ وہ شخص جب چلا گیا تو سلیمان جعفری نے کہا کہ حضور نے احسان کرنے میں تو کوئی کوتاہی نہ فرمائی۔ پھر اس سے مُنہ چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا کہ اس غرض سے کہ اس کے سوال کرنے اور حاجت روا ہونے کی ذلت کو اس کے چہرے پر نہ دیکھوں۔ کیا تو نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نہیں سُنی ہے۔ **المستتر بالحسنة تعدل سبعین حجة والمذیع بالسیئة مخذول والمستتر بها مغفورة**۔ نیکی کا چھپانیوالا ستر حجوں کا ثواب پاتا ہے۔ اور بدی کا اظہار کرنے والا مخذول ہے۔ اور اسکا چھپانیوالا مغفور ہے۔ اور شاعر کہتا ہے ۔ **متے اٰته یوما لاطلب حاجة ؛ رجعت الی اھلی ووجھی بمائه** جب کسی دن اپنی حاجت طلب کرنے کو کسی کے پاس جاتا ہوں۔ تو پھر اپنے گھر کو واپس آتا ہوں۔ حالانکہ میری آبرو جاتی رہتی ہے۔

راہ خدا میں گھر لٹا دیا۔ ایک روز خراسان میں بروز عرفہ (۹ ذی الحجہ) گھر کا تمام اسباب وسامان ونقد وجنس راہ خدا میں لٹا دیا۔ فضل ابن سہل وزیر مامون نے کہا۔ یہ غرامت ہے (اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے) فوراً ارشاد فرمایا کہ یہ غرامت نہیں ہے۔ بلکہ غنیمت ہے (ثواب بے حساب حاصل کرنا ہے) جو مال جود وکرم میں صرف کیا جاوے اور جس پر اجر وثواب کی امید ہو وہ غرامت کیوں ہونے لگا۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے نام خط۔ نیز بزنطیؓ ناقل ہیں کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے خراسان سے اپنے نور دیدہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو لکھا کہ اے نور دیدہ۔ ہم نے سُنا ہے کہ تم گھر سے نکلتے ہو۔ تو غلام تمہیں سوار کر کے۔ دروازہ کوچک (کھڑکی) سے نکالتے ہیں۔ اور اسی سے اندر لیجاتے ہیں۔ گویا وہ چاہتے کہ خلائق تمہارے عام احسانات وعطایا سے بہرہ ور نہونے پائے۔ میں تم کو اپنے حق پدری کی کہ تم پر ہے قسم دیتا ہوں کہ تمہاری درآمد وبرآمد ہمیشہ دروازہ کلاں سے ہو۔ اور جس وقت باہر آؤ۔ روپیہ اشرفی

اپنے ساتھ رکھو۔ کوئی سائل محروم نہ جائے۔ اگر تمہارے اعمام سے کوئی تم سے سوال کرے تو پچاس دینار سے کبھی کمتر نہ دو۔ اور جو عمات سے مانگے ۲۵ اشرفی سے کم نہ دو۔ زیادہ کا تمکو اختیار ہے۔ اے پسر میں چاہتا ہوں کہ حق تعالےٰ تمہارا اس شیوہ مرضیہ سے مرتبہ بلند کرے فانفق ولا تخش من ذی العرش اقتارا۔ راہ خدا میں بذل کرو۔ اور ذرا اندیشہ کو دل میں راہ نہ دو۔ کیونکہ مالک عرش عظیم تم کو فقیر و مفلس نہ ہونے دیگا۔

نعمت خدا کا ادب۔ یاسر خادم خاص کہتا ہے۔ ہم ایک روز غلام میوہ کھا رہے تھے۔ مگر دانہ کو پورا نہ کھاتے۔ کچھ کھاتے کچھ پھینکدیتے۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا سبحان اللہ۔ اگر تم اس سے مستغنی ہو تو بہت اشخاص اس کے محتاج ہیں۔ خود سیر ہو جاؤ تو دوسرے صاحب احتیاج کو دیدیا کرو۔

مزدور کی مزدوری پہلے چکا لینی چاہیے۔ سلیمان ابن جعفر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت کے ہمراہ تھا۔ گھر پر واپس تشریف لائے تو میں نے اپنے گھر واپس جانا چاہا۔ فرمایا آج شب کو ہمارے پاس رہو۔ میں نے قبول کیا۔ آفتاب قریب بغروب تھا۔ دولت خانہ پر غلام گارے۔ مٹی کا کام کر رہے تھے۔ شاید مویشی وغیرہ کے گھاس کھانے کی جگہ بنتی تھی آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک مرد سیاہ فام غیر ان کے درمیان نظر آیا۔ فرمایا یہ کون ہے۔ عرض کی ہم نے اپنی امداد کو رکھ لیا ہے۔ کچھ اس کو دیدینگے۔ فرمایا اسکی اجرت طے نہیں کی عرض کی نہیں۔ یہ سنکر غضبناک ہوئے اور تازیانہ کہ دست مبارک میں تھا۔ غلام کو مارا۔ کہ میں ہمیشہ تم کو کہتا ہوں کہ جب تک اجرت مقرر نہ کرلو۔ کسی کو ہرگز کام پر نہ لگاؤ۔ مگر تم نہیں سنتے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ جس مزدور کی مزدوری پہلے سے نہیں چکائی جاتی تو بعد اگر اس کام سے سہ گونہ بھی اجرت اسکو دی جاوے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ کچھ نہ کچھ میرے حق سے کم کرلیا ہے۔ اور جب مقرر کرکے دینگے تو وہ وفائے عہد جانیگا۔ اور پھر اگر ایک حبہ بھی زیادہ دیا جائیگا تو اس کی قدر کریگا۔ اور جانیگا کہ یہ کام سے زیادہ مجھے ملا ہے۔ اس کارآمد اصول کی قدر وہ لوگ خوب جانتے ہیں جن کو اکثر اس قسم کے معاملے پیش آتے رہتے ہیں۔ اور پہلے سے اجرت طے نہ کرلینے سے وہ خطا پا چکے ہیں۔ یہ ارشاد حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کا کہ چکائی ہوئی اجرت کے بعد جو کچھ بھی دیا جاوے۔ پانیوالا احسن کو انعام جانیگا۔ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

خانہ داری کے انتظام - ابوبکر صولی کہتا ہے کہ میری دادی مسماۃ عذرا مجھ سے بیان کرتی تھیں کہ مجھ کو اور چند کنیزوں کو اور جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے کوفہ میں خرید فرمایا۔ جن میں مولدہ صرف میں تھی۔ ہم کو مامون کے لئے خریدا تھا۔ میں جب مامون کے قصر میں داخل ہوئی تو وہاں کے عیش و عشرت اور ساز و سامان کا کیا بیان ہو۔ وہ مکان کا مکان کھانے پینے کی چیزوں کی وجہ سے۔ اور دیگر خوشبوؤں کے باعث سے۔ اور پھر روپیہ اشرفی کی فراوانی سے نمونۂ بہشت بریں تھا۔ بڑی آسائش سے زندگی بسر ہونے لگی۔ تھوڑے دنوں میں مامون نے مجھے پھر جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ میں قصر شاہی سے نکل کر اُن حضرتؑ کے گھر میں داخل ہوئی۔ تو وہ عالم ہی جدا تھا۔ وہ تمام چہل پہل دفعتاً میری آنکھوں سے غائب ہوگئی۔ یہاں نماز و روزہ کی تاکید تھی۔ ایک عورت مقرر تھی کہ رات کو خواہ مخواہ سوتوں کو جگاتی۔ نہ اُٹھتے تو جھنجھوڑتی۔ اور آخر سب کو جگا کر نماز شب پڑھواتی۔ مجھ پر اس وقت کا اُٹھنا نہایت شاق گزرتا۔ اور چاہتی تھی کہ کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں۔ یہاں تک کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے تمہارے دادا عبداللہ ابن عباس کو مجھے ہبہ کر دیا۔

صولی کا بیان ہے کہ بہت سی عورتیں میری نظر سے گزریں۔ مگر میں نے کوئی عورت اپنی دادی کے برابر عاقلہ اور فاضلہ نہیں دیکھی۔ وہ نہایت سیر چشم تھیں اور سخی۔ ۲۷۰ھ ہجری میں نوّے برس کی ہو کر فوت ہوئیں۔ ہم ان سے حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے حالات دریافت کرتے تو وہ فرماتی تھیں کہ بہت عرصہ کی باتیں ہوئیں۔ مجھے بھول گئیں۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ آپ اکثر عود ہندی کا بخور کرتے اور مشک و گلاب کا پانی استعمال کرتے۔ صبح کو اوّل وقت نماز کا معمول تھا۔ اس کے بعد سجدہ میں چلے جاتے۔ اُس وقت سے مجلس میں بیٹھ کر یا تو لوگوں کو وعظ و پند فرماتے۔ یا کہیں کو سوار ہو جاتے۔ کاشانۂ ملک آشیانہ میں کسی کی مجال نہیں تھی کہ چلّا کر بات چیت کرے۔ خود بھی بہت کم گفتگو فرماتے تھے۔

عطریات سے شوق - مثل اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کو عطریات سے بہت شوق تھا۔ روغنہائے خوشبو اپنے بدن پر ملتے۔ اور مجمرات سے تعطیر فرماتے۔

معمر ابن خلاد کہتے ہیں کہ مجھ کو حکم دیا تو میں نے ایک روغن مشک و عنبر ڈالکر تیار کیا۔ فرمایا ایک کاغذ پر آیۃ الکرسی۔ الحمد۔ معوذتین و قوارع قرآن۔ اور وہ آیات قرآنیہ جو شیاطین جن و انس

کے دفعیہ کے لئے مقرر ہیں۔ لکھکر اُس کاغذ کو شیشہ خوشبو اور اُس کے غلاف کے درمیان رکھو۔ و حسب الحکم وہ سب چیزیں تیار کر کے لیگیا۔ آپنے لیا اور میرے سامنے ریش مبارک کو اُس سے خوشبو فرمایا۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے پاس ایک آبنوس کا ڈبہ تھا جس میں چند خانے تھے۔ ایک خانہ میں خوشبو۔ ایک میں مشک رہتا تھا۔ فرماتے تھے۔ چند چیزیں دل کو تازہ کرتی ہیں۔ خوشبو لگانا۔ شہد کھانا۔ سواری کرنا۔ اور سبزے کی طرف نگاہ کرنا۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ آدمی کو خوشبو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر ہر روز استعمال کرے تو بہتر ہی ورنہ تیسرے روز لگائے۔ اگر اس کی بھی قدرت نہو تو ہر جمعہ کو ضرور کسی نہ کسی قسم کی خوشبو کا استعمال کرے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے ایک شخص نے مشک کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار جناب علی ابن موسے الرضا علیہ السلام کے واسطے مشک اور لوبان سے ترکیب دیکر ایک خوشبو بنائی گئی تھی۔ اُس پر سات سو درم صرف ہوئے تھے۔ فضل ابن سہل نے آپ کو تعریضاً لکھا کہ لوگ آپ کو اسکی وجہ سے عیب لگاتے ہیں۔ آپنے اُس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ حضرت یوسف علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام نبی تھے۔ باوجود اس کے دیبا و زربفت کے کپڑے پہنتے تھے اور کرسیہائے زرین پر جلوس فرماتے تھے۔ اس سبب سے ان کے علم و حکمت سے کچھ کم نہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ ایک غالیہ تیار کیا جائے جسپر چار ہزار درم صرف ہوئے۔

خرمے سے خاص رغبت۔ سلیمان ابن جعفر کہتے ہیں کہ میں خدمت بابرکت میں حاضر ہوا تو خرما بے برنی تناول فرما رہے تھے۔ ازبسکہ خرمے مرغوب طبع اقدس تھے تو بہت شوق سے کھاتے تھے۔ مجھے دیکھکر فرمایا آؤ تم بھی کھاؤ۔ میں بھی آپ کے ہمراہ کھانے لگا پھر عرض کی میں نے فدا ہوں آپ پر کیا خرمے بہت مرغوب طبع مبارک ہیں۔ فرمایا کیونکر مرغوب نہوں۔ حالانکہ حضرت رسول خدا صلےٰ اللہ علیہ و آلہ وسلم و حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا و حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام و حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام و جناب امام محمد باقر علیہ السلام سب کے سب تمری (خرما دوست) تھے۔ نیز ہمارے جد امجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور میرے پدر بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی تمری تھے۔ ہاں ہمارے دشمن مسکرات کو دوست رکھتے ہیں کیونکہ انکی خلقت مارج من نار

خالص آتش سے ہوئی ہے۔
عبادت خدا میں کسی کو شریک کرو۔ کافی میں حسن ابن علی وشا سے منقول ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایکبار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آفتابہ پاس رکھے ہوئے وضو فرمانے کے لئے تیار تھے۔ میں نے آگے جاکر وہ آفتابہ اٹھالیا کہ حضرت کو وضو کراؤں۔ فرمایا نہیں نہیں آفتابہ یہیں رہنے دو۔ عرض کی دستہا سے مبارک پر میں پانی ڈالدوں۔ آپ وضو کریں کیا حضرت کراہت فرماتے ہیں کہ میں داخل ثواب ہوں۔ فرمایا تم تو ثواب میں داخل ہو۔ اور میں گنہگاروں میں شامل۔ عرض کی یہ کیوں۔ آپ کیسے گنہگار ہونگے۔ فرمایا کیا تو نے جناب باری تعالےٰ سبحانہ کا یہ قول نہیں دیکھا ہے من کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا یعنی جو چاہے کہ اپنے پروردگار کی نعمتوں سے ملاقات کرے اسکو چاہیئے کہ اعمال نیک وصالح بجالائے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک کرے میں نماز کے واسطے وضو کرتا ہوں۔ جو عبادت ہے۔ پس نہیں چاہتا کہ کسی کو عبادت خدا میں شریک کروں۔

انکار غلو۔ عبدالسلام ابوالصلت بن صالح ہروی کہتے ہیں کہ میں سرخس میں جب آپ نظربند تھے۔ حاضر ہوا۔ تو آپ بیشتر اوقات عبادت خدا میں مصروف رہتے۔ شبانہ روز میں ہزار رکعت نماز بجالاتے۔ میں باریاب خدمت ہوا تو مصلّے پر بیٹھے مشغول ذکر و فکر تھے میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ حضرات اپنے آپ کو مالک اور آقا۔ اور تمام مخلوق کو اپنا بندہ سمجھتے ہیں۔ یہ سنکر دست دعا بدرگاہ جناب کبریا دراز کئے اور کہا اللّٰھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ اے پیدا کنندہ زمین و آسمان و عالم و واقف اسرار نہان تو گواہ ہے کہ میں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ اور نہ اپنے آبائے طاہرین میں سے کسی شخص کو ایسا کہتے ہوئے سُنا۔ پروردگارا تو خوب جانتا ہے کہ یہ امت ہم کو طرح طرح سے ستاتی اور ایذا دیتی ہے۔ یہ بھی ان میں سے ایک قسم کی پھر فرمایا اے عبدالسلام۔ اگر لوگ جیسا کہ وہ کہتے ہیں ہمارے عبید ہوتے تو ہم ان کو کیونکر خریدتے۔ اور فروخت کرتے۔ آیا تو بھی ہماری ولایت و امامت کے قائلین سے ہے یا منکرین سے۔ میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ درست ارشاد فرماتے ہیں لیکن معاذ اللہ۔ میں منکرین سے نہیں ہوں۔ میں آپ کی امامت و ولایت کا اقرار کرنیوالا ہوں۔

اسی طرح مفاخرت نسبی کے متعلق جو ارشاد حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے حضرت زید سے فرمایا ہے وہ اپنے مقام پر لکھا جا چکا ہے۔

رات دن کے اعمال و اوراد۔ بسا اوقات رات دن میں ہزار رکعت نماز مثل اپنے جد امجد حضرت امیر المومنین علیہ السلام بجا لاتے۔ زوال سے پہلے اول روز میں اور شام کو جبکہ آفتاب زرد ہونے لگتا تھوڑی دیر کے لئے فارغ ہو جاتے۔ ورنہ اکثر اوقات مصلے پر تشریف رکھتے۔ اور زیادہ تر فکرمند و دلگیر دکھائی دیتے۔ رجاء ابن ابی الضحاک کہ مامون کی طرف سے حضرت کو مدینہ سے مرو لیجانے پر مامور ہوا تھا تمام سفر میں ہمرکاب رہا۔ آپکے روزانہ عادات و عبادات کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ قسم خدا کی حضرت سے زیادہ تر پرہیزگار اور ہر دم یاد خدا میں رہنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ صبح ہوئی تو نماز صبح اول وقت پڑھکر مشغول تعقیبات ہوئے۔ اور ذکر تسبیح و تحمید۔ تکبیر تہلیل کو طول دیتے۔ اور بکثرت درود بھیجتے۔ محمد و آل محمد علیہم السلام پر۔ یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جاتا۔ اس وقت سجدۂ شکر میں جاتے اور سر نہ اٹھاتے۔ جب تک کہ آفتاب بلند ہوتا۔ پس حاضرین درگاہ سے مخاطب ہوتے اور باب پند و نصائح اُن پر کھولتے۔ تا اینکہ قریب بزوال تجدید وضو کر کے پھر مصلے پر تشریف لیجاتے۔ زوال آفتاب تک چھ رکعت نافلہ ظہر سے۔ دو دو رکعت اس طرح کر کے پڑھتے۔ کہ پہلی رکعت میں بعد الحمد قل یا ایہا الکافرون باقی پانچ رکعت میں قل ہو اللہ احد ہر دوسری رکعت میں بعد قرأت و قبل رکوع دعاو قنوت۔ پھر اذان کہکر دو رکعت باقی کو بدستور بجالاتے۔ اور اقامت کے بعد چار رکعت فریضۂ ظہر ادا فرماتے۔ سلام پھیر کر تعقیبات ظہر کو طول دیتے۔ بعد ازاں سجدۂ شکر میں سو مرتبہ شکراً للہ کہکر چھ رکعت نافلۂ عصر دو رکعت الحمد اور قل ہو اللہ کے ساتھ۔ اور دو رکعت باقی اذان و اقامت کے درمیان پڑھکر فریضۂ عصر بجالاتے۔ اور سلام کے بعد عرصۂ دراز تک تعقیب عصر میں مشغول ہوتے۔ پھر سجدۂ شکر بدستور سو مرتبہ شکراً للہ کے ساتھ۔ پس غروب آفتاب پر تجدید کر کے وضو کر کے تین رکعت واجب مغرب کی بہ اذان و اقامت ادا کر کے تعقیب اور بعد سجدۂ شکر چار رکعت نماز نافلہ مغرب دو دو رکعت کر کے الحمد و یا ایہا الکافرون والحمد و قل ہو اللہ سے بجالاتے تسلیم و تعقیب کے بعد اندھیرا ہو جاتا تو روزہ افطار فرماتے۔ پھر قریب ثلث شب گزر جانے پر چار رکعت نماز فرض عشا کی اذان اقامت و قنوت کے ساتھ بجالاتے اور تعقیب پڑھتے۔ پھر بچھونے پر لیٹ کر

آرام فرماتے۔ ایک ثلث شب باقی رہے ذکر تسبیح و استغفار برلب خواب سے بیدار ہوتے اور مسواک و وضو کر کے آٹھ رکعت نماز شب اس طرح سے کہ پہلے دو رکعتوں میں بعد الحمد قل ہو اللہ تیس تیس مرتبہ اور چار رکعت دیگر کو مثل نماز جعفر طیار علیہ السلام کے دو دو رکعت کر کے بجالاتے۔ اور دوگانۂ باقیہ سے پہلے میں الحمد۔ تبارک الذی۔ بیدہ الملک۔ اور دوسرے میں ہل اتٰی علی الانسان۔ بعد ازاں دو رکعت شفع سے ہر ایک میں الحمد کے بعد قل ہو اللہ تین مرتبہ پھر ایک وتر میں الحمد کے بعد قل ہو اللہ احد تین مرتبہ اور قل اعوذ برب الناس و قل اعوذ برب الفلق ایک ایک مرتبہ۔ پس دعائے قنوت پڑھکر ستر مرتبہ استغفر اللہ واسئلہ التوبۃ اور سلام پھیر کر تعقیب اور بعد ازاں قریب بطلوع صبح پھر نماز فریضہ صبح ادا کرتے۔ سورہائے مقررہ۔ قرات جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی جملہ فرائض میں الحمد کے بعد انا انزلناہ۔ پہلی رکعت میں اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون ہوتی تھی۔ لیکن عشاء شب جمعہ میں سورہ جمعہ اول میں اور سورہ غاشیہ دوسری میں۔ اور دوشنبہ پنجشنبہ کے روز اول رکعت نماز صبح میں ہل اتٰی علی الانسان اور دوسری میں سورہ غاشیہ۔ اور نماز مغرب۔ عشا۔ نماز شب و شفع و وتر و صبح میں قرأت کو بجہر پڑھتے اور ظہر و عصر میں آہستہ اور دو رکعت آخر میں بجائے الحمد کے تسبیحات اربعہ تین مرتبہ۔ اور قنوت آنحضرت علیہ السلام کا نمازوں میں رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَجَلُّ الْاَکْرَمُ ہوتا۔ جہاں کہیں دس روز قیام ہوتا تو برابر روزہ رکھتے۔ شام کو افطار سے پہلے نماز مغرب بجالاتے۔ سفر میں تمام نمازیں آپ کی دو دو رکعت ہوتیں بجز ایک نماز مغرب کے کہ سہ رکعتی ہوتی۔ نافلۂ مغرب و نماز شفع و وتر و نافلہ صبح۔ سفر و حضر کسی حالت میں آپ سے فوت نہ ہوتی۔ ہاں نوافل ظہرین کو سفر میں نہ پڑھتے تھے۔ اور ہر نماز قصر کے بعد تیس مرتبہ تسبیحات اربعہ کا پڑھنا آپ کا معمول تھا۔ فرماتے تھے کہ یہ جبر اس نقصان کا ہے جو بسبب قصر سفر میں ہوا ہے۔ نماز چاشت حالت سفر و حضر میں کبھی نہیں پڑھتے تھے نہ سفر میں روزہ رکھتے۔ دعا مانگتے تو درود محمد و آل محمد علیہم السلام سے اُس کو شروع فرماتے۔ نیز نماز و غیر نماز میں درود آپ کے ورد زبان رہتا تھا۔ رات کو بستر پر لیٹتے تھے تو جتنی دیر بیدار رہتے تلاوت قرآن کیا کرتے تھے۔ جہاں ذکر جنت و دوزخ آجاتا گریاں ہوتے۔ جنت کا سوال کرتے حق تعالیٰ سے اور جہنم سے استعاذہ فرماتے۔ بسم اللہ کو نمازہائے شب و روز میں آواز سے پڑھنا آپ کا معمول تھا۔

جواب عبارتہائے قرآنیہ۔ آپ کا معمول تھا کہ سورۂ قل ہو اللہ احد پڑھتے تو دس بار اللہ احد فرماتے۔
تمام سورۂ قل ہو اللہ احد کے بعد کذالک ربنا تین دفعہ۔
سورۂ قل یا ایہا الکافرون میں ایہا الکافرون کے بعد یا ایھا الکافرون۔
تمام سورۂ قل کے بعد انی اعبداللہ و دینی الاسلام۔
سورۂ والتین والزیتون کے بعد بلیٰ ونحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین۔
سورۂ لااقسم بیوم القیمۃ کے بعد سبحٰنک اللّٰھم بلیٰ
سورۂ جمعہ میں قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ کے بعد۔ } للذین اتقوا واللہ خیر الرازقین۔
سورۂ فاتحہ کے بعد الحمد للہ رب العٰلمین۔
سورۂ سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ سبحان ربی الاعلیٰ
یا ایہا الذین آمنوا کے بعد لبیک

شیعوں کے ساتھ خاص رعایت۔ موسےٰ ابن سیار کا بیان ہے کہ میں سفر میں ہمراہ رکاب تھا۔ قریب طوس کے پہنچے تو صدائے گریہ و بکاز ور سے سنائی دی۔ اُس طرف نظر کی تو دیکھا کہ جنازہ لارہے ہیں۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام اُسے دیکھتے ہی گھوڑے سے اُتر گئے اور بڑی رغبت سے اُس کے اُٹھانے میں شریک ہوئے۔ اور مجھ سے فرمایا۔ ابن سیار۔ جو ہمارے دوستوں میں سے مرجائے اور جو کوئی اُسکا جنازہ اُٹھائے اُس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا شکم مادر سے پیدا ہوا ہے۔ جنازہ قبر کے نزدیک پہنچا تو لوگوں کو اُس کے پاس سے ہٹادیا اور بند کفن کھولکر میت کے سینہ پر ہاتھ پھیرا۔ اور کہا۔ اے فلاں۔ بشارت ہو تجھ کو ساتھ نعمات بہشت کے۔ بتحقیق کہ اس وقت کے سوا کوئی خوف تجھ پر نہیں ہے۔ میں نے عرض کی کیا حضرت اس میت کے حال سے واقف ہیں۔ قسم خدا کی آج سے پہلے آپ نے اس زمین پر کبھی قدم نہیں رکھا۔ فرمایا اے موسےٰ تجھے معلوم نہیں کہ ہر امام کے پاس صبح و شام اُس کے شیعوں کے اعمال عرض کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ اعمال ناقص ہیں تو امام اُنکے لئے استغفار کرتا ہے خدا سے۔ ورنہ شکر خدا بجالاتا ہے۔

مذمت دنیا و اموال دنیا۔ احمد نربطی کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ کچھ عرض حال کیا۔ فرمایا

ذرا ٹھیرو۔ انشاء اللہ تعالےٰ تمہاری حاجت روا ہوجائیگی۔ پھر فرمایا قسم خدا کی جو کچھ کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے مؤمنین کے لئے دار آخرت میں ذخیرہ کیا ہے۔ وہ اس سے کہیں بڑھکر ہے جو انکو دیا ہے۔ پس دنیا کی مذمت کرنے لگے کہ کیا چیز ہے۔ کچھ حقیقت اسکی نہیں۔ پھر فرمایا جس کے پاس دولت ہوتی ہے۔ وہ خطرہائے بزرگ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب تک کہ حقوق خدا سے ادا نہو جائیں۔ احمد نے عرض کی اللہ اللہ حضرت کا باوجود اس رتبۂ امامت و عصمت کے یہ حال ہے۔ فرمایا ہاں اور جو کچھ مجھے اس جلشانہ نے عطا کیا ہے اسپر اُسکا شکریہ بجالاتا ہوں۔

قیافہ شناسی۔ علامہ طبری علیہ الرحمہ نے اعلام الوریٰ میں نقل فرمایا ہے کہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے ایک شخص کو لکھا کہ ہم جب کسی آدمی کو دیکھتے ہیں تو اُس کا واقعی مومن ہونا یا منافق ہونا ہمکو معلوم ہوجاتا ہے۔

حق گوئی و حق شناسی۔ بروز عید الفطر ایک غلام کو دعا دیتے ہوئے فرمایا۔ اے فلان۔ تقبل اللہ منك ومنّا۔ اے فلان۔ خدا تیرے اور ہمارے اعمال کو قبول فرمائے۔ بعد ازاں بروز عید الضحےٰ اسی کو بدیں عبارت دعا دی۔ تقبل اللہ منا ومنك خدا ہمارے اور تیرے عمل کو قبول کرے۔ ایک شخص نے کہ دونو موقع پر حاضر درگاہ تھا۔ اختلاف عبارات دعا کا باعث دریافت کیا۔ فرمایا بروز عید الفطر اسی نے میرے مانند عمل خیر کیا جو مجھ سے رہ گیا تھا۔ اُس وقت میں نے دعا میں اسے اپنے اوپر مقدم کیا اور اپنے آپ کو موخر۔ بخلاف عید الضحےٰ کے کہ میں نے قربانی کی اور اسے میسر نہوئی تو اسے اپنے بعد دعا میں شامل کیا۔

علوم حضرت امام رضا علیہ السلام

حضرات ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے خصوصیات میں یہ امر تمام تاریخی مشاہد اور نیز حدیث و سیر کے اسانید معتبرہ سے ثابت ہے کہ باوجودیکہ اہل دنیا کو آپ حضرات کی تقلید اور متابعت فی الاحکام کا بہت کم شرف حاصل تھا مگر باایں ہمہ تمام زمانہ اور ہر خویش و بیگانہ آپ حضرات کو تمام علوم الٰہی اور اسرار الٰہی کا گنجینہ سمجھتا تھا۔ اور محدثین و مفسرین اور تمام علما و فضلاء جو آپ کی مقابلہ کا دعوےٰ رکھتے تھے وہ بھی علمی مباحث و مجالس میں آپ حضرات کے آگے زانوے ادب تہ کرتے تھے اور علمی مسائل کے حل کرنے کی ضرورتوں کے وقت جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے لیکر امام زین العابدین علیہ السلام تک جیسے جیسے استفادے حاصل کئے وہ سب کتابوں میں موجود ہیں۔ جابر ابن عبد اللہ انصاری اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت

ہیں سمع حدیث کے واقعات تمام حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح ابوالطفیل عامری اور سعید ابن جبیر آخرین صحابہ کے تحصیلی حالات جو ان بزرگواروں کے حال میں پائے جاتے ہیں وہ سیر و تواریخ میں مذکور و مشہور ہیں۔ صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین۔ ان لوگوں کی فیضیابی کی بھی یہی حالت ہے۔ شعبی۔ زہری۔ ابن عتبہ۔ سفیان ثوری۔ ابی شیبہ۔ عبدالرحمٰن اسلمی۔ عکرمہ۔ حسن بصری وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کے سب۔ جو اس وقت اسلامی دنیا میں دینیات کے پیشوا اور مقتدا سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں بزرگواروں کے چشمۂ فیض کے جرعہ نوش اور انہیں حضرات کے مطیع و حلقہ بگوش تھے۔

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کو اتفاق حسنہ سے اپنے علم و فضل کے اظہار کے زیادہ موقعے پیش آئے۔ کیونکہ مامون عباسی کے پاس جب تک آپ دار الحکومت مرو میں تشریف فرما رہے بڑے بڑے علما و فضلا سے علوم مختلفہ میں آپ کی استعداد اور فضیلت کا اندازہ کرایا گیا۔ اور کچھ اسلامی علما و فضلا پر موقوف نہیں تھا۔ بلکہ علمائے یہود و نصاریٰ سے بھی آپ کا مقابلہ کرایا گیا۔ مگر ان تمام مناظروں اور مباحثوں میں اُن تمام لوگوں پر آپ کی فضیلت اور فوقیت ظاہر ہوئی۔ خود مامون بھی خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ اعلم اور افقہ تھا۔ باوجود اس کے آپ کے تبحر فی العلوم کا لوہا مانے تھا۔ اور چاروناچار اس کا اعتراف پر اعتراف اور اقرار پر اقرار کرتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ آپ جلالت قدر و عزت و شرافت میں معروف و مذکور ہیں۔ اسی وجہ سے کہ مامون آپ کو بمنزلہ اپنی روح و جان کے جانتا تھا۔ اُس نے اپنی دختر کا نکاح آنحضرت علیہ السلام سے کیا۔ اور مُلک و ولایت میں اپنا شریک گردانا۔ مامون برابر علمائے ادیان و فقہائے شریعت کو جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے مقابلہ میں بُلاتا اور مناظرہ کراتا۔ مگر آپ ہمیشہ اُن لوگوں پر غالب آتے۔ خود ارشاد فرماتے تھے کہ میں مدینہ میں روضۂ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھتا وہاں کے علمائے کثیر جب کسی علمی مسئلہ میں عاجز آتے تو بالاتفاق میری طرف رجوع لاتے۔ میں جوابہائے شافی دیکر اُنکی تسلی و تسکین کر دیتا۔

ابوالصلت عبدالسلام ابن صالح الہروی کہتے ہیں کہ حضرت امام علی ابن موسے الرضا علیہما السلام سے زیادہ کوئی عالم میری نظر سے نہیں گزرا۔ اور مجھ پر موقوف نہیں۔ جو کوئی آپکی زیارت سے مشرف ہوا۔ وہ میری طرح آپ کی اعلمیت کی شہادت دیگا۔

شواہد النبوۃ میں ہے کہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حالانکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام بھی ہمراہ تھے۔ فرمایا۔ اے موسےٰ۔ تمہارا یہ فرزند علی رضا علیہ السلام۔ نور خدا سے نگاہ کرتا ہے اور حکمت خدا سے بولتا اور کلام کرتا ہے۔ اس کے اقوال و افعال سب درست و صواب ہیں۔ خطا کو ان میں مطلق دخل نہیں۔ عالم ہے۔ جہالت اس سے دور رہتی ہے۔ سر سے پاؤں تک علم و حکمت سے معمور ہے۔

ابو الصلت ہروی۔ محمد ابن اسحاق ابن موسے ابن جعفر الصادق علیہما السلام نے بواسطہ اپنے باپ اسحاق کے روایت کی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی حضرت علی رضا علیہ السلام۔ عالم آل محمد تمہاری پشت میں ہیں۔ کاش میں اُس کو ادراک کرتا۔ وہ ہمارے جد امجد۔ امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا ہمنام ہوگا۔

ابراہیم ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے آج تک کسی شخص کے کسی امر کو نہیں دیکھا کہ وہ امر آپ سے پوچھا گیا ہو۔ اور اُسکا جواب آپکے پاس نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے اس وقت تک کے حالات کا جاننے والا میں نے آپ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ مامون ہر قسم کے سوال و جواب کرکے آپ کو آزماتا تھا۔ مگر آپ کے پاس ہر بات کا جواب باصواب موجود تھا۔ اور تمامتر آپکا کلام اور جملہ جوابات کلام اللہ سے ماخوذ و مستنبط ہوتے تھے۔

محاضرات راغب اصفہانی میں ہے کہ روئے زمین پر کبھی کوئی ایسے سات اشخاص متواتر نہیں گزرے کہ خاص و عام کے نزدیک اُن کا قول معتبر اور حدیث مقبول ہو۔ جیسے کہ حضرت علی رضا علیہ السلام اور اُن سے پہلے جناب امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام اور اُن سے پیشتر حضرت امام جعفر صادق و امام محمد باقر و امام زین العابدین و امام حسین شہید اور علی ابن ابیطالب صلوات اللہ علیہم اجمعین ہوئے ہیں۔

محمد ابن عیسےٰ الیقطینی ناقل ہیں کہ جب لوگوں نے حضرت علی ابن موسے الرضا علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ تو میں نے وہ مسائل جن کے جوابات آپ کی خدمت سے حاصل کئے تھے جمع کرنے شروع کئے۔ اُنکا شمار لگایا تو وہ مجموع اٹھارہ ہزار برآمد ہوئے۔

سواد اعظم کے بڑے بڑے مفسرین۔ محدثین اور مصنفین نے اپنی تصنیفات و تالیفات میں

آپ سے روایت کی ہے نیشاپور میں اسحاق ابن راہویہ اور اُس کے ہمراہی اٹھارہ ہزار علماء کا ایکبار آپ سے سمع حدیث کرنا آپ کے سفرنامہ میں بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔ ابو بکر خطیب نے تاریخ بغداد میں۔ امام ثعلبی نے تفسیر میں۔ امام سمعانی نے کتاب الانساب میں۔ اور ابن معتز نے اپنی تالیفات میں برابر آپ سے نقل کیا ہے۔

عبداللہ ابن مبارک خراسان کے مفتی کا یہ شعر آپ کی مدح میں خاص طور پر آج تک یادگار ہے ؎

ھٰذا علیٌّ والھدیٰ یقودہ	من خیر فتیان قریش عودہ

یہی علی (ابن موسےٰ علیہما السلام) ہیں۔ اور ہدایت آپ ہی کی متابعت میں ہے۔ اور اور تمام قریش کے جوانوں کے آپ سرمایۂ ناز و افتخار ہیں۔

علامہ شہرستانی۔ اور ابن اثیر نے آپ کو مائتہ ثانیۃ کے خاص مجددین سے شمار کیا ہے دیکھو اصل عبارت جامع الاصول ابن اثیر۔ لمعۃ الضیا صفحہ ۱۵۔

غیر قوم کی علمائے متبحرین سے مناظرے اور مباحثے

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں پہلے آپ کے وہ مناظرے اور مباحثے قلبند کرتے ہیں جو غیر قوم اور مذہب کے علمائے متبحرین سے واقع ہوئے۔ ان تمام مناظرات کا سبب مامون تھا۔ وہ خود علمی جلسوں کا دلدادہ۔ علوم کا شیدائی۔ پہلے تو خود پیٹ بھر کر آپ سے مسائل پوچھ لیتا۔ اور بات بات میں کسب علوم کرتا۔ غرض جب اُس نے کماحقہ آپ کو آزمالیا اور آپ کی اعلمیت اور قابلیت کی تصدیق کرلی تو دیگر نواصب عباسیہ کے کہ آپ کی ولیعہدی پر شور مچا رہے تھے مُنہ بند کرنے کے واسطے ضرور تھا کہ آپ کی فضیلت و فوقیت کی مُلک میں منادی کی جاوے۔ اس کے سوا ممکن ہے کہ کوئی اور بھی پولیٹکل غرض فاسد اس کے ذہن میں مضمر ہو۔ غرض جو کچھ ہو۔ مامون نے حکم بھیجکر تمام قلمرو کے اہل علم کو مرو میں بلوایا۔ اور آپ کے ساتھ مناظرے کرائے۔ جن کی وجہ سے شہر مرو اُن ایام میں بلامبالغہ ایک علمی اکھاڑہ بنگیا تھا۔ مگر الحمدللہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام اپنے تمام مقابل علماء کا سر اپنی معلومات لامتناہیہ کے آگے آخر کار نیچا ہی کر دیا۔ وھٰذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ایک زندیق سے آپ کا مناظرہ۔ عبداللہ خراسانی۔ خادم جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے نقل کیا ہے کہ ایک بار ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی

رحمك الله اوجدلى كيف هو واين هو۔ ارشاد فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ کیسا اور کہاں ہے۔
ارشاد فرمایا ویلک۔ تیرا خیال تجھے کہاں لے گیا۔ اَینیّت و کیفیّت مخلوقات خدا ہیں۔
اَین کو اَین اُس نے بنایا۔ اور کیف کو کیف اُس نے کیا۔ پھر اُس پر اَینیّت و کیفیّت کا
کیونکر اطلاق ہوسکتا ہے۔ کیونکہ کوئی اُس کو حواس خمسہ کے احساس سے ادراک نہیں کرسکتا۔
اور نہ کسی شئے پر اُسکا قیاس ہوسکتا ہے۔ اُس زندیق نے کہا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی شئے
نہیں ہے۔ جبکہ حواس خمسہ سے کسی کے ساتھ محسوس نہیں ہوسکتا۔ حضرت امام موسیٰ رضا
علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے نزدیک حواس سے محسوس ہونا مستلزم اس امر کا ہے کہ اُسکے
وجود سے انکار کرے۔ ہمارے قیاس میں یہ عدم احساس ہمارے عجز و قصور اور اُس کے کمال
کی دلیل ہے۔ ہم نے اسی سے جانا کہ وہ ہمارا پروردگار ہے۔ کیا معنی کہ یہاں سے معلوم ہوا
کہ اُسکا وجود دیگر اشیاء کے وجود کی مانند نہیں ہے۔ کہا۔ کب سے اُسکا وجود ہے۔ فرمایا۔
تو بتا کہ وہ کب نہیں تھا۔ اُس نے کہا کہ کیا دلیل ہے اُسکے وجود پر۔ فرمایا ہم اپنے اس جسم
کو دیکھتے ہیں تو اسکے طول عرض زیادتی کمی سے کسی چیز پر اپنا اختیار نہیں پاتے۔ اس کے
نفع و ضرر پر اصلاً قدرت نہیں رکھتے۔ اس سے ہمنے جانا کہ اسکا بنانے والا کوئی اور ہے۔
علاوہ اس کے۔ آسمانوں کی گردش۔ بادلوں کا پیدا ہونا۔ ہواؤں کا چلنا۔ چاند۔ سورج ستاروں
کا ایک قاعدہ سے چلنا۔ اور اپنی مقررہ حرکت کے مطابق متحرک ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب
آیاتِ عجیب اور علاماتِ غریب اُس صانع حکیم کے وجود پر اوّل دلیل ہیں۔
اُس زندیق نے کہا کہ پھر وہ آنکھ سے کیوں نہیں دکھائی دیتا۔ ارشاد فرمایا کہ اُن چیزوں سے
جو آنکھ سے دکھائی دیتی ہیں۔ اور وہ سب اُسی کی بنائی ہوئی ہیں متفرد اور ممتاز رہتے ہیں
نہ آنکھ اُس کو ادراک کرسکتی ہے نہ عقل اور وہم اُسکا احاطہ کرسکتا ہے۔ کہا۔ حد اُس کی
کیا ہے۔ فرمایا۔ وہ غیر محدود ہے۔ کیونکہ ہر ایک محدود منتہائی ہے۔ جو محدود ہوگا اُس میں
کمی بیشی کا احتمال رہیگا۔ پس وہ غیر محدود ہے۔ نہ متزاید ہوسکتا ہے۔ نہ متناقص۔ نہ ذی اجزا
ہے۔ اُسنے کہا کہ تم کہتے ہو وہ لطیف۔ سمیع۔ بصیر۔ علیم اور حکیم ہے۔ اسکے کیا معنی۔ ہاتھوں
کے بغیر لطیف۔ کانوں کے بغیر سمیع۔ آنکھوں کے بغیر بصیر کیونکر ہوسکتا ہے۔ پس کیونکر وہ
خالق جلیل جس نے جاندار مختلف شکل و صورت کے کہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ اور
اشجار میوہ دار و غیر میوہ دار اور طرح طرح کے بنائے۔ لطیف نہ ہوگا۔ یہ قاعدے کی بات ہے کہ

جب ہم میں سے کوئی اچھی چیز بناتا ہے تو عموماً یہی کہا جاتا ہے کہ اسکا بنانیوالا کیسا لطیف ہے۔ خدائے سبحانہ تعالےٰ بھی ضرور لطیف ہے مگر نہ اس طرح جیسا کہ مخلوق اپنی صعنتوں میں۔ اسی طرح ہم اُسکو سمیع بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ عرش سے لیکر تحت الثرائے تک کوئی آواز کسی چھوٹے بڑے مخلوق کی اس سے پوشیدہ نہیں۔ پس وہ بلاشبہ سمیع ہے۔ مگر کان کا محتاج نہیں۔

علےٰ ہذا وہ بصیر ہے کہ مورچہ نحیف کو شب تاریک میں سنگ سیاہ پر دیکھتا ہے اور اُسکی چال کو ظلمت لیل میں معلوم کرتا ہے۔ اور اُس کے نفع و نقصان۔ جوڑا کھانے۔ بچے نکالنے۔ نسل بڑھانے کے تمام کام اس کی نظر میں ہیں۔ اس لئے ہم اسے بصیر کہتے ہیں۔ راوی حدیث ناقل ہے کہ اسکے سوا اُسنے اور بہت سے سوال و جواب جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے کئے اور وہ آپ کی خدمت سے اُس وقت تک نہ اُٹھا جبتک کہ صدق دل سے کلمۂ شہادتین پڑھکر مسلمان نہ ہولیا۔

ایک دوسرا کافر مسلمان ہوا۔ نہر بلخ کے پار کا رہنے والا ایک ملحد آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ آپ اگر میرے اس مسئلہ کا جواب جسے میں پہلے سے جانتا ہوں مجھے میرے حسب دلخواہ دیدینگے تو میں آپ کی امامت کا ضرور قائل ہوجاؤنگا۔ ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ مسئلہ بیان کرو۔ اُس نے کہا کہ مجھے رب العالمین کی خبر دیجئے کہ کہاں ہے اور کیونکر ہے۔ فرمایا۔ انّ اللہ این الاین بلا این۔ وکیف الکیف بلا کیف۔ اَیْنَ (کہاں) اور کَیْفَ (کیونکر) دونوں مخلوقات اور آفریدگان خدا سے ہیں۔ اُس سبحانہ تعالےٰ نے انہیں پیدا کیا۔ بغیر اس کے کہ وہ ان سے منسوب ہو سکے۔ اور اعتماد اسکا اپنی قدرت کاملہ پر ہے۔ وہ شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور سر مبارک پر بوسہ دیکر کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ اور کہا کہ گواہی دیتا ہوں کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام۔ جناب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وصی برحق ہیں۔ اور آپ حضرات امامان صادقین ہیں۔ اور آپ یا حضرت علیہ السلام اُنکے خلف اور جانشین ہیں۔

ابن قرہ نصرانی سے مناظرہ۔ ابن قرہ سے جناب مسیح ابن مریم علے نبیّنا وآلہ و علیہ السلام کے بارے میں استفسار فرمایا کہ آپ کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے۔ ابن قرہ نے عرض کی اِنَّہٗ مِنَ اللہِ وہ خدا سے ہے۔ فرمایا تیرا مِنَ اللہ کہنے سے کیا مدعا ہے۔ مِن جا طرح

اپنے معنی تبلاتا ہے۔ ایک بعضیہ۔ وہ توجز ہوگا کل سے۔ دوسرے استحالہ کے طور پر جیسا کہ
اَلْخَلُّ مِنَ الْخَمْرِ۔ سرکا شراب سے۔ تو ایسی حالت میں معاذاللہ خدا مستحیل ہونیوالا ٹھہریگا۔
طرف مسیح علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام کے۔ تیسرے بسبیل نکاح یا وطی کے جیسا کہ باپ سے بیٹا۔ یا
بطور صنعت کے صانع سے۔ پس ان تمام صورتوں میں لفظ مِن سے جناب مسیح علےٰ نبیّنا وآلہ
وعلیہ السلام مخلوق ثابت ہوئے۔ اب ان چار صورتوں کے سوا مِنَ اللہ کی پانچویں صورت
نہیں ہے۔ اگر ہے تو بیان کر۔ نصرانی یہ معجز بیانی سُنکر خاموش اور لاجواب ہوگیا۔

جاثلیق نصرانی عالم کے ساتھ مناظرہ۔ جاثلیق تمام نصاریٰ کا عالم متبحر اور یکتائے
عصر تھا۔ اُسکی عادت تھی کہ متکلمین اسلام سے کہا کرتا تھا کہ ہم تم دونوں نبوت عیسےٰ علی نبیّنا
وآلہ وعلیہ السلام اور اُن کی کتاب پر متفق ہیں۔ اور اس بات پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ
وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اختلاف ہے تو نبوّت جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
میں۔ کہ تم اسکا اعتقاد رکھتے ہو اور ہم کو انکار ہے۔ پھر ہم تم اُنکی وفات پر متفق ہوگئے
ہیں۔ پس کون دلیل تمہارے پاس اُنکی نبوّت کی باقی ہے۔ جو ہم پر حجّت ہوسکے۔ یہ کلام سنکر
اکثر ارباب کلام بند اور لاجواب ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مامون کے اشارے سے یہ آپ کی
خدمت میں بھی پہنچا۔ تو یہاں بھی اسی طرح کی تقریر آغاز کی۔ کہ آپ پہلے فرمائیں کہ حضرت عیسےٰ
علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام کی نبوّت اور اُنکی کتاب دونوں پر آپکا ایمان واعتقاد ہے یا نہیں
یا ان میں سے کسی ایک کی نسبت آپکو انکار ہے۔

حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام اُسکی چالاکیوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ارشاد فرمانے لگے
کہ میں اُس عیسیٰؑ کی نبوّت کا البتہ اعتقاد رکھتا ہوں جس نے نبوّت حضرت محمد مصطفےٰ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اپنے حواریین کو بشارت دی ہے۔ اور اُس کی اُس کتاب کی
تصدیق کرتا ہوں جس میں یہ بشارت درج ہے۔ جو عیسےٰ اسکا معترف نہیں اور جو کتاب
اسکی شارح نہیں اُس پر میرا ایمان واعتقاد نہیں۔ یہ سننا تھا کہ جاثلیق ٹھنڈا ہوگیا۔
پھر آپ نے جاثلیق کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ہم تو اُس عیسےٰؑ کو جس نے حضرت محمد مصطفےٰ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوّت کی بشارت پہنچائی۔ نبی برحق جانتے ہیں مگر تم اُسکی
تنقیص کرتے ہو کہ اُنہیں نماز روزہ میں ضعیف وکمزور خیال کرتے ہو۔ جاثلیق نے
کہا۔ ہم تو یہ نہیں کہتے۔ وہ تو ہمیشہ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ آپ نے فرمایا۔

عیسٰےؑ تو بنا بر اعتقاد نصاریٰ ـ خود معاذ اللہ خدا تھے ـ تو یہ روزہ و نماز کس کے لئے کرتے تھے ـ جاثلیق کو اسکا جواب نہ آیا ـ مگر اتنا کہا کہ جو شخص مُردوں کو زندہ کرے ـ جذامی اور نابینا کو اُن کے امراض سے شفا بخشے وہ سزاوار ہے کہ خلقت معبود جانکر اُسکی پرستش کریں ـ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے فرمایا اَلیسع علیہ السلام بھی پانی پر چلتے تھے ـ اندھے کوڑھی کو شفا دیتے تھے ـ اسی طرح حزقیل پیغمبر علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام نے بھی پینتیس ہزار آدمیوں کو ساٹھ برس کے بعد زندہ کیا تھا ـ قوم بنی اسرائیل کے بہت سے لوگ طاعون کے خوف سے اپنے گھر چھوڑکر باہر چلے گئے تھے ـ حقتعالےٰ نے ایک ساعت میں سب کو مار دیا ـ بہت دنوں کے بعد ایک نبی استخوانہائے بوسیدہ پر گزرے ـ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے اُن پر وحی بھیجی کہ انہیں آواز دو ـ انہوں نے کہا اے عظام بالیۃ (استخوان مُردہ) اُٹھ کھڑے ہو ـ وہ سب بحکم خدا اُٹھ کھڑے ہوئے ـ اسی طرح حدیث حضرت ابراہیم علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام کے پرندوں کے زندہ کرنے کی اور حضرت موسےٰ علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام کے ستر آدمیوں کو انتخاب کرکے لیجانے کی اور پھر دعائے حضرت موسےٰ سے زندہ ہوجانے کی اور کوہ طور پر ان سب کے جل جانے کی اور پھر دعائے حضرت موسٰےؑ سے زندہ ہوجانے کی ـ اور قریش کی جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے احیائے اموات کی درخواست کرنی اور آپ کے زندہ کردینے کی بالتفصیل اور بالتفریح بیان کی ـ اور فرمایا کہ توریت و انجیل و زبور اسپر شاہد ہیں اور قرآن مبین بھی اسپر ناطق ہے ـ اگر مُردوں کے زندہ کرنے ہی پر آدمی خدا ہوجاسکتا ہے تو یہ سب انبیائے خدا علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہم السلام خدا ہونے کے مستحق ہیں (معاذ اللہ) یہاں پہنچکر جاثلیق سے کوئی دلیل آگے نہ چل سکی ـ آخرکار اُسنے دین اسلام قبول کیا ـ اور بصدق دل ایمان لایا ـ ہمارے فاضل معاصر عالیجناب مولانا السید مظہر حسن صاحب قبلہ ادام فیضہ لمعۃ الضیا میں اتنا لکھکر تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ کی ہے ـ اور ان مرحوم کی عادت ہے کہ اکثر روایات کو بہت اختصار کے ساتھ وارد کرتے ہیں ـ پوری تفصیل اس مناظرہ کی کتاب مستطاب احتجاج علامہ طبرسیؒ میں مذکور ہے ـ وہاں قطع نظر اس کے کہ نقل مذکور بہت وضاحت سے ذکر ہوئی ہے دیگر سوال و جواب جو یہاں ذکر نہیں ہوئے ہیں اور جن سے کمال (غوات) غزارت علم و استحضار امام دوسرا مولانا علی ابن موسےٰ الرضا علیہ التحیۃ والثنا ظاہر و عیاں ہے ـ اور بھی ذکر ہوئے ہیں ـ مگر ہم بھی نظر بحیثیت رسالہ ہذا اُن سب کی تفصیل سے قاصر ہیں ـ

راس الجالوت سے مناظرہ۔ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے راس الجالوت سے دریافت کیا کہ تجھ کو توریت کی اس عبارت سے انکار ہے کہ "آیا نور سینا سے اور روشن ہوا لوگوں کے لئے جبل ساعیر سے۔ اور ظاہر و آشکار ہوا کوہ فاران سے"۔ اُس نے کہا کہ ہم ان کلمات سے ضرور واقف ہیں۔ مگر ان کی تفسیر و تشریح سے ناآشنا ہیں۔ فرمایا۔ میں تجھے آگاہ کئے دیتا ہوں۔ آیا نور طور سینا سے۔ اس سے وہ وحی مراد ہے کہ حضرت موسےٰ ابن عمران علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی کیونکہ کوہ طور پر کھڑے ہو کر آپ مکالمۂ الٰہی سے مشرف ہوئی تھی اور جبل ساعیر سے مراد مقام و محل عیسےٰ علی نبینا و آلہ و علیہ السلام ہے۔ اُن کے اوپر وہاں نزول وحی ہوا تھا۔ اور کوہ فاران جبال مکہ سے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو شہر سے ایک منزل پر واقع ہے۔ اسکے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے یہودی تجھے معلوم ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے یہود کو وصیت فرمائی کہ تمہارے پاس تمہارے بنی اخوان سے ایک نبی آئیگا۔ اُسکی بات ماننا اور اُس کے قول کی تصدیق کرنا۔ پس تو جانتا ہے کہ بنی اسرائیل کے بنی اخوان کون ہیں۔ اُس نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ وہ اولاد اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے مورث اعلےٰ حضرت اسحاق ابن ابراہیم علےٰ نبینا و آلہ و علیہما السلام اُن کے پہلے بیٹے تھے۔ اور جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس کے بعد جبل فاران والی بشارت بیان فرما کر ارشاد کیا کہ شعیا النبی علیہ السلام کا قول توریت میں مذکور ہے کہ میں نے دو سوار دیکھے کہ دنیا اُن کے پرتو سے نورانی ہو گئی۔ احدھما راکب الحمار والآخر راکب الجمل۔ ان میں سے ایک تو گدھے پر سوار تھا اور دوسرا اونٹ پر۔ راکب حمار سے مراد حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہیں اور راکب جمل سے مراد جناب محمد مصطفےٰ صلےٰ اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ پھر فرمایا حیقوق نبی علیہ السلام سے واقف ہے۔ اُس نے کہا ہاں اُن کو پہچانتا ہوں۔ فرمایا اُن کا قول ہے کہ حق تعالےٰ اپنا بیان جبل فاران سے لایا۔ اور احمد کی تسبیح انکی امت سے سماوات پر ہوگی انکا لشکر خشکی و تری میں جنگ کریگا۔ اور ایک کتاب جدید (قرآن) لے۔ اور یہ سب بیت المقدس کی خرابی کے بعد ہوگا"۔

اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ اچھا تمہارے پاس حضرت موسےٰ علیہ السلام کے اثبات نبوت کی کیا دلیل ہے عرض کی کہ اُن سے وہ امور ظاہر ہوئے کہ انبیائے سابقین میں کسی سے بھی نہیں ظاہر ہوئے تھے۔

ہو۔ پھر ان میں برگزیدہ وغیر برگزیدہ
دریائے نیل کا شگافتہ ہو جانا۔ عصا کا سانپ بنجانا۔ ایک پتھر سے ان چیزوں کی اُسکو کوئی حاجت
(ہاتھ کی روشنی) یہ سب ایسی علامتیں ہیں کہ کوئی اسکی مثال دو کہ پہلے اُسے حاصل نہو۔ اُنکے
فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ یہی ایسے امور ہیں کہ خلائق اُن کے لانے سے عا۔ بار خلق کرتا جس سے اُسکی
جو شخص ایسے امور کا اظہار کرے اور نبوت کا مدعی ہو۔ اُس کی تصدیق کی اعوان وانصار جتنے زیادہ
آپ نے فرمایا۔ یہ کیوں۔ کہا اس لئے کہ موسٰے علیہ السلام کو جو قربت و منزلت حق
تھی وہ کسی کو نہیں ہوئی۔ پس ہم پر واجب ہے کہ جب تک کوئی شخص بعینہ وہی معجزات التمام سنکر
نہ دکھلائے ہم اُس کی نبوت کا اقرار نہ کریں۔ ارشاد فرمایا تم موسے علیہ السلام سے پہلے نے بیان فرمایا۔
مرسلین علےٰ نبینا والہ وعلیہم السلام کی نبوت کا کس طرح اقرار کرتے ہو۔ حالانکہ نہ کو انتقال
اُنہوں نے شگافتہ کیا۔ نہ کسی پتھر سے چشمے نکالے۔ نہ اُن کا ہاتھ روشن ہوا۔ اور نہ اُنکا عصا
اژدہا بنا۔ یہودی بولا کہ جب ایسے امور اور علامات خاص طور پر اُن سے ظاہر ہوں جن کے
اظہار سے عموماً تمام خلائق عاجز ہو تو وہ اگرچہ بعینہ ایسے معجزات ہوں یا نہوں۔ اُنکی تصدیق
ہم پر واجب ہو جائے گی۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسے
علیہ السلام بھی مُردوں کو زندہ کرتے۔ کور مادر زاد اور مبروص کو شفا بخشتے۔ اور مٹی کی چڑیا بناکر
اُس میں پھونک مارتے تو وہ بحکم خدا مرغ پران بنجاتا۔ پھر تم اُن کو پیغمبر کیوں نہیں مانتے۔
راس الجالوت نے کہا لوگ ایسا کہتے ہیں مگر ہم نے اُن کو ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ فرمایا تو کیا
آیات ومعجزات موسٰے علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو تم نے بچشم خود دیکھا ہے۔ آخر وہ بھی تو
معتبر لوگوں کی زبانی سُنا ہی ہوگا۔ ویسا ہی اگر عیسےٰ علیہ السلام کے معجزات ثقہ اور معتبر
لوگوں سے سنو تو تم کو اُن کی نبوت پر بھی ایمان لانا چاہیئے۔ راس الجالوت یہ سنکر چپ ہو گیا۔
آپ نے ارشاد فرمایا یہی صورت ہے آیات ومعجزات جناب ختم الانبیا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی کہ باوجودیکہ آپ ایک یتیم۔ نادار۔ بھیڑ بکریوں کے چرانے والے اجرت
پر اوروں کا کام کرنے والے۔ آپ نے نہ کسی سے علم پڑھا۔ نہ کوئی معلم اور اُستاد آپ کا ہوا۔
اُس پر قرآن مجید کی ایسی جامع اور رافع کتاب لائے جو جمیع انبیائے مرسلین سلام اللہ علیہ
وآلہ وعلیہم اجمعین کے تمام قصص وحالات اولین وآخرین پر مشتمل ہے۔ ماسوا اس کے
لوگوں کو اُن کے مافی الضمیر سے خبر دیتے۔ جو کچھ وہ گھروں میں چھپاتے آپ بتلادیتے معجزات
آپ کے بے انتہا اور بیشمار ہیں۔ راس الجالوت نے کہا کہ ہمارے نزدیک تو عیسٰے اور محمد

علیہما السلام کے اخبار کی صحت ثابت نہیں لاجرم ہمکو اُن کی نبوت کا اقرار ضروری نہیں۔

ہربذ اکبر۔ عالم مجوس سے مناظرہ ۔ ہربذ اکبر کو کہ آتش پرستوں کا عالم بزرگ تھا طلب کیا۔ حاضر ہوا تو فرمایا کہ تیرے پاس زردشت کی نبوت کی کیا دلیل ہے۔ اُس نے کہا وہ ہمارے لئے وہ دلیل لائے جو ان سے پہلے کوئی بھی نہیں لایا تھا۔ یعنی ہم کو اپنے اسلاف کو خبر پہنچی ہے کہ زردشت نے ہمارے واسطے وہ امور مباح کئے جو پہلے کسی نے نہ کئے تھے۔ اس لئے ہم پر اُسکی متابعت فرض عین ہے۔ فرمایا تجھ کو اخبار پہنچے۔ اُن کو سنکر متابعت کی۔ عرض کی ہاں۔ فرمایا۔ اسی طرح اور امتوں کے انبیا علیہم السلام کے فضائل و کمالات بھی تم نے سنے۔ اُن کا کوئی اقرار نہیں کرتے جسطرح کہ زردشت کی نبوت کا اقرار کرتے ہو۔ اس دلیل میں تم کو کیا کلام ہے۔ یہ ارشاد سنکر ہربذ اکبر بالکل بند اور لاجواب ہوگیا۔

عمران صابی۔ عالم صابیہ[۱] سے مناظرہ ۔ پھر آپ نے عمران صابی سے فرمایا کہ اگر تجھ کو کوئی سوال کرنا ہو تو کر۔ عمران بولا کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوفہ۔ بصرہ۔ شام۔ جزیرہ۔ دور دور کے ملکوں میں پھرا۔ علمائے کلام سے ملا۔ کوئی ایسا نہیں مجھے دکھائی دیا کہ ذات واحد قائم بذاتہ جس کا دوسرا شریک نہو۔ میرے لئے ثابت کردے حضرت مجھ سے کائن اوّل اور اُسکی خلائق کی بابت کچھ بیان فرمائیں۔ فرمایا پوچھا ہے تو دھیان کر۔ اور زنہار جدل و مکابرہ تیرا شعار نہو۔ ہمیشہ عدل و نصفت کو مرعی رکھ۔ بتحقیق کہ وہ وحدہ لاشریک ہمیشہ سے بلا حدود و اعراض موجود ہے۔ اور برابر اسی طرح رہیگا۔ اس نے خلائق کو ابتداءً حدود و اعراض مختلفہ کے ساتھ مخلوق کیا۔ اسطرح پر کہ نہ کسی شے میں اُن کو قائم اور نہ کسی حد سے محدود گردانا۔ اُسکے پاس پہلے سے کوئی نمونہ

---

[۱] صبا کے معنی خروج کے ہیں۔ خرج من دینہ فہو صباءٌ۔ صابئین اہل کتاب کی قسم سے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام یا صابی ابن شیث ابن آدم علیہ السلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ وہ یہود و نصاریٰ کے عقائد سے نکل کر ستاروں اور فرشتوں کی عبادت کرنے لگے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ صابئین تمام انبیا کی نبوت کا اور جو دین و شریعت وہ خدا کی طرف سے لائے۔ اُن کا انکار کرتے ہیں پس توحید خدا اور رسالت حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و وصایت اوصیا علیہم السلام کے منکر ہیں کوئی کتاب و شریعت اُن کی نہیں ہے۔ ملخص ما فی مجمع البحرین لمعۃ الضیا صفحہ ۲۴۰۔

یا نمونہ نہیں تھا کہ اُسکو دیکھکر یا پیمائش کرکے اُن کو بنایا ہو۔ پھر ان میں برگزیدہ وغیر برگزیدہ مختلف ومولف لون طعمہ اور ذائقہ کے بنائے۔ حالانکہ نہ ان چیزوں کی اُسکو کوئی حاجت تھی نہ کسی فضیلت وکمال کے حصول کی ان سے امید رکھتا تھا۔ کہ پہلے اُسے حاصل نہو۔ نہ اُنکے خلق کرنے سے کسی حاجت کے لئے ہوتا کہ مخلوق کی طرف تو وہی اشیاء خلق کرتا جس سے اُسکی حاجت برآری ہوتی۔ نیز اُن کو اضعافاً مضاعفتاً پیدا کرتا۔ کیونکہ اپنے اعوان و انصار جتنے زیادہ ہوں اتنے اچھے ہوتے ہیں۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے یہ کلام ہدایت التیام سنکر عمران وصابی نے اقرار کیا کہ حق سبحانہ تعالٰے بیشک ایساہی ہے جیسا کہ حضرت نے بیان فرمایا۔ اب یہ فرمائیں کہ وہ کسی چیز میں داخل ہے۔ یا کوئی چیز اُس کی محیط ہو۔ اور آیا تحویل و انتقال اس کے واسطے جائز ہے۔ اور کسی شئے کا محتاج ہے۔ فرمایا۔ وہ کسی شئے میں داخل یا اُس سے خارج نہیں۔ اور نہ کوئی شئے اُسے احاطہ کرسکتی ہے۔ وہ ہمیشہ اسے ثابت ہے۔ مگر نہ کسی شئے میں۔ اُسکی کیفیت کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔ وہ اپنی چگونگی کو آپ خوب جانتا ہے۔ یا انبیاؑ و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کہ واقف اسرار و مستحفظین امور۔ پابند اُسکی شریعت کے ہیں۔ اے عمران۔ اس کے کام ایک چشم زدن بلکہ اس سے بھی کمتر کے ہیں۔ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے۔ کہتا ہے ہوجا۔ وہ ہوجاتی ہے۔ کوئی اسکی مخلوقات سے بہ نسبت دوسرے کے اُس سے نزدیک و دور نہیں۔ سمجھا تو اے عمران۔ عرض کی نعم۔ اے سید میرے شہادت دیتا ہوں میں کہ حق تعالٰے وحدہ لاشریک ہے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکے بندے اور رسول ہیں۔ یہ کہکر اُس نے فوراً اُسی وقت رو بقبلہ ہو کر سجدہ کیا۔

حسن ابن محمد نوفلی۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ عمران صابی کا کلام سنکر پھر کسی کو جرات نہوئی کہ پھر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کے ساتھ ہمکلام ہو۔ کیونکہ عمران ایسا شخص تھا جو آج تک کبھی کسی کے آگے بند ہوا ہی نہیں تھا۔ غرضکہ آج کے مناظرہ میں شام ہوئی تو مامون اُٹھ گیا۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام بھی اپنی قیامگاہ کو تشریف لے آئے۔ بعد ازاں کسی کو بھیجکر عمران کو بلوایا۔ حاضر ہوا تو بکمال خندہ روئی اُس سے ملاقات کی۔ اور ایک خلعت گرانبہا مرحمت فرمایا۔ اور دس ہزار درہم نقد عنایت فرمائے۔ نیز مامون نے بھی اُس کو اُسی قدر دئے۔ اور حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے پھر اُسکو صدقات بلخ

کا مشورہ کر دیا۔ جہاں اُس نے خوب فائدہ اُٹھایا۔

علمائے عامہ سے کلام

مناظرہ با یحیےٰ ابن ضحاک سمرقندی۔ تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ ایک بار کچھ لوگ مامون کی مجلس میں خاصکر اس لئے جمع ہوئے تھے کہ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے دربارہ امامت مباحثہ و مناظرہ کریں۔ انہوں نے بالاتفاق یحیےٰ ابن ضحاک کو جو اُن دنوں باطراف شرقیہ سرآمد علماء و محدثین تھا۔ منتخب کیا۔ اور اُسکو لیکر آپ کی خدمت میں بغرض مناظرہ حاضر کیا۔ آپ نے یحیےٰ کو دیکھکر فرمایا کہ تمہیں جو پوچھنا ہو پوچھو۔ اس نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے آپ سوال مجھ سے فرمائیں۔ ارشاد فرمایا۔ یا یحیےٰ ما تقول فی رجل ادعی الصدق لنفسہ وکذب الصادقین ای یکون صادقاً محقاً فی دینہ ام کاذبا۔ یحیےٰ تو ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے کہ اپنے لئے راستی کا دعوےٰ کرے اور صادقوں سے جھوٹ بولے۔ آیا وہ راستگو ہے؟ یا وہ اپنے دین میں محق ہے؟ یا کاذب؟ یحیےٰ نے سُنا تو کچھ سوچ کر خموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مامون نے تقاضہ کیا کہ یحیےٰ جواب دو۔ کہا کہ اے امیر میرے پاس تو اسکا جواب نہیں ہے۔ مامون نے آپ سے عرض کی کہ کیا مسئلہ ہے جس سے یحیےٰ نے اپنا عجز ظاہر کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیچارہ یحیےٰ اسکا کیا جواب دے سکتا ہے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ اُس نے صادقوں سے جھوٹ نہیں بولا تو جو شخص منبر رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھکر اپنے عجز کا آپ اقرار کرے اور یہ کہے ولیتکم ولست بخیر کم میں تم پر والی تو ہوں مگر میں تم سے بہتر نہیں ہوں وہ کیونکر خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو سکتا ہے۔ حالانکہ امیر کے لئے لازم ہے کہ وہ رعایا سے افضل ہو۔ اور پھر جو اُس مقام رفیع پر کہے ان لی شیطاناً یعترینی میرے لئے ایک شیطان ہے کہ مجھ پر غالب آتا ہے۔ پھر وہ کس طرح امام ہو سکتا ہے۔ امام وہ ہے جو شیطان سے محفوظ ہو۔ نیز وہ شخص امیر و خلیفہ نہیں ہو سکتا جس کے لئے اُسی کے متبعین کہیں کانت بیعت ابی بکر فلتۃ وقی اللہ شرھا۔ فمن عاد مثلہا فاقتلوہ۔ بیعت ابی بکر ایک بے ساختہ بات تھی۔ خدا نے اس امت کو اُس کے شر سے بچا لیا۔ جو کوئی پھر ایسا کام کرے اُسے قتل کر دو۔ مامون نے یہ سُنا تو کہا کہ جتنے لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں واپس جائیں۔ اور پھر حاضرین مجلس سے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ ان کے ساتھ مباحثہ نہ کرو کیونکہ انکا علم جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے علم سے ماخوذ ہے۔

اشعث ابن حاتم کا سوال - ایک مرتبہ مامون کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا نوش فرما رہے تھے فضل ابن سہل بھی شریک تھا۔ اشعث ابن حاتم نے سوال کیا کہ رات پہلے پیدا ہوئی ہے یا دن۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے پوچھا تمہیں قرآن کی رو سے بتلاؤں۔ یا نجوم کے شمار سے تفصل پوالکہ دونوں صورتوں سے۔ فرمایا۔ یہ تو معلوم ہے کہ طالع دنیا سرطان ہے۔ جبکہ ستارے شرف پر ہوں۔ پس زحل برج میزان میں مشتری سرطان میں شمس زحل میں۔ قمر ثور میں۔ اور یہ دلیل ہے کہ آفتاب حمل کے دسویں درجہ میں۔ یعنی وسط السماء میں ہو۔ بموجب اس کے دن کا رات سے قبل پیدا ہونا لازم ہے۔ یہ تو نجوم کا خیالی حساب ہوا۔ اب قرآن مجید سے اس کی دلیل میں یہ قول جناب باری عز اسمہ موجود ہے کہ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر و اللیل سابق النھار آفتاب کو سزاوار نہیں کہ ماہتاب اسکا ادراک کرے اور نہ رات دن پر سبقت کرنے والی ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں خاص مامون کے سوالات

حضرات اہلبیت علیہم السلام کا قدیم سے یہ مذہب رہا ہے کہ انبیاء علی نبینا و آلہ و علیہم السلام جمیع گناہان صغیرہ وکبیرہ سے بالکل عمداً و سہواً پاک و مبرا ہیں۔ چنانچہ آج تک ان کے پیرو شیعہ اسی طریق پر قائم ہیں۔ مامون نے اس خاص مسئلہ کو حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں پیش کرکے صاف کرلیا۔ اور اُن آیات قرآنیہ کی تفسیر صحیحہ سے اطمینان کرلیا۔ جو ذو محمل ہونے کی وجہ سے عام تفہیم و ادراک میں مشکل سے آتی تھیں

عصمت حضرت آدم علیہ السلام - راوی حدیث۔ علی ابن جہم سے منقول ہے کہ ایک دفعہ مامون نے حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ انبیائے مرسلین سلام اللہ علی نبینا وآلہ و علیہم اجمعین کے قائل ہیں یا نہیں۔ فرمایا۔ ہاں ضرور قائل ہیں۔ اُس نے عرض کی کہ اُن کے بارے میں حق تعالےٰ فرماتا ہے فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ۔ آدم علیہ السلام نے پروردگار کی نافرمانی کی۔ گمراہ ہوئے۔

یہ سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالےٰ کا حکم تھا کہ اے آدم تم اور تمہاری زوجہ بہشت میں ساکن رہو اور بفراغ بال۔ جو چاہو وہاں کھاؤ۔ ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ فتکونا من الظّٰلمین۔ اس درخت کے پاس نہ جانا۔ تم ظالم ہو جاؤ گے"۔ یہ تو اُن سے نہیں فرمایا تھا

کہ اس شجر سے اور اسکی جنس دیگر سے بھی نہ کھانا۔ اور انہوں نے اس درخت ممنوعہ سے کھایا بھی نہیں۔ مگر شیطان کے وسوسہ سے ایک اور ویسے ہی درخت سے کھالیا۔ کیونکہ اُسنے (شیطان نے) کہا کہ خدائے تعالےٰ نے تمکو خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے۔ اس قسم کے اور درختوں سے ممانعت نہیں فرمائی۔ اور اس کے پاس جانے سے بھی ممانعت نہیں فرمائی۔ کھانے کا ذکر ارشاد خداوندی میں موجود نہیں ہے۔ الّا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین مگر اس وقت جبکہ تم دو فرشتے ہو۔ یا ابدالآباد رہنے والے ہو۔ پھر شیطان نے ان سے قسم کھائی کہ میں تمہارا ناصح مشفق ہوں۔ حضرت آدمؑ و حوا نے اس سے پہلے کسی کو جھوٹی قسم کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ اُن کو دھوکا ہوگیا۔ اور اُسکی قسم پر اعتبار کرکے اُس کے مرتکب ہو گئے۔ اور یہ اضطراب بھی آنحضرتؑ سے قبل نبوت ہوا۔ اور گناہ کبیرہ نہ تھا جس سے مستحق دخول جہنم ہوتے۔ صرف صغائر سہو ہو سے تھا۔ جو انبیاء علیہم السلام سے قبل از نزول وحی جائز ہے۔ جب حق سبحانہ تعالےٰ نے انکو برگزیدہ کیا اور نبی گردانا تو وہ معصوم تھے۔ گناہ کبیرہ و صغیرہ آنحضرت سے صادر نہوتا تھا۔ حق سبحانہ تعالےٰ فرماتا ہے ثمّ اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدی پھر برگزیدہ کیا اُن کو اُن کے رب نے۔ اور توبہ انکی قبول کی۔ اور ہدایت فرمائی۔ فائدہ جناب طبرسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صغائر سہو ہو سے مراد حضرتؑ کی غالباً ترک اولےٰ و فعل مکروہ ہے۔ نہ ارتکاب کسی فعل قبیح کا۔ اور نہ ارتکاب گناہ صغیرہ کا یہ نسبت اسکے کہ اس سے بزرگ تر ہو۔ کیونکہ دلائل عقلی و نقلی دال ہیں اسپر کہ حضرات انبیا علیہم السلام سے صدور معصیت نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عصمت۔ اس پر مامون نے کہا کہ حق تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا ہے فلمّا جنّ علیہ اللیل رای کوکبا فقال ھذا ربی۔ جب تاریکی شب کی اس پر چھاگئی تو ایک ستارے کو دیکھکر کہا یہ میرا پروردگار ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ جناب ابراہیم علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام جب اُس غار سے جس میں پوشیدہ تھے برآمد ہوئے تو اُن کا گزر تین طرح کے لوگوں پر ہوا۔ جو زہرہ قمر شمس کی پرستش کرتے تھے۔ رات ہوئی تو زہرہ کو دیکھکر بسبیل انکار و استفہام فرمایا ھذا ربی۔ کیا یہ میرا رب ہے؟ جب وہ چھپ گیا تو کہا لا احبّ الافلین۔ میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیونکہ غروب ہونا صفات حادثات سے ہے قدیم کی صفتوں سے نہیں۔ پھر ماہتاب نکلا تو اُسی طرح پھر بطور استفہام انکار کے کہا ھذا ربی۔ وہ بھی چھپ گیا تو فرمایا لئن لم یھدنی ربّی لاکوننّ من القوم

الظّٰلمین۔ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو البتہ میں قوم ظالمین سے ہوتا۔ پھر سورج چڑھا۔ تو بدستور فرمایا ھٰذا ربی ھٰذا اکبر۔ کیا یہ میرا رب ہے۔ یہ زہرہ اور چاند سے بزرگتر ہے۔ وہ بھی غروب ہو گیا تو تینوں قسم کے کافروں سے خطاب کر کے کہا یا قوم انی بری مما تشرکون۔ اے قوم میں بری ہوں اُن چیزوں سے جن میں تم شریک کرتے ہو۔ انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوات۔ میں اپنا رخ اس خدائے بیچون کی طرف پھیرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو خلق کیا حالانکہ ملت حنیف پر ہوں۔ اور مشرکوں سے نہیں ہوں۔ پس جو کچھ حضرت ابراہیم علےٰ نبیّنا و آلہ وعلیہ السلام نے فرمایا وہ ان تینوں فرقوں کے ابطال معتقدات کی نظر سے کہا۔ اور ثابت کر دیا کہ یہ سیارے زہرہ۔ شمس اور قمر۔ اس قسم کی چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ قابل پرستش ان کا پیدا کنندہ ہے۔ جس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا۔ اور یہ حجت انکو حق تعالےٰ نے تعلیم فرمائی تھی۔ جیسا کہ فرماتا ہے وتلک حجتنا اٰتینٰھا ابراھیم علیٰ قومہ وہ ہماری حجت تھی کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم پر احتجاج کرنے کو عطا کی تھی۔ یہ سنکر مامون نے کہا للہ درک یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خدائے تعالےٰ تم کو جزائے خیر دے۔

پھر مامون نے کہا کہ مجھ کو اس آیۂ قرآنیہ سے خبر دیجئے قال ابراھیم ربّ ارنی کیف تحیی الموتیٰ قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولٰکن لیطمئن قلبی "ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اے بزرگوار میرے مجھ کو دکھا دے کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ فرمایا کیا تجھ کو اسکا اعتقاد نہیں عرض کی اعتقاد تو ضرور ہے مگر میں صرف اپنا اطمینان قلبی کرنا چاہتا ہوں"۔ یا حضرت کیا جناب خلیل اللہ علےٰ نبیّنا و آلہ وعلیہ السلام کو پہلے سے اسپر اطمینان نہیں تھا۔

جناب امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا یتعالےٰ نے حضرت خلیل کو وحی بھیجی تھی کہ میں اپنے ایک بندہ کو خلیل بناؤں گا۔ بعد یکہ اگر وہ کہیگا کہ مُردوں کو میرے لئے زندہ کر تو اسکی یہ استدعا قبول کرونگا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تردد تھا کہ وہ خلیل میں ہوں یا کوئی اور۔ اس لئے اُنہوں نے استدعا کی ربّ ارنی کیف تحی الموتیٰ۔ ارشاد ہوا کہ کیا تیرا ایمان و اعتقاد اس پر نہیں ہے۔ عرض کی یہ اعتقاد تو ضرور ہے مگر میں یہ خواہش اس لئے کرتا ہوں تاکہ اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔ کہ میں تیرا خلیل ہوں حکم ہوا تو چار پرندے لے اور اُن کے ریزے کر کے تھوڑا تھوڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھدے۔ پھر اُنکو بلا۔

وہ دوڑے ہوئے تیرے پاس چلے آئینگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گدھ۔ بط طاؤس اور مرغ خانگی لئے اور اُن کو ریزہ ریزہ کرکے باہم مخلوط کرکے ایک ایک کرکے حصہ اُن کا ایک ایک پہاڑ پر رکھا۔ اسی طرح دس جگہ اُن کو تقسیم کیا۔ پھر درمیان کھڑے ہوکر ہر ایک کا نام لیکر آواز دی۔ بمجرد اس کے وہ اجزاء ریزہ ہوا میں اُڑے اور علٰحدہ علٰحدہ ہوکر ایک جنس باہم ترکیب پاکر سالم جانور بن گئے اور حضرت کے پاس آکر کہنے لگے۔ حیاک الله لما احییتنا یا نبی الله اے نبی اللہ تم کو زندہ رکھے جس طرح آپ نے ہم کو زندہ کیا۔ آپنے فرمایا بل الله یحیی و یمیت وھو علی کل شئ قدیر اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی ہر شے پر توانا ہے۔ یہ سنکر مامون نے کہا بارک الله فیك یا ابا الحسن علیہ السلام۔

عصمت حضرت موسےٰ علیہ السلام۔ پھر اُس نے کہا کہ مجھ کو خبر دیجئے جناب موسےٰ علےٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام کے اس قول سے رب ارنی انظر الیك اے پروردگار میرے۔ مجھ کو دکھا کہ میں دیکھوں تیری طرف۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کلیم خدا حضرت موسےٰ ابن عمران علیہ السلام باین جلالت وقدر اتنا نہ جانیں کہ خدائے تعالےٰ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ موسےٰ علیہ السلام اس بات کو خوب جانتے تھے کہ رویت خدا ممکن نہیں ہے لیکن جب بارگاہ ایزدی میں اُنکو تقرب بکمال ہوا اور شرف ہمکلامی خدا پر فائز ہوئے تو وہاں سے واپس آکر اپنی امت کو اس سے آگاہ کیا۔ اُنہوں نے کہا ہم باور نہ کرینگے جب تک اُسکا کلام آپ سے نہ سنیں۔ وہ سب سات لاکھ آدمی تھے حضرت موسےٰ علیہ السلام نے سات لاکھ سے سات ہزار اور پھر سات ہزار سے سات سو اور پھر سات سو سے کل ستر آدمی چُنے اور اُن کو کوہ طور پر اپنے ہمراہ لے گئے۔ وہاں پہنچکر اُن کو زیر کوہ کھڑا کر دیا اور خود پہاڑ پر جاکر کلام کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ لوگ سن لیں۔ ایک درخت سے آواز نکلی اور وہ چاروں طرف پھیل کر اطراف عالم میں تحت و فوق یمین و یسار پس و پیش سے آنے لگی۔ آپ نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ اب تو تم لوگوں نے سن لیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ آواز خدا کی ہے حتیٰ نری الله جھرۃ جب تک کہ ہم ظاہر طور پر خدا کو نہ دیکھ لیں بمجرد اس کے اپنے عتوّ و استکبار کی سزا میں

گرفتار ہوئے۔ اور ایک بجلی گر کر اُن کا کام تمام ہو گیا۔ موسٰے علیہ السلام نے عرض کی کہ اے پروردگار تمام بنی اسرائیل کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا تھا کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ جب تو اُن کو کلام خدا نہ سُنا سکا تو بخوف فضیحت و رسوائی اُن سب کو آخرکار مار ڈالا تو یا الٰہی میں اُن کو کیا جواب دونگا۔ اسپر وہ ستّر آدمی پھر زندہ ہو گئے۔ اُن لوگوں نے دوبارہ زندہ ہو کر حضرت موسٰے علیہ السلام سے کہا کہ اچھا اب کی بار ہم لوگوں کے لئے نہیں تو تم اپنے لئے خدا سے رویت کی درخواست کرو۔ یہ قبول ہو گی تو تم ہم کو بتلا دینا کہ خدا کیسا ہے ہم کامل طور سے اس سے واقف ہو جائینگے۔ موسٰے علیہ السلام نے کہا کہ لوگو حق سبحانہٗ تعالےٰ دیکھنے کی چیز ہرگز نہیں۔ اُسکا دیکھنا یہی ہے کہ اُسکی قدرت و جلال کے آثار ملاحظہ کئے جاویں مگر وہ ضدی اصرار کرتے تھے کہ لابد سوال کرو خدا سے ورنہ ہم تمہاری نبوّت سے منکر ہوئے جاتے ہیں آخرکار موسٰے علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام نے عرض کی پروردگارا۔ تو جانتا ہے اور اس جاہل قوم کی گفتگو کو سُنتا ہے۔ اب جس طرح چاہے ان کی اصلاح کر۔ حکم ہوا۔ اے موسٰے انکے کہنے کے مطابق سوال کر۔ میں تجھ سے مواخذہ نہیں کرونگا۔ موسٰے علیہ السلام نے کہا ربّ ارنی انظر الیک۔ ارشاد ہوا لن ترانی یا موسٰی۔ اے موسٰے مجھے کبھی نہ دیکھیگا۔ ولٰکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی۔ مگر پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اگر تم اپنے مقام پہ قائم رہگئے تو مجھے دیکھ لوگے۔ پھر آیات الٰہی سے ایک آیہ کا جلوہ دکھا دیا۔ پہاڑ تو ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور حضرت موسٰے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ افاقہ ہوا تو فرمایا سبحٰنک پاک ہے تو تبت الیک توبہ کرتا ہوں یعنی رجعت الی معرفتی بک میں اپنی اُسی معرفت کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جو تیری طرف رکھتا ہوں اپنی قوم کی جہالت سے۔ وانا اوّل المؤمنین منھم بانک لا تُری۔ اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں اسپر کہ تو کسی طرح دکھائی نہیں دیسکتا۔ یہ سُنکر مامون نے کہا للہ درّک یا ابا الحسن علیہ السّلام۔

عصمت حضرت یوسف علیہ السلام۔ پھر مامون نے پوچھا کہ مجھ کو قول خدا تعالےٰ ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رای برھان ربّہٖ یعنی۔ ارادہ کیا اُس عورت نے اُس مرد (یوسفؑ) کے ساتھ (بدکاری کا) اور ارادہ کیا اُس (یوسفؑ) نے اُس کے ساتھ۔ اگر نہ دیکھتا وہ برہان اپنے رب کی۔ مامون کے سوال کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت یوسف علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام اگر نبی تھے تو پھر یہ ارادۂ معصیت کیسا؟ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام

نے فرمایا تقدیر عبارت یوں ہے همّت به ولولا ان رای برهان ربّه هم بها۔ یعنی هم بها جزائے مقدم ہے شرط موخر لولا ان الخ۔ پس معنی یوں ہو نگے "زلیخا نے ارادہ کیا اور اگر یوسف برہان اپنے رب کی نہ دیکھتا تو یہ ارادہ کرتا۔ مگر اُن کی نظر برہان ربہ یعنی اپنی نبوت وعصمت پر تھی۔ اس لئے اُنہوں نے ایسا ارادہ نہیں کیا۔
پھر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پدر عالیمقدار نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا همت بان تفعل وهم بان لا تفعل زلیخا نے ارادہ بُرے کام کا کیا اور یوسف علیہ السلام نے نہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ سُنکر مامون نے کہا صدقت راست فرمایا آپ نے۔

عصمت شفیع روز جزا سید الانبیا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مامون نے عرض کی کہ اس آیہ وافی ہدایہ انّا فتحنا لك فتحا مّبینا لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر۔ یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تجھے فتح مبین دی تاکہ اللہ بخشدے تیرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو" سے کیا معنی نکلتے ہیں۔
جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ اس عبارت سے واقعی ذنب وگناہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود نہیں۔ مدعا یہ ہے کہ تو جو بتوں کی مذمت کرتا اور وحدانیت خدا کی طرف قریش کو دعوت کرتا تھا تو اُن کے زعم میں تو گناہ کا مرتکب ہوتا تھا اب جبکہ مکہ فتح ہوگیا اور وہ لوگ طوعاً وکرہاً مسلمان ہوگئے تو گویا تیرا گناہ متقدم و متاخر سب معفو ہوگیا۔ اب تو اُن کے نزدیک گنہگار نہیں رہا۔
مامون نے یہ سُنکر عرض کی کہ آپ نے میرے سینے کو شفا بخشی۔ اور جو امر کہ مجھ پر مشتبہ تھا واضح فرمایا۔ خدا تمہیں اپنے نبیوں کی طرف سے اور اسلام کی طرف سے جزائے خیر دے۔ علی ابن جہم راوئ حدیث کا بیان ہے کہ اس کے بعد مامون نماز کے واسطے اُٹھا۔ اور محمد ابن جعفر کا کہ حاضر مجلس تھا ہاتھ میں ہاتھ لئے روانہ ہوا میں اُن دونوں کے پیچھے جاتا تھا۔ اور اُن کی باتیں سُنتا تھا۔ مامون نے محمد سے کہا۔ دیکھا تم نے اپنے برادر زادہ کو۔ کہاں وہ عالم بے بدل ہیں۔ اور میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی کسی اہل علم کے پاس تحصیل علم کو گئے ہوں مامون نے کہا تمہارے برادرزادے وارث علم نبوت ہیں۔ یہ درحقیقت اُن لوگوں سے ہیں جنکے حق میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ الا ان

ابرار عترتی واطائب ارومتی احلم الناس صغارًا واعلمهم کبارًا لاتعلموهم فانهم اعلم منکم لا تخرجونکم من باب هدی ولا تدخلونکم فی باب ضلال۔

نیکان عترت اور عمائد خاندان میرے حلیم ترین آدمیاں ہیں لڑکپن میں۔ اور عالم ترین اُن کے ہیں بزرگی میں۔ تم اُن کو تعلیم کرنے کا قصد نہ کرو کیونکہ وہ تم سے عالم ہیں۔ تمکو باب ہدایت سے نہ نکالینگے اور باب ضلالت میں کبھی کسی کو داخل نہیں کرینگے۔

معاویہ شامی اور جبر و تفویض کا مسئلہ

یزید ابن عمر نے معاویہ شامی کی زبانی جو اُس وقت اہل شام میں بہت بڑا اہل کلام مشہور تھا نقل کیا ہے کہ اُس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے جناب امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پہنچا ہے لا جبر ولا تفویض بل الامر بین الامرین اسکے کیا معنی ہیں۔ حضرت امام موسی رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ جو کہے اللہ ہم سے گناہ کراتا ہے اور اُسپر عذاب کریگا۔ وہ جبر کا قائل ہے۔ اور جو کہے کہ خلق و رزق عباد کا کام اُسنے ائمہ علیہم السلام کے سپرد کردیا ہے۔ یہ تفویض ہے۔ جبر کا قائل کافر ہے اور تفویض کا معتقد مشرک۔ عرض کی والامر بین الامرین سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جن امور کا امر کیا گیا اور جن سے ممانعت کی گئ۔ اُن کی بجاآوری اور ترک کی طرف کوئی راستہ ہونا۔ کہا حق تعالے کی مشیت اور ارادہ کو بھی اس میں کچھ دخل ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ مگر اتنا کہ طاعت کرنے کا حکم کیا۔ اس کے بجالانے سے خوش ہوتا ہے اور اعانت و امداد فرماتا ہے۔ اور معاصی کے ترک کو کہاہے۔ انکے ارتکاب سے ناخوش ہوتا ہے اور عاصی کو بحال خود چھوڑ دیتا ہے۔ جو چاہے سو کرے۔ پوچھا قضائے الٰہی بھی اس میں جاری ہوتی ہے۔ فرمایا ہاں ہوتی ہے۔ اور کوئی کام بھلا یا برا بندہ نہیں کرتا جس میں قضائے الٰہی اجرا نہ پاتی ہو وہ یہ ہے کہ حکم کرتا ہے اس کے کرنے والے کے لئے ثواب و عقاب کا کہ وہ اسکا مستحق ہے دنیا و آخرت میں۔

دیگر۔ اسی طرح ایک مرتبہ پھر کسی نے آپ کی خدمت میں اسی مسئلہ کو بار دیگر پیش کیا۔ ارشاد فرمایا کہ طاعت خدا باکراہ نہیں ہوتی۔ اور معصیت قہر و غلبہ سے نہیں بجالائی جاتی۔ نیز حق تعالے نے اپنے بندوں کو اپنے ملک میں مطلق العنان نہیں رکھا۔ جس چیز کا اُن کو مالک کیا ہے اور جس میں اُنہیں قدرت دی ہے۔ آپ اُسپر قادر ہے۔ پس اگر بندگان خدا

طاعت بجا لائیں تو وہ اُن کا روکنے والا اور منع کرنے والا نہیں ہے۔ اور جو معصیت کرنا چاہیں
تو چاہے تو وہ حائل ہو جائے۔ اسکے اور اسکی معصیت کے درمیان اور جو حائل نہو اور بندہ
ارتکاب معصیت کرے۔ حقتعالے اسکا کرنے والا نہیں ہے۔ پھر فرمایا جو اس کلام کے حدود
کو یاد رکھے۔ وہ ضرور اپنے دشمن پر غالب آئیگا۔

ابو قرہ محدث اور خلقت قرآن کا مسئلہ

ابو قرہ بہت سے مسائل حلال و حرام و توحید خدا کے مفصل و منجام حضرت امام موسیٰ کاظم
علیہ السلام سے پوچھا کرتا تھا۔ ازانجملہ عرض کی آپ کتب آسمانی کے بارے میں کیا
کہتے ہیں۔ فرمایا۔ توریت۔ انجیل۔ زبور۔ فرقان اور دیگر صحف انبیائے کرام علیہم السلام
سب نور خدا اور باعث ہدایت خلق ہیں۔ لیکن ذات خدا سے جدا۔ حادث شے ہیں۔
چنانچہ خود فرماتا ہے اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ اور فرمایا مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم
مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ۔ یعنی نہیں آتا ان کے رب کے پاس سے کوئی
نیا ذکر مگر یہ کہ اسکو سنتے ہیں درآنحالیکہ لہو ولعب کرتے ہیں۔ پس خدا نے انہیں پیدا
کیا ہے۔ ابو قرہ نے کہا۔ تو کیا وہ فنا ہو جائیں گے۔ فرمایا اجماع مسلمانان ہے کہ جملہ
ماسوا اللہ فانی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کتب منزلہ فعل خدا سوائے خدا کے ہیں۔
کیا تو نہیں جانتا کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ کو رَبُّ الْقُرْآنِ کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے
ہیں کہ خدا و نہ عالم سے قرآن اپنی تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کریگا۔ اور کہیگا کہ خدایا
یہ لوگ میری تلاوت میں دن کو روزہ دار اور راتوں کو شب بیدار رہے۔ یہ امور صریح مغائرت
پر دال ہیں۔ اسی طرح توریت و انجیل و زبور سب کے سب محدث ہیں اور مربوب و
مخلوق۔ ان کو واحد واحد نے قوم عاقلین کے لئے احداث کیا ہے۔ پس جس نے کہا کہ وہ
ہمیشہ سے ہیں اُس نے وحدانیت خدا اور اُس کے قدیم ہونے سے انکار کیا۔ کیونکہ دوسری
شے کو قدیم جانا۔ ابو قرہ نے کہا۔ ہمکو روایت پہنچی ہے کہ تمام کتب آسمانی روز قیامت
عرصۂ محشر میں آئینگی۔ سب کے سب ایک صف بستہ کھڑے دیکھ رہے ہونگے وہ خدا کہ اُس
جل شانہ میں ملحق اور اُس سے واصل ہو جائینگے۔ کیونکہ اُس سے تھے۔ اور اُس کے جزو
تھے۔ پس اُس کی طرف رجوع ہونگے۔ فرمایا تو پھر تمہارے پر کیا الزام ہے وہ بھی جو نصاریٰ
مسیح علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام کی بابت یہی کہتے ہیں کہ روح خدا اور اُس کا جزو ہے۔

آخرکار اُسی کی طرف بازگشت کرنیوالا ہوگا۔ مجوسیوں کا بھی عقیدہ یہی ہے کہ آگ بارتیعالیٰ کے اجزا ہیں۔ پھر اُس میں شامل ہو جائینگے۔ تعالیٰ ربنا ان یکون متجزنا او مختلفا۔

مامون کا عہد اور حدوث قرآن کا مسئلہ

اس کی حقیقت امر یہ ہے کہ مامون کے زمانہ میں قرآن مجید کے حدوث و قدم کا مسئلہ سواد اعظم کے تمام فرقوں میں معرکۃ الآرا بنا ہوا تھا۔ اشاعرہ۔ حنابلہ۔ احناف۔ اور شافعیوں میں بڑے زوروں سے اسپر برابر بحثوں پر بحثیں اور کلام پر کلام ہوا کرتے تھے۔ مامون اسکو بطور خاص حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے اچھی طرح تحقیق کر چکا تھا۔ اور بہت بڑی مضبوطی سے آپ کے ارشاد پہ قائم تھا۔ اور اچھی طرح جانتا تھا کہ ایک ذات واحد کے سوا کسی دوسری شے کے اقدام کا ماننا تعدد قدما کا قائل بنتا ہے۔ جو سراسر اصول توحید اور حدود وحدانیت کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ علمائے دار الخلافت سے کہا کرتا تھا کہ قرآن کے قدیم ہونیکا اعتقاد دل سے نکال ڈالو۔ کیونکہ مسلمان بنکر مشرک بنتے ہو۔ وہ لوگ اس کے سامنے تو اسکا اقرار کرتے تھے مگر پھر اپنی ضد اور ہٹ پر لوٹ آتے تھے۔ سب سے زیادہ اس بارے میں ضدی احمد ابن حنبل تھے۔ جو آخرکار مامون کے حکم سے مقید ہوئے اور اُس کی مدت سلطنت تک رہا نہ ہوئے۔

توحید جناب باری عز اسمہ میں آپکا مشہور خطبہ

یہ وہی خطبۂ عالیہ ہے جس کا ذکر ہم آپ کی ولیعہدی کے بیان میں کر آئے ہیں جو بنی عباسیوں کے قائل کرنے کے لئے مامون کی استدعا پر ارشاد فرمایا گیا تھا۔

(اوّل توحید) معرفۃ اللّٰہ توحیدہ ونظام توحیدہ نفی الصفات عنہ بشہادۃ العقول ان کل صفۃ وموصوف مخلوق وشہادۃ کل مخلوق ان لہ خالقا لیس بصفۃ ولا موصوف وشہادۃ کل صفۃ وموصوف بالاقتران وشہادۃ الاقتران بالحدث وشہادت الحدث بالامتناع من الازل الممتنع من الحدث۔

فلیس اللّٰہ من عرف بالتشبیہ ذاتہ ولا ایاہ وحدہ من اکتنہ ولا حقیقتہ اصاب من مثلہ ولا بہ صدق من نہاہ ولا صمدہ من اشار الیہ ولا ایاہ عنی من شبہہ ولا لہ تذلل من بعضہ ولا ایاہ اراد من توہمہ کل معروف بنفسہ مصنوع وکل قائم سواہ معلول بصنع اللّٰہ یستدل الیہ وبالعقول یعتقد معرفتہ وبالفطرۃ تثبت حجتہ

خلق الله الخلق حجاب بينه وبينهم ومباينة اياهم مفارقة انيتهم وابتداءه اياهم
دليلهم على ان لا ابتداء له لعجز كل مبتدء عن ابتداء غيره وادوه اياهم
دليلهم على ان لا اداة فيه لشهادة الادوات بفاقة المادين فاسمائه تعبير وافعاله
تفهيم وذاته حقيقة وكنهه تفريق بينه وبين خلقه وغيوره تحديد لما سواه
فقد جهل الله من استوصفه وقد تعداه من اشمله وقد اخطاه من اكتنهه
ومن قال كيف فقد شبهه ومن قال لم فقد علله ومن قال متى فقد وقته و
من قال فيم فقد ضمنه ومن قال الام فقد نهاه ومن قال حتام فقد غياه ومن
غياه فقد غاياه ومن غاياه فقد جزاه ومن جزاه فقد وصفه ومن وصفه فقد
الحد فيه ولا يتغير الله بانغيار المخلوق لما لا يتحدد بتحديد الحد وليس عند الله
صباح لا مساء احد لا بتاويل العدد ظاهر لا بتاويل المباشرة متجلي لا باستهلال
رؤية باطن لا بمزايلة مبائن لا بمبائنة قريب لا بمداناة لطيف لا بتجسم موجود
لا بعد عدم فاعل لا باضطرار مقدر لا بحول فكرة مدبر لا بحركة مريد لا بهمامة شاء
لا بهمة مدرك لا بمجسة سميع لا بالة بصير لا باداة لا تصحبه الاوقات ولا تضمنه
ولا تاخذه السنات ولا تحده الصفات ولا تقيده الادوات ۔

سبق الاوقات كونه والعدم وجوده والابتداء ازله بتشعيره المشاعر عرف ان
لا مشعر له وبتجهيره الجواهر عرف ان لا جوهر له وبمضادته بين الاشياء عرف
ان لا ضد له وبمقارنته بين الاشياء عرف ان لا قرين له ضاد النور بالظلمة والجلاية
بالبهم والجسو بالبلل والصرد بالحرور مولف بين متعادياتها مفترق بين
متدانياتها دالة بتفريقها على مفرقها وبتاليفها على مؤلفها ذلك قوله عز وجل و
من كل شئ خلقنا زوجين لعلكم تذكرون نفرق بها بين قبل وبعد ليعلم
ان لا قبل له ولا بعد شاهدة بغرائزها ان لا غريزة لمغرزها دالة بتفاوتها
ان لا تفاوت لمفاوتها مخبرة بتوقيتها ان لا وقت لموقتها حجب بعضها عن بعض
ليعلم ان لا حجاب بينه وبينها غيرها له معنى الربوبية اذ لا مربوب وحقيقة الالهية
اذ لا مالوه ومعنى العالم ولا معلوم ۔

ومعنى الخالق ولا مخلوق وتاويل السمع لا مسموع ليس مذ خلق استحق معنى الخالق

وليس باحد اثه البرايا استحقّ معنى البراية كيف ولا تغيّبه مذ ولا تدنيه قد ولا تحجبه
لعلّ ولا يوقته متى ولا يشتمله حين ولا يقارنه مع انما تحدّ الادوات انفسها
وتشير الالات الى نظائرها وفى الاشياء توجد افعالها منعتها مذ القدامته
وحمتها قد الازليه لولا الكلمة افترقت فدلت على مفرقها وتباينت فاعربت عن
مباينتها تجلى صانعها للعقول وبها احتجب عن الرّواية واليها تحاكم الاوهام وفيها
اثبت غيره ومنها استنبط الدّليل وبها عرف الاقرار وبالعقول يعتقد التصديق
بالله وبالاقرار يكمل الايمان به لا ديانة الا بعد معرفته ولا معرفة الا بالاخلاص
ولا اخلاص مع التشبيه ولا نفى مع اثبات الصّفات بالتشبيه فكلّما فى الخلق
لا يوجد فى خالقه وكلما يمكن فيه يمتنع فى صانعه ولا يجرى عليه الحركة والسكون
كيف تجرى عليه ما هو اجراه ويعود اليه ما هو ابتداه اذا لتفاوت ذاته ولتجزّا كنهه
ولا متنع من الازل معناه ولمّا كان للبارى معنا غير المبرء ولو حُدّ له وراء اذا حدّ له
امام واذا التمس له التمام اذا لزمه النقصان كيف يستحق الازل من لا يمتنع
من الحدث وكيف ينشى الاشياء من لا يمتنع من الاشياء اذا لقامت فيه
اية المصنوع ولتحول دليلا بعد ما كان مدلولا عليه وليس فى محال القول حجة ولا فى
المسئلة عنه جواب ولا فى معناه له تعظيم ولا فى ابانته من الخلق ضيم الا بامتناع
الازلى ان يثنى ولما لا بدء له ان يبدء لا اله الا الله العلى العظيم كذب العادلون
بالله وضلّوا ضلالا بعيدا وخسروا خسرانا مبينا وصلّى الله على محمّد وآله الطّيبين
الطّاهرين۔

پہلی خدا کی پرستش خدا کی شناسائی ہے۔ اور اصل معرفت و شناسائی اُسکو یگانہ و یکتا جاننا ہے
اور کمال یکتادانی یہ ہے کہ صفات کی اس سے نفی کی جاوے۔ یعنی صفتوں کو کوئی شے علیحدہ
اُس کی ذات سے نہ جانیں۔ کیونکہ عقلیں گواہی دیتی ہیں کہ ہر صفت و موصوف خلق کردہ
خدا ہے۔ اور ہر خلق کردہ خدا شاہد ہے کہ کوئی اُسکا خالق ہے۔ جو نہ صفت ہے اور نہ
موصوف ہے۔ کیونکہ ہر صفت و موصوف شہادت دیتی ہے اپنی مقارنت باہمی کی۔ اور
صفت اپنے قیام میں موصوف کی محتاج ہے۔ اور اسی طرح موصوف اپنے کمال میں
صفت کا محتاج ہے۔ پس مجموعہ دونوں محتاجوں کا حادث و ممکن ہوگا۔ واجب اور

قدیم نہیں ہونیکا ۔ اور مقارنت باہمی خبر دیتی ہے اوپر حادث ہونے کے اور حادث ہونا
گواہ ہے ازلیت کے ممتنع اور محال ہونے کا ۔ پس وہ خدا نہیں ہے جسکی ذات مخلوقات
تشبیہ دیکر پہچوائی جائے ۔ اور یگانہ نہیں جانا اُس نے خدا کو جس نے اُس کی کُنہ ذات کا
بیان کیا ۔ اور نہیں ادراک کیا اُسکی حقیقت کو اُس شخص نے جس نے اور مثال اُسکے
لئے ثابت کی ۔ (یا کُنہ ذات جاننا چاہی ۔) اور تصدیق نہیں کی اُسکی جسنے کہ حد و نہایت
اُس کے لئے مقرر کی ۔ اور قصد نہیں کیا اُسکا اُس شخص نے جس نے اُسکی طرف اشارہ
کیا ۔ اور ارادہ نہیں کیا اُسکا جس شخص نے کہ اسکو تشبیہ دی دوسرے کے ساتھ ۔ اور تذلل و
انکسار نہیں کیا اُس کے آگے جس نے اس کے اجزاء و ابعاض (ٹکڑے) ٹھیرائے ۔ اور
ارادہ نہیں کیا اُسکا جس نے وہم میں کوئی شکل و صورت اُسکی پیدا کی ۔ جو کوئی اپنے آپ
معروف ہے ۔ یعنی حواس سے پہچانا جاتا ہے وہ بنایا گیا ہے اور جو اپنے غیر میں قائم ہے ۔
معلول ۔ یعنی محتاج بغیر ہے ۔

خدا کے صنائع بدائع کے ساتھ اُسکے وجود پر دلیل لائی جاتی ہے ۔ اور عقلوں سے اُس کی
شناسائی کا اعتقاد ہوتا ہے اور خلق خلائق سے اُسکی حجیت کا اثبات ہوتا ہے ۔

خلق کرنا خدا کا خلائق کو حجاب ہو گیا ہے درمیان اُنکے اور خدا کے اور مباینت انکے ساتھ
یہ ہے کہ مکانی ہونے میں وہ اُس سے جُدا ہیں اور ابتدا کرنا اُسکا ان کو دلیل اوپر اس
بات کے کہ اُس کی ابتدا نہیں ۔ کیونکہ ہر ایک ابتدا شدہ عاجز ہے اس سے کہ دوسرے
کو ابتدا کرے ۔ اور گرداننا اُس سبحانہ کا مخلوقات کو صاحب الآلات و ادوات و اعضا
و جوارح دلیل ہے اُنکے لئے کہ وہ خود ان آلات و ادوات سے بری ہے ۔ کیونکہ گواہی
دیتے ہیں یہ آلات اسکی کہ اہل مادہ اس کے محتاج ہیں ۔ پس اُس کے اسماء عبارت و
بیان ہیں چند معنوں کے کہ اُن کے مدلول اسکے سوا ہیں ۔ اور افعال اُسکے تفہیم میں اور
ذات اُس کی حقیقت عظیم ہے ۔ اور کُنہ اُسکی جدا کرتا ہے اُسکے اور اُسکی خلقت کے درمیان
کیونکہ کسی طرح باہمی مشارکت اس میں نہیں ۔ اور غیر ہونا اُسکا تحدید ہے اُس کے ماسوا کے
واسطے ۔ یعنی جو کچھ کہ اُسکے ماسوا ہے ۔ حقیقت میں کچھ نہیں ۔ بتحقیق کہ جاہل رہا خدا سے
جس نے اُسکا وصف کرنا چاہا ۔ یا اُسکو موصوف بصفات ممکنات جانا ۔ اور اس سے گزر گیا
جس نے مثل ممکنات کے اُس کو مخلوقات پر محیط و شامل خیال کیا ۔ اور نہیں پایا اُسکو جس نے جانا

کہ میں نے اُسکی کنہ حقیقت دریافت کرلی۔ اور جس نے کہا کہ وہ کس طرح پر ہے اُس کو
مشابہ ممکنات گمان کیا۔ اور جس نے کہا وہ کس لئے ہے اُس نے علت وغرض اُس کے واسطے
مقرر کی۔ اور جس نے کہا کہ کب سے ہے اُس کو پابند وقت تصوّر کیا۔ حالانکہ وہ زمانی نہیں۔
اور جس نے کہا کہ کس چیز میں ہے اُس نے کسی جزو کے ضمن میں اُسکا ہونا خیال کیا۔ اور
جس نے کہا خدا کہاں تک دراز ہے اُس نے اُس کو مجسم محدود جانا۔ اور اُسکی نہایت قرار
دی۔ اور جس نے کہا خدا کب تک رہیگا اُس نے غایت قرار دی اُس کے لئے۔ اور جس نے
غایت قرار دی اُس کے لئے اُس نے ممکنات کی غایت میں اُسے شریک جانا۔ اور جس نے
اُسے صاحب غایت ممکنات جانا۔ اُس نے اجزا اُس کے لئے ٹھیرائے اور جس نے اُسکے
اجزا مقرر کئے اُس نے صفات ممکنات سے خدا کو موصوف جانا۔ اور ایسا خیال کرنے والا ملحد
بے دین ہے۔ اللہ تعالےٰ متغیر نہیں ہوتا مخلوق کے متغیر ہونے سے جیسا کہ محدود نہیں ہوتا
محدود کے محدود کرنے سے خدا کے نزدیک صبح و شام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب یکساں
و برابر ہیں۔ وہ یکتا واحد ہے مگر نہ ایسا کہ اُس کا کوئی دوسرا ہو۔ ظاہر و غالب ہے اپنی مخلوق پر
مگر کسی جسامت اور تسلط کے ساتھ نہیں۔ جلوہ نما ہے مگر نہ اس طرح کہ آنکھوں سے نزدیک ہو گیا ہو۔
خلائق سے جدا ہے مگر دوری راہ کے طور پر نہیں۔ قریب ہے مگر جسمانی قربت سے نہیں۔ لطیف ہے
مگر جسمانیت کے ساتھ نہیں۔ موجود ہے مگر کسی عدم اور نیستی کے ساتھ نہیں۔ کرنیوالا ہے۔ جو چاہے
کرے مگر مجبوری اور کسی کے دباؤ سے نہیں۔ تقدیر اور اندازہ لگانیوالا ہے کاموں کا۔ مگر جولانی
فکر کے ساتھ نہیں۔ تدبیر کرنے والا ہے مگر بغیر حرکت کئے۔ چاہنے والا ہے بغیر اس کے کہ قصد
اور ارادہ اُس کو حادث ہو۔ ادراک کرنے والا ہے مگر احساس کے ساتھ نہیں۔ سننے والا ہے
مگر نہ کان سے سنتا ہے۔ دیکھتا ہے مگر نہ آنکھ سے۔ مصاحبت نہیں کرتے اُس
سے اوقات اور شامل نہیں مکانات اُسکے اوپر۔ خواب نہیں پکڑتا اُس کو۔ اور صفات نہیں اندازہ
کرتیں اُسکا۔ آلات اُس کو فائدہ نہیں بخشتے۔ یا اُس کے کام آلات کے مقید نہیں۔ اُس کی ہستی
اوقات سے پہلے کی ہے۔ اور اُسکا وجود عدم سے سابق ہے۔ اور اُسکی ازلیت ابتداسے مقدم
ہے۔ بوجہ اس کے کہ اُس نے حواس مدرکہ پیدا کئے۔ معلوم ہوا کہ اُسکو کوئی ادراک نہیں کرسکتا
اور اُس کے جوہر پیدا کرنے سے دریافت ہوا کہ وہ جوہر ہونے سے پاک ہے۔ اور اشیاء کے درمیان
انضداد ڈالنے سے سمجھا گیا کہ اُسکا کوئی ضد نہیں ہے۔ دور والوں کو قریب کرنے سے جانا گیا کہ

اسکا کوئی قریب نہیں ہے۔ نور کو اُس نے تاریکی کا ضد کیا۔ اور واضح کو مُبہم کا خشکی کو تری کا
سردی کو گرمی کا۔ الفت دینے والا ہے درمیان اُن چیزوں کے کہ باہمدیگر عداوت رکھتی ہیں
اور فرق کرنے والا ہے درمیان اشیاء کے کہ باہمدگیر نزدیک ہوں۔ وہ اپنی جُدائی سے ثابت
کرتی ہیں کہ اُن کا جُدا کرنے والا کوئی ضرور ہے۔ اور اپنی تالیف سے بتاتی ہیں کہ اُنکا کوئی
مؤلف ہے۔ یہی معنی ہیں قول حق تعالےٰ کے کہ پیدا کئے ہم نے ہر شئے سے دو جفت یا دو نوع "تاکہ
شاید تم ذکر کرو۔ پس تفرقہ ڈالا درمیان قبل و بعد کے ان اشیاء کے ساتھ۔ یعنی اُن کو آگے پیچھے
پیدا کیا تاکہ معلوم کریں کہ اُس کے لئے نہ قبل ہے نہ بعد۔ گواہی دینے والی ہیں وہ اشیاء اپنی
طبیعت سے کہ اُس کے لئے طبیعت نہیں ہے جس نے اُن کو صاحب طبیعت گردانا۔ اور دلالت
کرنے والی ہیں اپنے باہمی تفاوت سے کہ اُن کے تفاوت دینے والے کے لئے کوئی تفاوت نہیں
ہے۔ اور خبر دیتی ہیں اپنے تعین وقت سے کہ اُسکے موقت ہونے کے واسطے کوئی وقت معین
نہیں ہے۔ محجوب کیا بعض کو بعض سے تاکہ معلوم ہو کہ اُس کے اور اُن کے درمیان کوئی غیر شخص
حجاب نہیں۔ یعنی خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی حجاب نہیں ہے۔ جیسا اُن کے باہمدیگر ہے
معنی ربوبیت اس کے لئے ثابت ہیں۔ جبکہ کوئی مربوب موجود نہ تھا۔ اور حقیقت معبود ہونے کی
اُسکے مسلم تھی جس وقت کوئی عبادت کرنے والا نہ تھا۔ اور معنی عالم کے اُسپر راست آتے تھے اُس
وقت جبکہ کوئی معلوم ہونے والی شئے نہیں تھی۔ اور قدرت خلق کرنے کی رکھتا تھا جبکہ کوئی اُس کا
مخلوق نہیں تھا۔ اور عالم مسموعات کا تھا۔ حالانکہ کوئی مسموع موجود نہ تھا۔ یہ بات نہیں جیسے خالق
مخلوق کو پیدا کیا اُس وقت سے خالق ہونے کے معنی کا مستحق ہوا۔ حالانکہ کلمہ مُذ کہ ابتدائے
زمان کے واسطے ہے اسکا سبب نہیں کہ کوئی شئے اُس سے غائب ہو۔ اور نہ حرف ماضی قریب کسی شئے کو
اُسکے قریب کرسکتا ہے۔ اور نہ لعل کسی چیز سے اُسے محجوب کرسکتا ہے۔ اور نہ متیٰ (کب) اُسکو موقت
کرسکتا ہے۔ اور نہ حین (وقت) اس کے شامل ہے۔ اور نہ مع (ساتھ) اُس سے قرین ہوتا ہے۔
تحدید نہیں کرتے آلات اور اعضا مگر اپنی ذات کو۔ اور اشارہ کرتے ہیں آلات اپنے نظائر کو۔ اور
اشیاء میں اُن کے افعال پائے جاتے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ آلات جسمانی جیسے جسمانیات کی تحدید
کرتے ہیں اور اُن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ خدا کی طرف نہیں کرسکتے۔ منع کیا ہے ان اشیاء و آلات
کو مُذ نے قدیم ہونے سے۔ اور باز رکھا ہے قد کے استعمال نے ازلی ہونے کو۔ اگر کلموں کا
افتراق نہ ہوتا کہ اُن کے جُدا کرنے والے پر دلالت کرتا ہے اور اُنکا تباین نہ ہوتا جو کہ ان میں تباین

ڈالنے والے کو بتلاتا ہے۔ تو البتہ عقلوں کے نزدیک ان کا صانع اور بنانے والا روشن ہوتا۔
عقلوں ہی سے دکھائی دینے سے محجوب ہو گیا ہے۔ یعنی عقلیں حکم کرتی ہیں کہ دیکھنے کی شے
نہیں اور انہیں کی طرف حکومت لیجاتی ہیں۔ وہم یعنی وہموں میں اختلاف ہوتا ہے تو عقل
ان کے درمیان حکم کرتی ہے اور ان سے اور ان وہموں سے ثابت ہوتے ہیں غیر خدا۔ اور ان سے استنباط
کرتی ہے عقل دلیل کو۔ اور انہیں سے پہنچوایا اقرار بوحدانیت خدا نے عقلوں کو۔ اور عقلوں سے
تصدیق خدا کا اقرار ہوتا ہے۔ اور اقرار سے ایمان کامل ہوتا ہے۔ اور صرف اعتقاد بدون اقرار زبان
ایمان کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ کوئی دینداری نہیں مگر بعد معرفت خدا و رسول صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم و حضرات ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے۔ اور معرفت نہیں مگر ساتھ خالص کرنے اعتقاد کے
شبہات باطلہ سے۔ اور خلوص معرفت حاصل نہیں ہو سکتا خدا کو ممکنات جاننے سے اور نفی نہیں
تشبیہ خدا سے خلائق کے ساتھ جیسے کہ صفات زائدہ مشابہ بمخلوق اُس کے لئے ثابت کیں
پس جو کچھ کہ صفات حقیقت سے خلق میں ہیں خالق میں نہیں پائی جاتیں۔ اور جو بات ان میں
ممکن ہے۔ حرکت کرنا اور ساکن ہونا۔ اُسپر جاری نہیں ہوتا۔ اور کیونکر جاری ہو اُسپر وہ شئے
جسکو خود اُس نے جاری کیا۔ اور کس طرح عود کرے اُسکی طرف وہ شئے جسکی ابتدا آپ اُسنے کی
حرکت و سکون اُس میں ہو تو البتہ اُس کی ذات میں تفاوت بہم پہنچے۔ اور البتہ اُسکی کُنہ ذات
صاحب اجزا ہو جائے۔ اور البتہ ممتنع ہوں ازلی ہونے سے معنی اسکے۔ اور ہر آئینہ ہو دیں پیدا
کرنے والے کے لئے کوئی معنی سوائے پیدا کئے گئے کے۔ اور اگر محدود کیا جاوے اس کے لئے
پس پشت اُس وقت محدود ہوگا پیش رو۔ اگر طلب کیا جاوے اُس کے لئے کمال تو ہر آئینہ
لازم آئیگا اُسکو نقصان۔ کیونکر مستحق ہو ازلی ہونے کا۔ جو حادث ہونے سے باز رہ سکے اور
کیونکر پیدا کرے اشیاء کو وہ شخص جو امتناع نہ کرے آفریدہ ہونے سے۔ احتمال ہے کہ مراد
کل اشیاء ہوں۔ یعنی کل اشیاء کا خالق غیر واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت قائم ہوگی اُس
میں علامت مخلوق اور مصنوع ہونے کی۔ اور ہر آئینہ وجود اُسکا دلیل ہوگا اوپر وجود صانع کے
بعد اس کے کہ مدلول علیہ تھا اس قول محال میں کہ خدا محل حوادث ہے۔ کوئی حجت نہیں۔ اور
نہ اس سوال کا کوئی جواب ہے۔ اور نہ اس کے قصد کرنے میں کوئی تعظیم ہے۔ اور نہ اُسکے جدا کرنے
میں مخلوقات سے کُنہ ذات میں اور عوض صفات میں کوئی ظلم ہے۔ مگر یہ کہ امتناع کرتا ہے ازلی
ہونے سے۔ کیونکہ وہ قدیم نہیں ہوتا۔ اور امتناع کرنے سے وہ چیز جس کی ابتدا نہیں ہوتی

ابتدا ہونے سے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے خدائے بزرگ و برتر کے۔ جھوٹ کہتے ہیں وہ لوگ جو اوروں کو خدا کے برابر جانتے ہیں۔ اور بہت گمراہ ہوتے ہیں اور ظاہر و فاش نقصان اٹھاتے ہیں۔ درود خدا کا اور رحمت ہو اوپر محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آل علیہم السلام پر کہ طیب و پاکیزہ ہیں۔

لطائف جوابات

کسی شخص نے پوچھا پانی اور روٹی کا کیا مزہ ہے؟ جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے فرمایا طعم الماء طعم الحیات وطعم الخبز طعم العیش پانی کا مزہ یہ ہے کہ آدمی کی حیات اس سے قائم ہے۔ روٹی کا مزہ یہ ہے کہ وہ انسان کی وجہ معیشت ہے۔

کسی نے دریافت کیا یکلف اللہ العباد ما لا یطیقون۔ کیا حق سبحانہ تعالےٰ اپنے بندوں کو ایسی تکلیف دیتا ہے جس کو وہ برداشت نہ کر سکیں۔ ارشاد فرمایا ھو اعدل من ذالک اُس جل شانہ کی عدالت اس سے بڑھی ہوئی ہے کہ ایسا کرے۔ عرض کی تو پھر بندگان خدا کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ فرمایا ھم اعجز من ذالک وہ اس سے زیادہ عاجز ہیں کہ ایسے ہوں۔

فضل ابن سہل نے سوال کیا یا ابا الحسن علیہ السلام الخلق مجبورون۔ اے ابو الحسن علیہ السلام کیا خلقت اپنے افعال میں مجبور ہے۔ خدا جو چاہتا ہے ان سے کراتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالےٰ اعدل من ان یجبر حق تعالےٰ اس سے زیادہ عادل ہے کہ کسی پر جبر کرے۔ خود ہی افعال پر مجبور کرے پھر آپ ہی اُسپر سزا کرے۔ تو اُسکی عدالت کہاں رہی۔ کہا تو مخلوقات مطلق العنان ہیں۔ فرمایا اللہ احکم من ان یھمل عبدہ و یکلہ الی نفسہ حق تعالےٰ اس سے زیادہ حاکم ہے کہ اپنے بندوں کو بحال خود چھوڑ دے۔ اور اُن کے نفس کے حوالے کرے۔ مراد یہ ہے کہ نہ بالکل جبر ہے کہ بندوں کو کوئی اختیار ہی نہیں۔ جو کچھ وہ کرے حق تعالےٰ اُسکے ہاتھوں سے کرائے اور نہ تمام تر اختیار اُسکے حوالہ کر دیا گیا ہے چنانچہ اسی لئے حدیث میں آیا ہے لا جبر ولا تفویض بل الامر بین الامرین نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ راستہ دونوں کے درمیان ہے۔

نفی تشبیہ حسین ابن خالد نے پوچھا کہ اس قول رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا معنی ہیں۔ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔ حق تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ ارشاد فرمایا قاتلھم اللہ خدا اُن کو ہلاک کرے۔ اُنہوں نے شروع حدیث کو گرا دیا۔ اصل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دو شخصوں کے پاس سے ہو کر گذرے جو آپس میں گالی گلوج کر رہے تھے۔

ان میں سے ایک نے دوسرے کو کہا قبح اللہ وجھك ووجہ من شبھك خدا بھونڈا کرے تیری شکل کو۔ اور اسکی شکل کو جو تیرے ساتھ مشابہ ہو۔ اُس وقت آپ نے فرمایا۔ اے بندہ خدا ایسا نہ کہہ ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ۔ تحقیق کہ خداوند عالم جل شانہ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

دیگر۔ عرض کی حضور اس حدیث کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ جسے لوگ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ ان اللہ ینزل کل لیلۃ الی سماء الدنیاء حق تعالےٰ ہر شب کو آسمان اوّل پر اُترتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ عذاب کرے اُن پر جو اپنے مقام سے کلمات کو تحریف کرتے ہیں۔ قسم خدا کی جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے کہا ہے کہ حق تعالےٰ ہر رات کو ثلث آخر میں اور شب جمعہ کو اول شب میں ایک ملک کو آسمان اول پر بھیجتا ہے کہ وہ منادی کرتا ہے کہ کوئی سائل ہے کہ میں اُس کو عطا کروں۔ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اُس کی توبہ کو قبول کروں۔ کوئی خواہان مغفرت ہے کہ میں اُسکی مغفرت فرماؤں۔ اے طالب خیر متوجہ ہو۔ اور اے طلبگار شر کوتاہی کر۔ وہ ملک برابر اسی طرح منادی کرتا ہے۔ حتےٰ کہ صبح طالع ہوتی ہے۔ اُس وقت وہ دنیا سے اپنے محل ومقام کو واپس چلا جاتا ہے۔

دیگر۔ ابوالصلت ہروی نے عرض کی کہ آپ عامہ کی اس حدیث میں کیا فرماتے ہیں ان المؤمنین یزورون ربھم فی منازلھم من الجنۃ۔ بیشک مومن جنت میں اپنے مکانوں میں بیٹھے ہوئے اپنے پروردگار کی زیارت کرینگے۔ ارشاد فرمایا۔ اے اباالصلت حق سبحانہ تعالےٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء وملائکہ وغیرہ پر فضیلت بخشی۔ ان کی اطاعت۔ ان کی بیعت۔ اُن کی زیارت کو اپنی طاعت۔ اپنی بیعت۔ اور اپنی زیارت قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے حضرت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ نیز ارشاد جناب باریتعالےٰ موجود ہے ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم جو لوگ تیرے ساتھ (اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیعت کرتے ہیں وہ خدا کے ساتھ بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ اور جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے جس نے میری زیارت کی زندگی میں یا مرنے کے بعد

اُس نے گویا خدا کی زیارت کی۔ پس یہی معنی ہیں حدیث مذکور کے کہ مومنین اپنے بہشت والے گھروں میں بیٹھے ہوئے اپنے رب کی زیارت کرینگے۔

وغیرہ۔ پھر راوی حدیث نے عرض کی۔ لوگ روایت کرتے ہیں انّ ثواب لا الٰہ الّا اللّٰہُ النّظر الیٰ وجہ اللّٰہ کہ لا الٰہ الّا اللّٰہ کے کہنے کا ثواب یہ ہے کہ جس نے یہ کلمہ کہا گویا وجہ (شکلِ خدا) خدا کی طرف اُس نے نظر کی۔ کیا خدا کی کوئی شکل وصورت ہے؟ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالےٰ کو کسی طرح کی شکل وصورت سے متصف کرنا کفر ہے۔ وجہ اللّٰہ انبیاء خدا اور اُن کے اوصیاء ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے خدا کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ وجہ خدا ہوتے ہیں۔ پس نظر کرنا اُن کی طرف باعث اجرِ عظیم ہے۔ اور محروم رہنا اُن کی زیارت سے موجب خسران۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلےٰ اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **جنت و دوزخ خلق ہو چکے ہیں**۔ راوی حدیث نے پھر سوال کیا کہ جنت اور دوزخ کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ مخلوق ہو چکے ہیں یا نہیں۔ حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ یقیناً خلق ہو چکے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر خدا میں ہیں۔ ہنوز خلق نہیں ہوئے وہ ہم سے نہیں۔ بلکہ ہماری اور حضرت رسول اللّٰہ صلےٰ اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرنے والے اور ہماری ولایت کے منکر ہیں۔ قیامت کو مخلد فی النار ہونگے کیونکہ وہ ایسی چیزوں کا انکار کرتے ہیں جن کے وجود کا اقرار ضروریات دین سے ہے۔ حق سبحانہٗ تعالےٰ فرماتا ہے ھٰذِہٖ جَھَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِھَا الْمُجْرِمُوْنَ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَھَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ۔ یہ دوزخ وہی ہے جس کو گنہگار لوگ جھٹلاتے تھے۔ دوزخی لوگ پھرینگے اس کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان۔

پھر جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے جو شخص میرے کلام پاک کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا۔ اور جس نے مجھ کو مخلوق سے تشبیہ دی اُس نے مجھے نہیں پہچانا۔ اور قیاس کا استعمال کرنے والا میرے دین پر نہیں۔ پس فرمایا کہ متشابہات قرآن کو اُس کے محکم کی طرف ردّ کرو۔ اور متشابہات کی پیروی سے باز رہو کہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ بتحقیق کہ ہمارے کلام میں بھی مثل کلام الٰہی محکم ومتشابہ ہیں یہاں بھی متشابہ کو محکم کی طرف رد کرنا لازم ہے۔ آگاہ رہو! جس نے خدا کو مخلوق سے تشبیہ دی۔ وہی مشرک ہے۔ اور جو اُسکی طرف وہ امر منسوب کرے جس سے اُس نے منع کیا ہے

وہ کافر ہے۔ بعد اسکے اسکی مثال میں فرمایا کہ خدائے سبحانہ تعالےٰ فرماتا ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ اس میں مضاف محذوف ہے۔ کیا معنی کہ بجائے الےٰ ربھا کے الی نعماء ربھا مقصود ہے۔ یعنی کچھ چہرے ہونگے (روز قیامت) تر و تازہ کہ اپنے پروردگار کی نعمت کی طرف نگاہ کرنے والے ہونگے۔ اس کی ایسی اور بھی مثالیں آپ نے قرآن مجید کے متشابہات کی ارشاد فرمائیں۔ جن کو طوالت کے خوف سے ہم نے نہیں لکھا۔ وہ لمعۃ الضیا فی عمدۃ اخبار الرضا علیہ التحیۃ والثنا میں بصفحہ ۲۶۶ مرقوم ہیں۔

نماز نماز کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ نماز ایک طاعت خدا ہے جس کا حکم کیا گیا ہے۔ اور دین و شریعت ہی جس کے اوپر ہمیں لگایا گیا ہے۔ نماز میں حق سبحانہ تعالےٰ کی تعظیم و تبجیل اور بندہ کا انکسار ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کا اقرار ہے کہ ایک ہی پروردگار ہے جس کی یہ عبادت کرتا ہے۔ اور سر تسلیم اُس کے آگے جھکاتا ہے۔

وضو کی نسبت ارشاد ہوا کہ خدائے عزوجل شانہ کے آگے کھڑا ہونا۔ اور اُس سبحانہ تعالےٰ کے روبرو کھڑا ہونا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ چاہیئے کہ جب انسان اسکا ارادہ کرے تو پاک و پاکیزہ ہو۔ ہاتھ مُنہ دھوئے دھلائے ہوں۔ کیونکہ مُنہ موضع سجود و خضوع ہے۔ ہاتھوں سے ترغیب و ترہیب کا اور درگاہ الٰہی میں ابتہال کا اظہار ہوتا ہے۔ سر اور پاؤں کا مسح اس لئے مقرر ہوا کہ وہ اعضاء مکشوفہ جسم انسان سے ہیں۔ اور حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نقل کیا کہ ان مقامات کو کہ پاکیزہ ترین جسم ہیں اس لئے وضو کرنے کا حکم کیا کہ شیطان نے آدم کو وسوسہ کیا تو وہ درخت منہی عنہ کی طرف گئے۔ اور ہاتھ سے اُسکو لیا۔ مُنہ سے کھایا۔ پس آثار ناراضی حق تعالےٰ مشاہدہ کئے تو پیش سر پکڑ کر گریاں ہوئے۔ حق سبحانہ تعالےٰ نے توبہ انکی قبول کی۔ تو اُن پر اور اُنکی ذریت پر ہاتھوں کا دھونا اور مقدم سر کا مسح کرنا واجب ہو گیا۔

تعدد ازدواج کی بابت پوچھا تو ارشاد ہوا کہ عورت کو ایک شوہر سے زیادہ شوہر کرنے کی ممانعت اور مرد کو چار عورتوں تک اجازت ہے۔ عورت کے ایک شوہر سے اگر زیادہ ہوں تو معلوم نہ ہو کہ نطفہ کس کا ہے۔ اس کے باعث سے ابویت کی تحقیق مشکل اور مشتبہ

میراث میں سخت دشواری ہو جائے گی۔ بخلاف اس کے تعدد ازواج سے یہ خرابی لازم نہیں آتی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ایک مرد کے لئے چار عورتیں اس لئے بھی جائز ہوئیں کہ عورت کی خلقت قدرتاً مرد سے زیادہ ہے۔ صاحب لمعۃ الضیا کی تحقیق بہت درست ہے۔ اور مجھ کو اُن کی قیمتی رائے سے پورا اتفاق ہے جیسا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ "اس ارشاد باسداد کو آج کچھ اوپر گیارہ صدیاں گزریں۔ مگر یہ قاعدہ اب تک ویسا ہی مستحکم مضبوط اور مستمر ہے جیسا کہ اُس وقت تھا۔ اب بھی ہم برابر دیکھتے رہتے ہیں کہ مردم شماری ہونے پر ہر جگہ عورتوں ہی کی تعداد زیادہ نکلتی ہے۔ یورپ کے ملکوں میں چونکہ مذہب عیسائی کے موافق ایک سے زیادہ عورت مرد کو حلال نہیں۔ آئے دن سُنتے رہتے ہیں کہ اتنی عورتیں فالتو بچ رہیں اُن میں سے اس قدر جہازوں میں بیٹھکر دوسرے ملکوں میں شوہر تلاش کرنے نکل گئیں اسلامی ولایتوں سے قاعدۂ تعدد زوجات کی بدولت کبھی ایسی خبر سُننے میں بھی نہیں آتی۔ اسکے علاوہ۔ تعدد زوجات کے اور بہت سے مصالح ہیں جن کو مولوی غلام حسنین صاحب کنتوری سلمہ اللہ تعالے نے انتصار الاسلام میں زیادہ وضاحت اور کافی تفصیل سے لکھا ہے۔ من شاء فلیرجع الیہا۔

عام مواعظ اور پند و نصیحت

جناب امام موسی رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے لئے سب سے زیادہ وحشتناک تین مقام ہیں۔ ایک وہ روز جس روز وہ شکم مادر سے باہر آتا ہے۔ دوسرے جس روز دنیا سے انتقال کرے۔ تیسرے جس روز ہنگامۂ محشر میں مبعوث ہوگا۔ وہاں اُن امور کا مشاہدہ کریگا جن کو دنیا میں نہ دیکھا تھا۔ حق سبحانہ تعالے نے اپنے تین مقاموں میں حضرت یحیےٰ ابن زکریا علےٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام پر سلام بھیجا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیّا۔ سلام ہو اُس پر پیدا ہونے اور مرنے کے دن اور اُس روز جبکہ دوبارہ لباس زندگی پہنکر عرصۂ محشر میں مبعوث ہوگا۔ نیز حضرت عیسےٰ ابن مریم علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام نے بھی انہیں تینوں مقاموں پر اپنے لئے سلام بھیجا ہے فقال والسّلام علیّ یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیّا یعنی سلام ہو مجھ پر جس روز کہ میں پیدا ہوا۔ اور مرنے کے دن اور اُس روز کہ میں پھر مبعوث ہوں۔

ایضاً۔ فرمایا حق سبحانہ تعالےٰ نے تین شے کا حکم دیا ہے۔ بشرطیکہ اور تین شے اُن کے ہمراہ ہوں۔ نماز کا حکم دیا ہے تو اُس کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم فرمایا ہے۔ اگر کوئی نماز پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے تو اسکی نماز درست نہیں۔ اور درجۂ قبولیت پر فائز نہیں ہوئی۔ اور اپنے شکر کرنے کا حکم دیا۔ اور شکر والدین کو اُس کے ساتھ مقرون گردانا۔ پس اگر کوئی شکر بجا لائے اور ماں باپ کا شکر نہ کرے تو اُس نے گویا خدا کا شکر نہیں کیا۔ اور تقوےٰ اور پرہیزگاری کا حکم کیا اور صلۂ رحم کو اُس کے ساتھ کیا۔ بنا بریں اگر کوئی شخص صلۂ رحم نہ کرے تو گو وہ کیسا ہی متقی اور پرہیزگار کیوں نہو۔ وہ عمل کار آمد نہوگا۔ نیز فرمایا کہ عقل و دانش کی علامات سے ایک بردباری بھی ہے۔ دوسری خاموشی و کم گوئی۔ بتحقیق کہ کم گوئی ایک دروازہ ہے دروازہائے حکمت سے اور موجب ہے محبت کا۔ اور نیز فرمایا صدیق کل امرءٍ عقلہ وعدوّہ جھلہ کہ ہر شخص کا دوست اُس کی عقل ہے اور دشمن اسکی جہالت۔

ایضاً۔ فرمایا کہ دنیا جمع نہیں ہوتی جب تک کہ پانچ خصلتیں اُس کے ساتھ نہوں بخل کمال درجہ کا۔ طول امل۔ دور و دراز امیدیں۔ حرص بڑھی ہوئی۔ قطع رحم۔ دستوں اور عزیزوں سے جُدائی اختیار کرنا۔ اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔

ایضاً۔ فرمایا۔ الصّغائر من الذّنوب طرق الی الکبائر۔ گناہان صغیرہ گناہان کبیرہ کے راستے ہیں۔ فرمایا من لم یخف اللہ فی القلیل لم یخفہ فی الکثیر۔ جو حق تعالےٰ سے تھوڑی باتوں میں نہیں ڈرتا وہ بڑے کاموں میں بھی نہیں ڈریگا۔

ایضاً اگر نہ ڈرتے اُس جہنم سے اور نہ طمع ہوتی اُس بہشت کی۔ تب بھی ہم پر واجب تھا کہ طاعت حق تعالیٰ کی بجالاتے۔

ایضاً۔ نیز بواسطہ اپنے آبائے طاہرین حضرت سید المرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین سے روایت کی کہ آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا یا عبد اللہ۔ احبّ فی اللہ۔ ابغض فی اللہ۔ ووال فی اللہ۔ وعاد فی اللہ۔ فانّہ لاینال ولایۃ اللہ الا بذٰلک۔ اے بندۂ خدا۔ خدا کے واسطے دوستی کر اور خدا کے واسطے دشمنی۔ اور خدا کے واسطے آدمیوں کو دوست رکھ۔ اور اُسی کے لئے اُن سے عداوت کر۔ تحقیق کہ ولایت خدا

کو بغیر اس کے نہ پا سکیگا۔

پند و نصیحت کہ نظم میں ارشاد ہوئے

ابراہیم ابن عباس نے کہا کہ یہ شعر اکثر زبان مبارک پر جاری ہوتا تھا۔

اذا کنت فی خیر فلا تغترّ بہ	ولکن قل اللّٰھمّ سلّم وتمّم

جب تو کسی خیر و خوبی کو پہنچے تو اُس پر مغرور نہو۔ بلکہ دعا کر کہ حق تعالے اُس کو برقرار رکھے اور تمام کو پہنچائے۔

مامون عباسی نے عریضہ خدمت عالی میں لکھکر التماس کی کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو کچھ نصیحت فرمایئے۔ جواب میں یہ اشعار اُسکو لکھ بھیجے۔

انّک فی دنیا لھا مدّۃ	تقبّل فیھا عمل العامل
اما تری الموت محیطا لھا	یسلب منھا امل الامل
تعجل الذّنب بما تشتھی	وتامل التّوبۃ من قابل
والموت یاتی بغتۃ	ما ذالک فعل الحازم العاقل

تو دنیا میں ہے جس کے لئے مدّت معین ہے۔ اس میں عمل کرنیوالے کا عمل قبول ہوتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ موت اُسکو احاطہ کئے ہوئے ہے جو امید کرنیوالوں کی امید کو سلب کرلیتی ہے۔ تو گناہ کرنے میں تو حسب خواہش جلدی کرتا ہے۔ اور توبہ کرنے کے زمانہ آیندہ میں امید رکھتا ہے۔ حالانکہ موت ناگہاں آجانے والی ہے پس یہ محتاط اور عقلمند آدمی کا فعل نہیں ہے۔

ناپائداری دنیا میں ارشاد فرمایا۔

کلّنا نامل مدّ فی الاجل	والمنایا ھنّ افات الامل
لا یغرّنک اباطیل المنی	والزم القصد ودع عنک الامل
انّما الدّنیا کظلّ زائل	حلّ فیہ راکب ثمّ رحل

ہم سب اجل میں تاخیر ہونے اور عمر کی درازی کے امیدوار ہیں۔ لیکن موتیں امیدوں کے لئے آفات ہیں۔ تازہ آرزوئیں تجھ کو ہرگز مغرور نہ کریں۔ میانہ روی کو اختیار کر اور طول امل مت کر۔ دنیا کی مثال زائل ہو جانے والے سایہ کی طرح ہے۔

ایک شخص نے اپنے بھائی کی شکایت کی۔ اُس کے جواب میں ارشاد ہوا۔

اعذر اخاک علی ذنوبہ	واستر وعظ علی عیوبہ

واصبر علی بھت السّفیہ ودع الجواب تغضّلا	وللزّمان علی خطوبہ وکلّ الظّلوم علی حسیبہ

اپنے بھائی کو اُس کی نافرمانیوں پر معذور رکھ۔ اُسکے عیبوں پر پردہ ڈھانپ اور ستر پوشی کر۔ احمق کے بہتانوں پر صبر و شکیبائی کر۔ اور زمانہ کے عظیم مصائب کو برداشت کر۔ اور بدلہ لینے کو از روئے تفضّل ترک کردے۔ اور ظالم کو خدا کے سپرد کردے جو اسکا جواب لینے والا ہے۔

تصانیف حضرت امام موسی رضا علیہ السّلام

ہرچندکہ حضرات انبیائے کرام و ائمہ انام علیہم السلام کا یہ منصب اور مقام نہیں ہے کہ عام مصنفوں کی طرح قلم دوات کاغذ لیکر بیٹھیں اور کتابیں تصنیف و تالیف کیا کریں۔ انبیا علی نبیّنا وآلہ و علیہم السلام تو جو شریعت حق تعالے کی طرف سے لاتے ہیں اُسکو مع دیگر مضامین وحی کے امت کو پہنچا دیتے ہیں۔ ائمہ اور اوصیا ان کے سلام اللہ علیہم اجمعین اُنکی نیابت میں شرائع دین کو عالم میں شائع فرماتے ہیں۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم کرنا علمائے امت کا کام ہے۔ کہ اُن حضرات علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب علوم کریں۔ پھر اُنکو بجائے خود تدوین فرمائیں۔ چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب آنجناب ؑ سے چار سَو بزرگوں نے چار سو کتابیں علم حدیث۔ فقہ اور تفسیر میں تصنیف فرمائیں کہ بہت سے اصول مذہب حقّہ امامیہ اُن سے ماخوذ و منضبط ہوئے۔ مگر حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کو زمانہ کی ضرورتوں نے مجبور کیا کہ اپنے قلم مبارک سے کچھ تحریر فرمائیں۔ صرف صحیفۃ الرّضا۔ فقہ الرضا اور طب الرّضا ایسے کتب و رسائل ہیں جو آپ سے آج تک یادگار رہیں۔

صحیفۃ الرّضا علیہ التحیۃ والثنا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنے اسانید معتبرہ اور جناب علی ابن طاؤس نور اللہ مرقدہ نے علامہ شیخ ابو علی الطبرسی صاحب مجمع البیان سے اُس کو روایت کیاہے۔ اور اس نایاب کتاب کو آپ کی تصنیفات سے بتلایا ہے۔ علمائے اہلسنّت میں علامہ زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ یحیے ابن الحسین الحسینی کہا کرتے تھے کہ اسناد صحیفۃ الرّضا علیہ التحیۃ والثنا وہ اسناد ہیں کہ اگر مجنون کے کان میں پڑھے جائیں تو البتہ اُسکو جنون سے افاقہ ہو جاوے۔ صحیفۃ الرضا علیہ التحیۃ والثنا کا اردو ترجمہ مولوی حکیم اکرام الرضا صاحب لکھنوی نے اردو میں کیاہے اور مطبع نولکشور لکھنؤ میں مکرر طبع ہو چکا ہے۔ کوئی دو پونے دو جزو

کا رسالہ ہے۔ اس میں تمام احادیث کو بواسطہ اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے بیان فرمایا ہے۔ آداب و اخلاق۔ عبادات وغیرہ وغیرہ بہت سی مفید باتیں اس میں درج ہیں۔

صحیفۃ الرضویہ۔ عیون اخبار الرضا علیہ التحیۃ والثنا میں تحریر ہے کہ مامون نے فضل ابن سہل ذو الریاستین کو حضرت امام موسی رضا علیہ السلام کی خدمت میں بھیجکر التماس کیا کہ اصول عقائد و مسائل حلال و حرام اُس کے لئے تحریر فرمادیں۔ آپ نے قلم و دوات منگاکر امور مذکورہ بطور رسالے کے لکھدئے۔ عالیجناب مولوی شریف حسین صاحب بریلوی نے اسکا اردو ترجمہ کرکے جوہر بہیہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

طب الرضا علیہ التحیۃ والثنا۔ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ طب الرضا کتب معروفہ سے ہے۔ شیخ منتخب الدین نے اپنی کتاب "فہرست" میں وارد کیا ہے کہ سید فضل اللہ ابن علی الراندی نے اُسپر شرح لکھی ہے۔ اور اُسکا نام **ترجمہ العلوی فی طب الرضوی** رکھا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ طب الرضا علیہ التحیۃ والثنا وہ کتاب ہے کہ آپ نے مامون کے التماس خاص سے علم الطب میں تحریر فرمائی ہے۔ اور وہ رسالہ **ذہبیہ** کے نام سے مشہور ہے۔ اس رسالہ کا ترجمہ بھی عالیجناب مولوی حکیم سید مقبول احمد صاحب دہلوی نے کیا ہے۔ اور اُس کا نام **اسرار علوم الطبیہ** رکھا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۳۲۲ ہجری میں مطبع قیومی پریس لکھنؤ میں چھپا ہے۔

مسند اہلبیت علیہم السلام۔ خواجہ عبید اللہ صاحب امرتسری اپنی کتاب ارجح المطالب میں کشف الظنون سے یہ عبارت ذیل لکھتے ہیں ومن مصنفاتہ مسند اھل البیت علیھم السلام آپ کی تصنیفات میں سے مشہور کتاب مسند اہل البیت علیہم السلام ہے۔ جس میں اہلبیت علیہم السلام کے مرویات کو آپنے جمع فرمایا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ نسخہ مبارکہ اطراف عالم میں شائع نہیں ہوا۔ کیا تعجب ہے کہ سواد اعظم کے اس فاضل نے صحیفہ رضویہ کو ایک علیحدہ کتاب سمجھکر اس نام سے موسوم فرمایا ہو۔

جناب امام موسی رضا علیہ السلام کے مرویات اور علمائے اہلسنت

شبلنجی مصری نے نور الابصار میں اُن حضرت علیہ السلام سے پانچ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ملا عبد الرحمن جامی نے شواہد النبوۃ میں بہت سے مرویات آپ کے مندرج

کئے ہیں۔ انکا یہ قصیدہ آپ کی مدح میں نہایت مشہور ہے۔

قصیدۂ ملا جامی

سلام علی آل طٰہٰ و یٰسین	سلام علی جان ختم النبیین
امام بحق شاہ مطلق کہ آمد	حریم درش قبلہ گاہ سلاطین
شہ کاخ عرفان گل شاخ احسان	در درج امکان مہ برج تمکین
علی ابن موسیٰ رضا کز خدایش	رضا شد لقب چون رضا بودش آئین

ابو نواس شاعر کا مشہور قصیدہ آپ کی مدح میں نہایت معروف ہے جس کو ابن یمین نے فارسی میں اس طرح نظم کیا ہے۔

بہ بندہ ابن یمین گفت دوستی کہ توئی	کہ شعر تست کہ بر آسمان رسید سرش
چرا مدیح سرائے رضا نمی نشوی	کہ در جہاں نبود کس بپائے گوہرش
بگفتمش کہ نیارم ستود امامے را	کہ جبرئیل امین بود خادم پدرش

معروف کرخی۔ تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ یہ اپنے گھر سے نکل کر خدمت بابرکت جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام میں داخل ہوئے۔ اور بکمال عرفان اور منتہائے ایقان پر فائز ہوئے۔ اور ایک مدت کے بعد اپنے وطن کو واپس ہوئے۔ مجالس المومنین میں باسناد مکتوبات ملا قطب الدین انصاری شافعی لکھا ہے کہ کوئی شخص سفر کو جانا چاہتا تھا رخصت ہونے کو معروف کے پاس آیا۔ معروف نے کہا تجھے سفر میں کوئی احتیاج پیش آئے تو خدا تعالیٰ سے بواسطۂ سر معروف دعا کرنا مستجاب ہوگی۔ اس شخص نے تعجب سے کہا کہ یہ تو تزکیہ نفس ہے معروف نے کہا تزکیہ نہیں ہیں میں اس لئے کہتا ہوں کہ یہ سر سالہا سال امام دو جہاں شاہ خراسان علیہ السلام کے آستانۂ ملائک آشیانہ پر گھسا گیا ہے۔

ابن جوزی خواص الامۃ میں لکھتے ہیں قال ابراهیم ابن عباس ما رأیت اعلم منه وكان المامون يمتحنه بالسوال فيجيبه الجواب الشافي۔ ابراہیم ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے زیادہ عالم اور کسی کو نہیں دیکھا۔ مامون اکثر سوالات میں انکا امتحان لیا کرتا تھا اور آپ اسکو جواب شافی دیا کرتے تھے۔

ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں هو ابنهم ذكرا واجلهم قدرا ومن ثم احله المامون محل مهجته وانكحه ابنته واشركه في مملكته وفوض اليه امر الخلافة سب سادات کرام علیہم السلام سے

جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام از روئے ذکر کے روشن تر اور قدر میں سب سے برتر ہیں۔ اسوجہ سے مامون نے آپ کو اپنے سلسلہ میں جگہ دی۔ اور اپنی بیٹی بیاہ دی تھی۔ اور اپنی مملکت میں اپنا شریک گردانا تھا۔ اور امر خلافت آپ کے سپرد فرمایا تھا۔

خاوند شاہ سمرقندی۔ روضۃ الصفا۔ دفتر سوم۔ بذیل تذکرہ جناب امام موسیٰ رضا علیہ السلام یوں تمہیداً رقمطراز ہیں۔

ذکر احوال علی ابن موسے الرضا علیہ التحیۃ والثنا۔ در مشہد مقدس و مرقد ایں امام علیہ الاطلاق مرجع زائران و مقصد سالکان اکابر و اصاغر آفاق است۔ طوائف امم وطبقات بنی آدم از اقصائے روم و ہندیل از جمیع مرز و بوم ہر سالہ مہاجرت اوطان و مفارقت خلان اختیار کردہ روئے توجہ باین آستان فرخندہ نشان نہادہ و مراسم زیارت وطواف بجا می آورند وایں موہبت عظمےٰ را سرمایۂ سعادات دنیا وعقبےٰ می دانند۔" صلوات اللہ علیہ وآلہ الطیبین الطاہرین

تمت بالخیر والعافیہ

الحمد للہ والمنہ کہ کتاب موجودہ موسوم بہ تحفۂ رضویہ را بتاریخ دوازدہم شعبان المبارک سنہ ۱۳۲۸ ہجری نبوی صلعم باتمام رسانیدم وحالا بنقل کتاب نہم از سیرۂ اہلبیت علیہم السلام می پردازم۔ الٰہی بتفضل وتوسل جناب رسالت پناہی توفیق ایں حقیر را وسیع فرمودہ ایں اقل الخلائق را از جملۂ آفات و بلیات زمانہ محفوظ و مصئون بگردانا د بحق محمد وآلہ الامجاد۔ واللہ الموفق بالمومنین واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ المیامین الی یوم الدین

پیغمبر آخر الزماں کی آخری وصیت

یعنی حدیث ثقلین میں ہمکو کتاب اللہ اور عترت و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی لئے ہم نے جس قومی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے وہ یا کلام اللہ سے متعلق ہے یا ائمۂ معصومین علیہم السلام کے اذکار وارشادات و ہدایات ہیں۔ چنانچہ ائمۂ اثنا عشر سلام اللہ علیہم اجمعین کی پاک زندگی کے حالات و واقعات شائع اور ذائع کرنا بھی ایک بڑی اور ضروری خدمت تھی۔ جسے عالیجناب مولوی السید اولاد حیدر صاحب فوقؔ بلگرامی رئیس و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ کوآتھ ضلع آرہ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے بارہ معصوموں کی سوانح قلمبند فرما کر پورا کر دیا۔ اور سلسلہ بہ سلسلہ یہ سوانح عمریاں ملک میں شائع ہو رہی ہیں جناب امام موسیٰ رضا علیہ التحیۃ والثنا کی مفصل سوانح عمری تو یہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ما بقی بزرگواروں میں سے صرف حسب ذیل کی سوانح تیار ہیں۔

سراج المبین حصہ اول و دوم۔	یعنی سوانح عمری جناب امیر علیہ السلام	...	ہدیہ	•	ختم ہوگئی
سرو چمن	...	" جناب امام حسن علیہ السلام ...	ہدیہ	عمر	
ذبح عظیم	... "	" جناب امام حسین علیہ السلام ...	ہدیہ	للعمر	
صحیفۃ العابدین	... "	" جناب امام زین العابدین علیہ السلام	ہدیہ	•	ختم ہوگئی
مآثر الباقریہ	... "	" جناب امام محمد باقر علیہ السلام	ہدیہ	۸ر	
آثار جعفریہ	... "	" جناب امام جعفر صادق علیہ السلام	ہدیہ	عہ	
علوم کاظمیہ	... "	" جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	ہدیہ	۱۲ر	
تحفۃ المتقین	... "	" جناب امام محمد تقی علیہ السلام	ہدیہ	۸ر	

امام دہم سے امام دوازدہم تک کی سوانح سلسلہ بہ سلسلہ اسکے بعد دیگرے انشاء اللہ تعالےٰ پیش کیجائینگی اب ان کے مطالعہ سے مستفید ہو کر فلاح دارین حاصل کرنا آپ کا کام ہے۔

منیجر جوہر اینڈ کمپنی مقبول پریس بیلی قبر دہلی۔

مقبول ترجمہ یعنی کتاب اللہ

CHECKED 1988

موافق و مطابق روایات اہلبیت علیہم السلام

الحمد للہ کہ قرآن مجید کا ترجمہ اردو وہ بھی موافق روایات اہلبیت علیہم السلام جسکی سخت ضرورت تھی نہایت خوبی سے تیار ہو گیا چنانچہ مقبول ترجمہ یعنی قرآن مجید مترجمہ جناب مولوی السید مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی ابتدا سے اس وقت تک تقریباً پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔ کیا یہ قبولیت عام کی سند نہیں ہے؟ فرقہ شیعہ میں اتنی کامیابی بڑی بات ہے۔ اس تعداد کے شائع ہونے نے بتا دیا کہ مقبول ترجمہ یقیناً ایک قومی ضرورت تھی۔ اور مقبولیت عام اسے حاصل کیوں نہ ہو جبکہ اسکے مترجم عالیجناب مولانا مولوی حکیم السید مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی مدظلہ العالی نے خالصۃً لوجہ اللہ اس خدمت کو انجام دیا ہے اور ترجمہ کرنے میں اپنی ذاتی قابلیت و استعداد و شہرۂ آفاق ملکہ خاص کے باوجود محض عند اللہ بری الذمہ ہونے کی خاطر علمائے اعلام و مجتہدین عظام علی الخصوص جناب نجم الملۃ والدین حضرت نجم العلماء مجتہد العصر والزمن مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ مدظلہ العالی اور استاذ الکل فی الکل حضرت مولانا السید ظہور حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر والزمان دامت برکاتہم کو اسکا ایک ایک لفظ سنا لیا تب شائع کیا۔

مقبول ترجمہ کی نسبت ایک خاص خصوصیت علاوہ خط نسخ و نستعلیق و چھاپہ کی صفائی وغیرہ کے صحت الفاظ کا اتنا کافی اہتمام کیا گیا ہے کہ اغلاط نہایت احتیاط سے درست کرالی گئی ہیں۔ اور ہمارے علم و یقین کی رو سے اب ایک غلطی بھی باقی نہیں ہے۔ جو خوبی دوسرے قرآن شریفوں میں ملنی ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

اگر آپکو احکام خدا و رسول و ائمہؑ پر عمل کرکے فلاح دارین حاصل کرنی منظور ہو تو اس کلام پاک کی تلاوت کا حظ حاصل کریں اور نہ صرف تلاوت کی حلاوت بلکہ ترجمہ حواشی پڑھکر اسکے مطالب کو بھی سمجھیں اور گویا نکات قرآن صامت (کلام الہی) کو قرآن ناطق (معصومین علیہم السلام) کی زبان سے بھی سمجھ لیں تو ہم سے مقبول ترجمہ منگا لیجئے۔ اور اس میں تلاوت کیجئے پھر دیکھئے کہ کلام الہی کی ساتھ ساتھ کلام رسول اور کلام امام جو امام الکلام ہوتا ہے کیسا لطف دیتا ہے۔

شرح ہدیہ اجرت جلد بندی و ذکر ضمیمہ وغیرہ مفصل حالات کیلئے فہرست کارخانہ طلب فرمائیے۔

ہدیہ۔ کاغذ قسم اول عہ کاغذ قسم دوم لعہ کاغذ قسم سوم ے فی جلد غیر مجلد علاوہ محصولڈاک۔

منیجر جوہر اینڈ کمپنی مقبول پریس چتلی قبر دہلی